۱

يستفتونك قل الله يفتيكم

شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا الحافظ الحاج مفتی ابو محمد عبد الستار صاحب دہلوی

امام

جماعت غرباء اہلحدیث کثر اللہ سوادھم کے گرانقدر علمی و تحقیقی فتوے

الموسوم بہ

فتاویٰ ستاریہ

جامع

مولانا حافظ عبد الغفار صاحب سلفی

امام محمدی مسجد بنس روڈ کراچی

حسب فرمائش

شیخ محمد عمران صاحب اینڈ برادرس

احمد پراچہ بلڈنگ کراچی ۱

ناشر

مکتبہ سعودیہ

حدیث منزل کراچی ۱

فون ٥٢٧٨٩

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ

شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا الحافظ الحاج مفتی ابو محمد عبد الستار صاحب دہلوی

امام

جماعت غرباء اہلحدیث کثر اللہ سوادھم کے گرانقدر علمی و تحقیقی فتاوے

الموسوم بہ

فتاویٰ ستاریہ

جامع

مولانا حافظ عبد الغفار صاحب سلفی

امام محمدی مسجد بنس روڈ کراچی

حسب [illegible]

شیخ محمد عمران صاحب اینڈ برادرس

احمد براچہ بلڈنگ کراچی

ناشر

مکتبہ سعودیہ

حدیث منزل کراچی

فون ۵۳۷۸۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فتاویٰ ستاریہ

سوال (۱) زید و ہندہ حقیقی بھائی بہن ہیں۔ ہندہ کے لڑکے کا زید کی لڑکی سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ شرط یہ ہے کہ ہندہ کے لڑکے نے اپنی نانی کا دودھ صغر سنی میں پیا ہے۔

جواب (۱) صورت مسئولہ میں بوجہ تعلق رضاعی کے ناجائز ہے۔

سوال (۲) زید و عمر دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ زید کی پوتی کا نکاح عمر کے لڑکے سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟
عبدالرشید کیمپ انبالہ رجبن بازار

جواب (۲) صورتِ ہذا میں بلاریب جائز ہے واللہ اعلم۔

سوال (۳) ایک شخص ہندوستانی لام پر ہے۔ کبھی قیام کہیں رہتا ہے اور کبھی کہیں مثلاً کبھی بغداد میں اور کبھی کسی ملک میں، ایسی صورت میں نماز قصر پڑھے یا پوری؟
محمد داؤد بٹالہ

جواب (۳) ایسی صورت میں نماز پوری پڑھنی چاہئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قیام جب کہ منیٰ میں ہو گیا تھا تو پوری پڑھتے تھے
عبدالستار کلانوری

(ہمدرد اہلحدیث بابت ماہ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۰ء جلد ۱ ع ۱)

سوال (۴) بدن کے کسی حصہ میں سے اگر خون نکلے تو وضو جاتا رہتا ہے یا نہیں؟
سائل عبدالعزیز ہزاروی

جواب (۴) سبیلین یعنی قبل و دبر سے اگر کوئی چیز خارج ہو تو وضو ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں (صحیح بخاری) لیٹ کر سو جانا بھی چونکہ مظنہ خروج ہے اس لئے سبب سے مسبب کا احتمال ہے۔ جن احادیث میں علاوہ سبیلین کے وضو ٹوٹنے کا حکم ثابت ہے وہ بطور احتیاط کے ہے یا لغوی وضو مراد ہے واللہ اعلم (مفتی)

سوال (۵) زید نے انتقال کیا اُس پر ایک ماہ کے روزے باقی تھے۔ اب ان روزوں کا تدارک کس طرح کیا جاوے؟ احمد محمد پٹیل از رنگون خریدار رسالہ

جواب (۵) میت کی طرف سے یا تو کوئی روزے رکھ لے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) یا اُس کی طرف سے کھانا کھلا دیا جاوے (صحیح ترمذی)

سوال (۶) ایک مرتبہ اپنی عورت سے جماع کرنے کے بعد دوسری مرتبہ میں مابین

ہر دو جماع وضو کرنا فرض ہے یا سنت؟

جواب (۶) مابین ہر دو جماع کے تین صورتیں ہیں (۱) صرف وضو، یہ مستحب ہے (۲) وضو اور غسل، یہ افضل ہے (۳) نہ وضو نہ غسل یہ جائز ہے۔ (صحیح نسائی)

سوال (۷) ایک عورت کنواری بالغہ ہے اس کے ولی ایسی جگہ نکاح کرنا چاہتے ہیں جہاں وہ راضی نہیں اس وقت اپنے وارثوں کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو ولی بنا کر جس جگہ چاہے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب (۷) ولی اگر حسب شرع نکاح کرنا چاہتے ہیں تو عورت کو جبراً اختیار کرنا ہوگا (موطا مالک صفحہ ۲ جلد ۲ مع شرح مسوی) البتہ اگر غیر کفو یعنی بد دین سے ولی نکاح کرنا چاہیں اور عورت من حیث الاسلام رکے تو ایسی صورت میں ولیوں کو جبر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ عورت کو اختیار ہوگا کہ اپنے ولیوں میں سے کسی کو ولی بنا کر حسب شرع کسی مرد صالح سے نکاح کرے اَلدِّیْنُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی یعنی اسلام کا غلبہ ہوگا دین مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔

سوال (۸) گھر میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب (۸) گھر میں مسجد یعنی جائے سجود کسی خاص جگہ کو بنا لینا نوافل و سنن کیلئے جائز و درست ہے (سنن) فرائض کے لئے کوئی ثبوت شرعاً نہیں۔

سوال (۹) مسلمان کلمہ گو کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب (۹) امام بناتے وقت اس امر کا خیال ضروری ہے کہ دیندار موحد کو امام بنایا جائے (دارقطنی)

سوال (۱۰) نام کا مسلمان شرکیہ افعال کرنے والے کا نکاح موحدہ عورت سے جائز ہے یا ناجائز؟

جواب (۱۰) حرام ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تُنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ (پ ۲ سورہ بقرہ) یعنی مشرک مردوں سے تا اسلام مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو۔ مومن تو غلام بھی مشرک سے اچھا ہے۔

سوال (۱۱) ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح زید سے کر دیا۔ لڑکی زید سے راضی خوشی ہے۔ نکاح کے بعد وہ شخص اپنی لڑکی کو زید کے پاس نہیں رہنے دیتا اور لڑکی کا خاوند طلاق نہیں دیتا آیا وہ نکاح باطل ہے یا نہیں اور لڑکی کا باپ اور جگہ بغیر طلاق کے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ (محمد یعقوب از ضلع لائلپور خریدار ہمدرد الحدیث نمبر ۱۳۸)

جواب (۱۱) لڑکی کے والد کو بغیر طلاق خاوند کوئی حق دوسری جگہ نکاح کرنے کا نہیں ہے اور نہ اس طرح میکے میں بلا مرضی خاوند بیٹھ رہنے سے نکاح باطل ہوتا ہے بلکہ عورت کا قصور کہلایا جاتا ہے اور ایسی صورت میں ہر دو بغیر نان و نفقہ بھی ضروری نہیں ہوتا

جب کہ بلا مرضی خاوند میکے میں بیٹھی رہے (فتاویٰ ابن تیمیہ)
(ہمدرد الحدیث بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۱۸ء جلد نمبر ۲)

سوال (۱۲) وقت نماز جمعہ قبل زوال ہے یا بعد زوال؟ (محمد بن ولی جوناگڈھی از رنگون)

جواب (۱۲) صحیح بخاری میں ہے کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَۃَ حِیْنَ تَمِیْلُ الشَّمْسُ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ زوال ہو جانے پر ادا کرتے تھے۔ اس روایت سے آپ کا ہمیشہ نماز جمعہ کو بعد زوال پڑھنا پایا جاتا ہے۔ مرقات ولمعات وعون وغیرہ میں ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نماز جمعہ ہمیشہ بعد زوال پڑھتے تھے وَاِلَیْہِ ذَھَبَ الْجُمْھُوْرُ خِلَافًا لِاَحْمَدَ۔ کتاب الام للشافعی جلد ۱ صفحہ ۱۷۳ میں ہے کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَۃَ اِذَا فَاءَ الْفَیْءُ واللہ اعلم۔

سوال (۱۳) نوافل یا سنتیں دن جمعہ کے ٹھیک دوپہر کو پڑھنا جائز ہے یا نہیں (سائل مذکور)

جواب (۱۳) جو علماء جمعہ کے دن سرے سے زوال ہی کے قائل نہیں ان کے نزدیک تو جائز ہے مگر جو جمعہ کا وقت بعد از زوال کہتے ہیں ان کے نزدیک جائز نہیں۔ دلائل سے جمعہ کا وقت بعد از زوال صحیح معلوم ہوتا ہے اس لئے ایسے وقت میں سنن و نوافل نہ پڑھنی چاہئے البتہ بیٹھی نماز پڑھ سکتے ہیں واللہ اعلم

سوال (۱۴) جمعہ کے دن اذان قبل زوال دینی چاہئے یا بعد میں؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۴) علی اختلاف الروایات وقت جمعہ بعد از زوال کی روایات مرفوع صریح صحیح قوی ہیں اس لئے اذان جمعہ بعد از زوال ہی چاہئے واللہ اعلم

سوال (۱۵) خطبہ قبل زوال پڑھنا چاہئے یا بعد میں؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۵) جب کہ معلوم ہو چکا کہ وقت جمعہ بعد از زوال ہے تو لامحالہ خطبہ بھی بعد از زوال ہوگا۔ امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک قبل از زوال بھی جائز و درست ہے مگر قوی مذہب زوال کے بعد کا ہے واللہ اعلم۔

سوال (۱۶) میت کو قبر کے اندر کونسی طرف سے داخل کریں پاؤں کی طرف سے یا سر بانے کی طرف سے یا دائیں یا بائیں طرف سے؟ (احمد محمد پٹیل از رنگون)

جواب (۱۶) جنازہ کو قبر کے پائنتی رکھ کر سر کی طرف سے میت کو لینا چاہئے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر کی طرف سے کھینچے گئے اور آپ کے جملہ صحابہ رکھے گئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور ابوالزناد، ربیعہ، ابن النضر فرماتے ہیں کہ یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سر کی طرف سے رکھے گئے۔ (کتاب الام للشافعی جلد اول صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ مصر)

سوال (۱۷) بوقت سفر کے آدمیوں سے سلام علیکم کہہ کر مصافحہ و معانقہ کرنا چاہیے یا نہیں یا فقط السلام علیکم کہے؟ (محمد عبداللہ چیر کنڈ ضلع مان بھوم)

جواب (۱۷) بوقت روانگی یا ملاقات سلام مسنون کرنا تو صاف اور مشہور ہے۔ بوقت روانگی مصافحہ کرنے میں تامل ہے۔ قدیم قول ہمارا بھی یہی تھا کہ مصافحہ کرنے کی کوئی روایت نہیں ہے اس لئے بوقت روانگی مصافحہ نہ کرنا چاہیے مگر ایک روایت میں نے خود کسی مقام پر دیکھی ہے جو اس وقت خیال سے اتر گئی اس لئے اب جدید قول یہ ہے کہ بوقت روانگی بھی مصافحہ جائز و درست ہے۔ حوالہ بوقت ملنے حدیث کے تحریر کروں گا انشاء اللہ۔

سوال (۱۸) کیا صدقہ خیرات دینا فرض ہے یا واجب یا مستحب یا سنت؟ جو شخص کہ صدقہ خیرات دینے کے قابل ہو کر صدقہ خیرات نہیں دیگا تو کس درجہ کا گنہگار ہوگا؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۸) زکوٰۃ واجب ہے اور صدقات واجب نہیں اگرچہ مؤکد اولیٰ، افضل مسنون، بڑا ثواب سب کچھ ہے مگر فرض صدقات میں صرف زکوٰۃ ہی ہے کہ جس کے نہ دینے پر آدمی گنہگار اور اسلام کے ایک بڑے جز و رکن کا تارک ہوتا ہے۔ صحیح نسائی مطبوعہ انصاری جلد اول صفحہ ۴۹ میں ہے کہ ایک سائل ضمامؓ بن ثعلبہ نے آپؐ سے اسلام کا سوال کیا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپؐ نے نماز مفروضہ پنجوقتہ بتلائی اور ماہ رمضان کے روزے بتلائے اور زکوٰۃ بتلائی۔ سائل نے سوال کیا کہ کیا اور بھی میرے پر فرض ہے، آپؐ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ نفل کرے۔ غرض نفلی صدقہ نکالنا ضرور چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو چیز فرض میں کم ہوگی وہ نفل سے پر ہوگی۔ اور صدقات نفلی کے بہت کچھ فضائل احادیث میں آئے ہیں بلکہ مستحقین غرباء محتاج کے ہوتے ہوئے روکنے پر وعید شدید بھی آئی ہے حدیث میں آیا ہے یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَيْكَ یعنی اے ابن آدم! ... تو خرچ کر خدا تجھ پر کرے گا۔ واللہ اعلم۔

سوال (۱۹) صدقہ فطر گیہوں اور جو اور کھجور کے عوض میں دوسری چیز دینا جائز ہے یا نہیں مثلاً چاول، چنا، پیسہ وغیرہ؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۹) بلا ریب جائز ہے۔ اس کے متعلق ہمارا رسالہ (صدقۃ الفطر) دیکھنا چاہیے اس میں دس ادلہ اس بات پر قائم کئے گئے ہیں کہ صدقۃ الفطر میں بجائے غلہ نقدی دے سکتا ہے اور بیس علماء کی مہریں بھی ثبت ہیں۔ مقصود صدقۃ الفطر سے غریبوں کا کام بنانا ہے واللہ اعلم۔

سوال (۲۰) ایک مجلس میں تین طلاق ایک دفعہ دینے سے تین طلاق شمار کیا جائے گا یا ایک طلاق؟ (سائل مذکور)

جواب (۲۰) ایک طلاق شمار کی جائے گی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

سے صاف موجود ہے کہ آپؐ کے زمانہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقیں حکم میں ایک طلاق کے تھیں اور سنن میں یہ بھی موجود ہے کہ تین طلاقیں دینے والے ابو رکانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیوی کو اس پر پھر لوٹا دیا واللہ اعلم۔ عبدالستار کلانوریؒ

ہمدرد اہلحدیث بابت ماہ رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۲۱ء جلد ۱ نمبر ۱۲

سوال (۲۱) پیشہ قصاب جائز ہے یا نہیں۔ اس کی کمائی کا پیسہ حلال ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ شراب پینے والا اور قصائی اور درخت کاٹنے والا ان تینوں کی بخشش نہیں۔ (حبیب اللہ چیر کنڈا ضلع مان بھوم)

جواب (۲۱) قصاب کے معنی عربی میں ہیں گوشت کاٹنے والا یعنی قصائی۔ اس معنے کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہے۔ صحاح میں ہے کہ آپؐ نے قربانی کی سنن میں ہے آپؐ نے فرمایا جو شخص قربانی کرنا چاہے وہ ناخون اور بال نہ لے اور صاف فرمایا فَلَا يُعْطِي الْجَزَّارَ الحدیث (سنن یعنی قربانی کے جانوروں سے قصائی کو اجرتاً کچھ نہ دے اس کی اجرت علیحدہ دے)

<u>اس کے متعلق مولانا عبدالستار صاحب دہلوی مدظلہ کا جواب</u>

الجواب بعون الوہاب۔ پیشہ قصاب بلاشبہ جائز ہے خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تعلیم دی ہے چنانچہ سنن ابی داؤد میں باب الوضوء من مس اللحم النیٔ وغسلہ کے تحت حدیث مندرجہ ذیل موجود ہے عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِغُلَامٍ يَسْلَخُ شَاةً فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَحَّ حَتّٰى اُرِيَكَ فَاَدْخَلَ يَدَهُ بَيْنَ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ فَدَحَسَ بِهَا حَتّٰى تَوَارَتْ اِلَى الْاِبِطِ ثُمَّ مَضٰى فَصَلّٰى لِلنَّاسِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو بکری کی کھال اتارتے ہوئے دیکھ کر فرمایا پرے ہٹ تجھے ترکیب نہیں آتی میں جس طرح بتاؤں اس طرح اتار۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اپنا ہاتھ چمڑے اور گوشت کے درمیان زور سے داخل کیا یہاں تک کہ آپ کا دست مبارک بغل تک کھال میں چھپ گیا۔ پھر آپؐ تشریف لے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسب قصاب جائز ہے اور مولوی مذکور کی بات غلط ہے فقط ابو محمد عبدالستار دہلوی۔

سوال (۲۲) ترک موالات (عدم تعاون) جسکی ہندوستان میں ہل چل مچی ہوئی ہے کیا یہ شرعی حکم ہے یا سیاسی، اور جو مسلمان اس کے خلاف ہیں کیا وہ گنہگار ہیں؟

جواب (۲۲) ترک موالات جیسا کہ آج کل رائج ہے شرعی حکم نہیں۔ شرعی ترک موالات یہ ہے کہ غیر مسلموں سے اسلامی برتاؤ نہ رکھا جائے کما قال اللہ تعالیٰ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ

باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ الآیۃ (پ ۲۸ س ۵۸) یعنی مومن لوگ غیر مسلموں سے دوستانہ مراسم اختیار نہیں کیا کرتے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھئے کہ جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو حضرت علی رضی نے باذن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو غیر اسلامی طریق پر دفن کر دیا اور پھر غسل کیا۔ یہ نہیں کیا کہ اُس کی نماز جنازہ پڑھی ہو یا اُس کے لئے دعا کی ہو یا مسلمانوں کو اکٹھا کیا ہو وغیرہ اسلامی مراسم کچھ نہیں کئے حالانکہ باپ تھے۔

سوال (۲۳) حکیم یا ڈاکٹر یا وید وغیرہ سے عہد کرنا کہ بعد صحت تم کو بطور نذرانہ کچھ دوں گا یہ کیسا ہے۔ (سائل مذکور)

جواب (۲۳) جائز ہے جس شرط پر نذرانہ کو معلق رکھتا ہے وہ ناجائز نہیں ہے خوشی کے وقت انعام دینا جائز ہے درست ہے لہٰذا عہد کو پورا کرنا چاہیے قال اللہ تعالیٰ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (پ ۱۵ س ۱۷) یعنی عہد کو پورا کرو اسکے نقض سے سوال ہوگا۔ ابوداؤد میں ہے اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ۔

سوال (۲۴) ایک رکابی میں بیٹھ کر مرد اپنی بیوی کے ہمراہ کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں (سائل مذکور)

جواب (۲۴) جائز ہے۔ نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے (صفحہ ۱۱ مطبوعہ مطبع انصاری) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ہڈی چوستی۔ پھر آپ اس ہڈی کو لیکر اُسی مقام سے چُوستے کہ جہاں سے میں نے چوسی تھی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حائضہ ہوتیں۔ (صحیح نسائی)

سوال (۲۵) مرد اپنی بیوی سے اجازت لیکر چھ ماہ سے زیادہ کا سفر کر سکتا ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب (۲۵) کر سکتا ہے۔ ۴ یا ۶ ماہ سے زیادہ سفر کرنے کی ممانعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بوجہ عدم صبر زوجہ کی تھی۔ اور عورت خود اجازت دے تو اب مانع کوئی نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی تو پھر تقسیم باری آپ کے لئے حضرت سودہ رضی کے واسطے رفع ہو گئی۔

سوال (۲۶) مرد اپنی بیوی اور عورت اپنے شوہر کا نام لیکر پکار سکتی ہے یا نہیں ہمارے اس ملک میں عورت اپنے شوہر کا نام لیکر پکارے تو بہت بُرا سمجھتے ہیں (سائل مذکور)

جواب (۲۶) پکار سکتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ہند نام کی عورت آپ کے پاس آئی اور کہا اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مُمْسِكٌ الخ یعنی ابو سفیان (خاوند ہند) بخیل آدمی ہے ایضاً آپ نے فرمایا فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت جملہ موجودہ عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کھانے کو

تمام کھانوں پر (نسائی صفحہ ۸، جلد ۲ مطبوعہ انصاری) ایضاً یا اُمَّ سَلَمَةَ لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ اے ام سلمہ رضی عائشہ رضی کے بارے میں مجھ کو تکلیف نہ دے (نسائی صفحہ ۷۷) ایضاً یا عَائِشَةُ اِنَّ جِبْرِيْلَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ (نسائی صفحہ ۸، جلد ۲) اے عائشہ جبرئیل علیہ السلام تم کو سلام کرتے ہیں۔

مرد کو زوجہ سے مصافحہ اور سلام کرنیکا حکم

سوال (۲۷) مرد کو اپنی بیوی سے بوقت ملاقات السلام علیکم کہہ کر مصافحہ اور معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں اور پہلے سلام کون کرے مرد یا عورت (سائل مذکور)

جواب (۲۷) عورت سے مصافحہ کرنے کا ثبوت نہیں ہے۔ سلام پہلے وہی کریگا جو داخل بیت ہوگا (قَالَ اللہُ تَعَالٰى اِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ (پ ۱۸ س ۲۴)

مسئلہ میراث

سوال (۲۸) میت نے حسب تحریر وارث چھوڑے ورثہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ خاوند، ماں، بھائی، بہن۔

جواب (۲۸) مسئلہ ۶ تصحیح ۱۸ ہندہ

بہن	بھائی	ماں	خاوند
۳	۴	۱/۳	۱/۲

ہمدرد اہلحدیث بابت رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۱ء جلد ۲ نمبر ۲

بیوہ کی عدت اور اس کی کیفیت

سوال (۲۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔

الف بیوہ عورت کے کتنے ایام مقرر ہیں؟

ب۔ وہ یوم عدت کس طرح پر ادا کئے جاویں گے؟

ج۔ اگر عدت مقررہ کے اندر کسی وجہ یا بلا وجہ نکاح کر لیوے تو وہ نکاح درست ہے یا کیا؟

د۔ دوبارہ میعاد مقررہ عدت پوری کر کے نکاح پڑھے تو وہ کس قدر عدت آیا جو ایام باقی رہے وہ یا شروع سے میعاد مقررہ عدت ادا کئے جاویں گے اور ایام باقی ماندہ یا جس قدر حاکم شرع ادا کئے جاویں گے تو وہ کس طور ادا کئے جاویں گے۔

ہ۔ اولاد جو ہوگی وہ کیسی کہلائیگی اور ایسی صورت میں بالغ بیوہ کے بلا دریافت نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی خدا بخش و عبدالرحمن سوداگر از کھمبڑی

جواب (۲۹) الف۔ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے بشرطیکہ حاملہ نہ ہو اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

ب۔ ایام عدت میں عورت معتدہ کو زیب و زینت نہ کرنی چاہیے۔ معمولی لباس پہننا چاہیے خوشبو بھی استعمال نہ کرنی چاہیے اور بلا ضرورت شدیدہ کے باہر بھی نہ نکلنا چاہیے

ج۔ عدت مقررہ کے اندر کسی طرح نکاح درست نہیں۔

د۔ اگر وہ عورت اس شخص کے ساتھ خلوت ملد ہوئی ہے یعنی دخول وغیرہ ہوا ہے تو اس کو دوبارہ عدت گذارنی پڑے گی اس کے بعد پھر کسی سے نکاح کرے خواہ اسی سے کرے

اور اگر صرف نکاح ہی ہوا ہے اور رخصت نہیں ہوئی نہ دخول ہوا ہے تو جتنے دن عدت کے باقی ہیں وہ گذارے اس کے بعد نکاح کرے۔ اور عدت وہیں گذارے گی جہاں کہ وہ اپنے خاوند کے فوت ہونے کے وقت رہتی تھی۔

۵۔ اس کا جواب (د) میں دیکھو۔ رہی یہ بات کہ اولاد کیسی کہلائے گی۔ سو واضح رہے کہ جو اولاد ناجائز طریقہ سے ہوگی وہ اولاد بھی ایسی ہوگی۔ اور بیوہ سے اذن لینا ضروری ہے جب وہ زبان سے کہدے تب نکاح کرنا چاہیئے کذا فی الکتاب والسنہ۔

ابو محمد محمد عبد الجبار سوکھپوری

ہمدرد اہلحدیث بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۱ء جلد ۳ نمبر ۴

سوال (۳۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ عرصہ چند یوم کا ہوا کہ ایک مولوی ہمارے قصبہ میں تشریف لائے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ حدیث نہیں مانی جائے گی۔ صرف قرآن ہی مانا جائیگا کیونکہ قرآن اس کی خبر نہیں دیتا اور نہ رسول ﷺ نے کہا ہے کہ میری رائے ماننا اور وہ کونسی چیز ہے کہ جس کی خبر قرآن میں نہ ہو۔ قرآن نے تو ہر ایک چیز کو کھول کر بتا دیا ہے سو اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ (الراقم خلیل الرحمن واحمد حسن از قصبہ ٹھاکردوارہ)

جواب (۳۰) صورت مذکورہ بالا میں واضح ہو کہ جس فرقہ کا ایک فرد آپ لوگوں کے قصبہ میں پہنچا اور اُس نے یہ ترغیب دی کہ صرف قرآن ہی کو ماننا چاہیئے، حدیث کو نہ ماننا چاہیئے وہ فرقہ نہایت درجہ کا گمراہ اور کافر اور خارج از اسلام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ ضالہ کے متعلق پیشگوئی فرمائی ہے اور اس فرقہ کے پیشوا کی آپ نے علامتیں بتلائی ہیں کہ ایک ہاتھ اُس کا ناقص ہوگا اور اس کے بازو پر گوشت ہوگا مثل پستان کے۔ اور فرمایا آپ نے نکل جائیں گے وہ دین اسلام سے جیسے کہ نکل جاتا ہے تیر شکار سے۔ اور فرمایا کہ بلائیں گے وہ لوگوں کو طرف کتاب اللہ کے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر پاؤں گا میں ان کو البتہ قتل کروں گا ان کو مانند قتل کرنے عاد کے چنانچہ صحابہ کرام کے زمانہ میں اس فرقہ ضالہ کا ظہور مطابق پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا۔ اور جو علامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیشوا کی بتلائی تھی اسی کے موافق ہو بہو ان کا پیشوا پایا گیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان لوگوں سے جہاد کیا اور ان کو قتل کیا۔ بعد موقوف ہونے جہاد کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کیا کہ ان کے پیشوا کو دیکھو کہ جس کی علامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہے جب دیکھا گیا تو اسی صفت مذکورہ کے موافق پایا گیا۔ غرض کہ یہ فرقہ کافر اور مرتد عن الاسلام ہے اور ان کا مذہب لاشے محض اور ناقابل التفات ہے۔ ان کا جو دعویٰ ہے کہ صرف قرآن ہی مانا جائیگا حدیث نہیں مانی جائے گی کیونکہ قرآن اس کی خبر نہیں دیتا۔ سو یہ دعویٰ بالکل

غلط اور لچر ہے کیونکہ قرآن مجید اس بات کی خبر دیتا ہے اور اتباع رسول کا حکم دیتا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور اتاری اُس نے اوپر تیرے کتاب اور حکمت اور سکھائی تجھ کو وہ چیز کہ نہیں تھا تو جانتا نیز دوسری جگہ ارشاد ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارا رسول ﷺ ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

ناظرین! میں نے دو آیتیں پیش کی ہیں جن میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے دو لفظ استعمال کئے ہیں ایک کتاب دوسرا حکمت۔ پس ظاہر ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس کا کوئی ذی علم انکار نہیں کرسکتا۔ رہا لفظ حکمت سو اس کے متعلق ہم اپنے مخاطب سے سوال کرتے ہیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اگر کہو کہ اس سے مراد حکمت کی باتیں ہیں تو قرآن مجید سارا ہی حکمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کتاب کا لفظ فرما دیا تو اس میں سب کچھ آگیا پھر دوبارہ لفظ حکمت کے استعمال کی کیا ضرورت تھی۔ یہی دلیل بیّن ہے اس امر کی کہ حکمت سے مراد ماسوا کتاب اللہ کے کوئی اور شے ہے وہی حدیث نبوی ہے۔ نیز لفظ تعلیم تشریح اور تفصیل کا مقتضی ہے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اہل لسان تھے لیکن خدا تعالیٰ کا جو مقصود ہے اس کو نہیں سمجھتے تھے اس واسطے اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا معلم بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان کو کما حقہ تعلیم دی اور اللہ تعالیٰ کا مقصود سمجھایا وہی حدیث ہے۔ نیز فرمایا اللہ عزوجل نے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی کہنا مانو اللہ کا اور کہنا مانو رسول ﷺ کا۔ اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر تو قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کہاں ہیں قرآن میں تو نہیں ہیں لہذا آپ کو ماننا پڑیگا کہ اوامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہیں۔ پس حدیث واجب الاتباع ٹھیری در فرمایا مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی جو تم کو رسول ﷺ دے پس لیلو اس کو اور جس چیز سے منع کرے باز آجاؤ تو رسول ﷺ نے کیا دیا ہے اور کس چیز سے منع کیا ہے اس کا ذکر قرآن میں کہاں ہے۔ احادیث میں ہے۔ دوسرا یہ دعویٰ کہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ذکر قرآن میں نہ ہو قرآن تو ہر ایک چیز کو کھول کر بتاتا ہے یہ بھی غلط کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ جنکا ذکر قرآن مجید میں مفصل نہیں ہے جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ یعنی ہمارا رسول ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اب ہم سوال کرتے ہیں کل خبیث چیزوں کا قرآن میں کہاں ذکر ہے سوا چند چیزوں کے یعنی مردہ اور دم مسفوح اور خنزیر وغیرہ کے ماسوا کتا بھیڑیا شیر چیتا ہاتھی ریچھ وغیرہ درندے جانور ان کے نزدیک سب حلال ہونے چاہئیں کیونکہ قرآن میں تو ان کا ذکر نہیں، حدیث میں ہے اور حدیث ان کے نزدیک غیر معتبر ہے لہذا انکو چاہیئے کہ موٹے تازے کتوں اور بھیڑیوں اور ریچھوں وغیرہ کو شکار کرکے نوش فرمایا کریں

کیونکہ یہ شکار آسانی کے ساتھ میسر ہو سکتا ہے۔ نیز فرائض الٰہی نماز و زکوٰۃ و حج کا قرآن میں تفصیل وار کہاں ذکر ہے۔ قرآن میں کہاں ہے کہ مغرب کی تین رکعتیں پڑھا کرو۔ ظہر کی چار رکعتیں پڑھا کرو اور صبح کی دو رکعت پڑھا کرو۔ اس کے علاوہ بہت سے احکام نماز کے ہیں کہ جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن میں کہاں ہے کہ زکوٰۃ مال کا چالیسواں حصہ دیا کرو یا سال گذرنے کے بعد دیا کرو۔ پس ظاہر ہے کہ ان کی تشریح و تفصیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی کی ہے اور وہی حدیث ہے۔ اور یہ حق تشریح آپ کو خدا کی طرف سے حاصل تھا جیسے کہ اوپر آیت گذر چکی یعنی وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ اور یہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ یحرم کی ضمیر کا مرجع ذات رسول ﷺ ہے یعنی رسول ﷺ انہیں ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ اتباع نبی ﷺ کی عین اتباع اللہ کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ یعنی ہمارا رسول ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا۔ جو کچھ کہتا ہے وہ ہماری وحی کے ذریعہ سے کہتا ہے۔ پس حدیث بھی مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اور وحی میں شامل ہے۔ قرآن و حدیث دونوں کی اتباع لازم و ضروری ہے ان کی اتباع کے سوا کوئی نجات کا طریقہ نہیں فقط۔

سوال (۳۱) ایک عورت کے خاوند کا انتقال ہو گیا۔ اب عورت مذکورہ کے پاس کچھ جہیز ہے اور کچھ زیور جو اس کے خاوند [illegible] یا تھا اب عنداللہ و عند الرسول زیور میں اس کے بچے حقدار ہیں یا کہ فقط عورت ہی زیور کی مالک ہے۔

جواب (۳۱) واضح ہو کہ جو کچھ عورت کو قبل عصمت نکاح کے دیا گیا بطور جہیز کے یا خاوند نے بعد نکاح کے جو کچھ زیور وغیرہ اسکو دیا بطور ملکیت کے یعنی اس کو ہبہ کر دیا اور مالک بنا دیا تو کل جہیز اور زیور وغیرہ کی مالک اور مستحق وہ عورت ہے۔ بچوں کا اس میں کچھ نہیں کذا فی کتب الحدیث۔

سوال (۳۲) ایک عورت اپنے خاوند سے کئی سال سے علیحدہ تھی۔ بعدہٗ میاں بیوی کے درمیان ایسی ناچاقی و نااتفاقی ہو گئی کہ خلع کی نوبت آئی۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں بعد خلع کے عورت مذکورہ کو عدت گزارنی پڑے گی یا بعد خلع کے فوراً ہی نکاح کرے۔

جواب (۳۲) جب عورت اپنے خاوند سے کئی سال سے علیحدہ رہتی تھی اور خاوند کے پاس بالکل نہیں آتی تھی اور پھر خلع کی نوبت آئی تو ایسی صورت میں اس پر کچھ عدت نہیں۔ خلع کرنے کے بعد فوراً ہی نکاح کر سکتی ہے۔ عدت اس صورت میں ہے کہ جب میاں بیوی پاس رہتے ہوں کذا فی سنن ابن ماجہ۔ حررہ خاکسار ابو محمد عبدالجبار سوکھیوری

ہمدرد اہلحدیث دہلی بابت ماہ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۱ء جلد ۳ نمبر ۲

سوال (۳۳) ایک شخص قبل از عقد نکاح اپنی عورت کو کہ جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے تفویض طلاق کا اختیار دیتا ہے یعنی جس وقت عورت چاہے مرد سے اپنی ذات کو بذریعہ طلاق

جدا کر لے اور مطلقہ ہو جائے۔ دریں صورت تفویض طلاق قبل از عقد نکاح جائز ہے یا نہیں اور یہ حکم نافذ ہو گا یا نہیں؟

جواب (۳۳) تفویض طلاق قبل از نکاح جائز نہیں اور اگر بسبب جہالت کے کسی نے ایسا کیا تو یہ حکم نافذ نہ ہوگا جیسے کہ حدیث ذیل اس پر شاہد ہے عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَلَاقَ اِلَّا بَعْدَ نِكَاحٍ الْحَدِيْث (ابو یعلےٰ وصححہ الحاکم وروی نحوہ ابوداؤد والترمذی) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں طلاق مگر بعد نکاح کے۔ غرض کہ طلاق کی کوئی صورت قبل از نکاح جائز نہیں فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم حررہ ابو محمد عبدالجبار سوکھیوری

ہمدرد اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۲ء جلد ۳ نمبر ۶

سوال (۳۴) اگر صف اول میں پوری بھر جانے کی وجہ سے جگہ نہ ہو تو بعد میں آنے والا نمازی کہاں کھڑا ہو۔ کیا وہ صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو کر اپنی نماز ادا کر سکتا ہے؟

سائل عطاء الرحمٰن کراچی

جواب (۳۴) ایسی صورت میں اگلی صف میں سے کسی کو کھینچ کر امام کے پیچھے صف بنا لے صف کے پیچھے تنہا نماز نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا تو صف میں کیوں نہ داخل ہوا یا صف میں سے کسی کو کیوں نہیں کھینچ لیا اَعِدْ صَلٰوتَكَ تو اپنی نماز دوبارہ پڑھ (مشکوٰۃ۔ طبرانی۔ بیہقی) فقط

حررہ العاجز ابو محمد کفاہ الصمد

سوال (۳۵) کیا بائسکوپ کا تماشا دیکھنا اجرت دیکر یا بلا اجرت جائز ہے جس میں کہ ظلی تصاویر حرکت کرتی ہوئی نظر آیا کرتی ہیں۔

جواب (۳۵) تصاویر اصلی ہوں یا عکسی یا ظلی ہوں ان کا بنانا اور رغبۃً دیکھنا منع ہے۔ رسول اللہ علیہ وسلم جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دروازے پر تشریف لائے تو جب آپ کی نظر تصاویر پر پڑی تو آپ رنجیدہ ہو کر واپس چلے گئے (بخاری)

سوال (۳۶) کیا باجا فونوگراف سے قرآن مجید کا سننا جائز ہے اور اس کے سننے سے کچھ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب (۳۶) باجوں کو خریدنا بیچنا سننا منع ہے قال اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورۂ لقمان ۝) وقولہ تعالیٰ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ الآیۃ (بنی اسرائیل) جملہ تفاسیر مبسوط میں یہی لکھا ہے۔

سوال (۳۷) کیا مسلمانوں کی عورتیں بلا تخصیص اس بات کے کہ وہ جوان ہوں یا ضعیف العمر، خوب صورت ہوں یا بدصورت بغیر چادر یا نقاب اوڑھے کھلا منہ صرف سر کھ

ڈھانکے ہوئے غیر محرم مردوں میں آجاسکتی ہیں یا نہیں؟

سائل محمد اصغر بمقام راجہ ہری سنگھ از جموں

جواب (۳۷) واضح ہو کہ عورت کا چہرہ گو شرعاً پردہ میں داخل نہ ہو مگر احتیاطاً نقاب ڈالنا چاہیے چنانچہ بعض صحابیات احرام کی حالت میں مردوں کو دیکھ کر چہرہ پر نقاب ڈال لیتی تھیں۔

(دارقطنی)

سوال (۳۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو رضامندی کے ساتھ طلاق دی اور بعد چند روز کے عورت اور مرد دونوں اس امر پر رضامند ہیں کہ پھر ہمارا نکاح ہو جاوے تو اب کس طریقہ سے ہو سکتا ہے

سائل نظام الدین سوداگر

جواب (۳۸) صورت مذکورہ میں واضح و لائح ہو کہ اگر عورت مذکورہ کی عدت باقی مدہ ہے تو وہ شخص بلا ریب رجوع کر سکتا ہے۔ نکاح ثانی کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر عدت گذر چکی ہے تو وہ شخص نکاح جدید کر سکتا ہے۔ ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم

حررہ العاجز احقر العباد حافظ ابو محمد عبد الستار مہاجری

(ہمدرد اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۲۲ء جلد ۳ نمبر ۵)

سوال (۳۹) کیا ہے حکم شرع کا اس مسئلہ میں کہ مدت سے ایک مسجد میں نماز پڑھی جاتی ہے اس کی چھت وغیرہ بوسیدہ ہو گئی ہے دوبارہ اس کو تعمیر کرانا ہے تو کیا اس جگہ کو جہاں نماز پڑھی جاتی ہے دکان یا مکان کی صورت میں بنوا کر کرایہ پر دیا جائے تاکہ اس سے آمدنی ہو جائے اور مسجد کے خرچ میں آتی رہے اور اس کے اوپر مسجد بنا دی جائے ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نادرست ہے۔ شبہ یہ ہوتا ہے کہ درجہ تحت میں جو قدیمی مسجد ہے دکان یا مکان کی صورت ہونے سے عورت، مرد دنیاداری کے معاملات کر سکتے ہیں اور پاک ناپاک اس میں معیشت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب (۳۹) صورت مرقومہ میں معلوم ہو کہ ایسا کرنا شرعاً درست ہے۔ خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد کوفہ بدلی تھی اور مسجد اول کی جگہ بازار ہو گیا اور نیز درست ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بات جو تمام دنیا میں دیکھی اور سنی جاتی ہے وہ یہ کہ زمین مسجد کیلئے وقف کی جاتی ہے اور خرید کی جاتی ہے بعدہ بعض زمین کے حصہ میں مسجد بنائی جاتی ہے اور بعض حصہ میں غسل خانہ اور بعض حصہ میں پاخانہ پیشاب خانہ بنایا جاتا ہے جس میں کہ اصلاح مقصود ہے وہ درست و جائز ہے۔

سوال (۴۰) کیا ہے حکم شرع کا اس مسئلہ میں کہ مدت سے ایک مسجد میں نماز پڑھی جاتی ہے اب اس کی چھت وغیرہ بوسیدہ ہو گئی ہے دوبارہ اس کو تعمیر کرانا ہے تو کیا اس جگہ کو جہاں نماز پڑھی جاتی ہے مدرسہ کی صورت میں بنوا کر مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث جاری کرا دیا جائے اور

اس کے اوپر مسجد بنا دی جائے ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نادرست ہے۔

جواب (۴۰) ایسا کرنا شرعاً درست ہے۔ قرآن و سنت کے ماہر پر مخفی نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے جب مسجد قدیم بازار کی گئی کیا مدرسہ آسمانی تعلیم کے لئے نہیں بنا سکتے برابر بنا سکتے ہیں وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ۔ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

سوال (۴۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ جب امام جمعہ کی دونوں رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھا تھا اس وقت زید آکر جماعت میں مل گیا بعد سلام پھیرنے امام کے اب زید کو دو رکعت جمعہ کی ادا کرنی چاہیئے یا چار رکعت ظہر کی کیونکہ اب وہ اکیلا نماز پڑھتا ہے اور جمعہ کی نماز اکیلے نہیں ہوتی از روئے قرآن و حدیث جواب سے سرفراز فرماویں۔

جواب (۴۱) چار رکعت پڑھے، نزد وقال اللہ تعالی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (وقال تعالی) مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيُصَلِّ إِلَيْهَا أُخْرَىٰ (زاد فی روایۃ ابی نعیم) وَمَنْ أَدْرَكَهُمْ فِي التَّشَهُّدِ صَلَّىٰ أَرْبَعًا (ر ہ) عن ابی ہریرۃ) قال ک صحیح واقرہ فی التلخیص کذا فی التیسیر شرح الجامع الصغیر۔

مفتی مدرسہ دار الکتاب والسنہ دھلی صدر بازار

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۲ء جلد ا نمبر ۳)

سوال (۴۲) زانیہ حالت حمل میں نکاح کر سکتی ہے یا وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ کے تحت میں داخل ہے یعنی بعد وضع حمل نکاح کرے۔ کتب فقہ میں جو یہ لکھا ہے کہ زانیہ مدت حمل میں زانی سے نکاح و وطی کر سکتی ہے اور غیر زانی سے صرف نکاح کر سکتی ہے وطی نہیں کر سکتی اس کا ماخذ کیا ہے۔

الراقم عبد الرحمن امام مسجد اہلحدیث محلہ لوہاراں ضلع گوجرانوالہ

۹ رجب المرجب ۱۳۴۰ھ

جواب (۴۲) صورت مذکورہ بالا میں واضح ہو کہ حمل والی عورت حالت حمل میں ہرگز نکاح نہیں کر سکتی نہ زانی سے نہ غیر زانی سے اور برابر ہے کہ وہ حمل زنا سے ہو یا غیر زنا سے چونکہ نص قرآنی وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ عام ہے (یعنی حمل والی عورتیں، عدت ان کی یہ ہے کہ جن لیں وہ حمل اپنا) جو شامل ہے زانیہ اور غیر زانیہ کو تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ کتب فقہ میں جو اس کے متعلق لکھا ہے وہ محض رائے و قیاس پر مبنی ہے اللہ یہی اس کا ماخذ ہے۔ قرآن و حدیث سے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں فقط

سوال (۴۳) زید نے ہندہ سے شادی کی عرصہ بارہ سال کا ہوا۔ اس عرصہ سے اس کو

رخصت کر کے نہیں لے گیا اور نہ نان ونفقہ دیا نہ اور کسی قسم کی خبر لی۔ اور ہندہ کے والدین برابر زید سے خط وکتابت کرتے رہے کہ لڑکی کو رخصت کرا کے لے جاؤ مگر زید نے کچھ خبر اور جواب نہیں دیا اور زید نے ثانی نکاح بھی کر لیا ہے اور زید ہندہ کو طلاق بھی نہیں دیتا۔ اس حالت میں ہندہ کی کیا کچھ صورت ہے آیا وہ نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب (۴۳) صورت مذکورہ بالا میں واضح ہو کہ عورتوں کو نان ونفقہ دینا اور انکے ساتھ حُسن معاشرت کرنا فرض ہے۔ جو شخص اپنی بیوی کو نان ونفقہ نہ دے اور اس کے ساتھ حُسنِ معاشرت نہ کرے وہ ظالم اور ضار ہے اور عورت مظلومہ ہے اور ظلم وضرر بفرمان رب العزت لَا تُضَارُّوْهُنَّ بالکل حرام ہے (یعنی نہ ضرر پہنچاؤ تم ان کو ساتھ عدم نان ونفقہ وترک حُسنِ معاشرت کے) پس عورت مظلومہ کو اس کے ظلم وستم سے چھڑانا اور ان کے درمیان تفریق کرانا نہایت ضروری امر ہے اور نیز ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے جیسے کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اس پر شاہد ہے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلٰى امْرَأَتِهٖ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا (دار قطنی) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں جو اپنی بیوی کو نان ونفقہ نہیں دے سکتا تفریق کرادی جائے درمیان ان کے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عورت کو ایسی صورت میں فسخ نکاح کا اختیار ہے کسی امام وقت کے ذریعہ سے اس کا نکاح فسخ کرا لیا جائے۔ بعد فسخ نکاح وانقضاء عدت ایک حیض کسی موحد شخص سے اس کا نکاح کر دیا جائے۔ اور یہی فتویٰ ہے سعید بن مسیب کا فقط

سوال (۴۴) ایک مسلمان نے ایک مسلمہ عورت کے ساتھ عقد کیا عرصہ ایک سال کا ہوتا ہے کہ وہ بمبئی چلا گیا اور شرک وبدعت میں مشغول ہو گیا اور نماز بالکل ترک کر دی اور نان ونفقہ بھی نہیں دیتا ہے اور نہ اپنا حال تحریر کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ عورت مسلمہ دیندار پرہیزگار عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب (۴۴) اگر واقعی وہ شخص مشرک وبدعتی ہو گیا ہے اور نماز بھی ترک کر دی ہے تو وہ مرتد اور کافر ہے اس کے متعلق احادیث بکثرت ہیں نیز صحابہ کرام تارک الصلوٰۃ کو بالاتفاق کافر کہتے تھے (ترمذی) اور الترغیب والترہیب میں ہے وَقَدْ جَاءَ عَنْ عُمَرَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَغَيْرِهِمْ اَنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ فَرْضٍ وَّاحِدَةً مُتَعَمِّدًا حَتّٰى يَخْرُجَ وَقْتُهَا فَهُوَ كَافِرٌ مُّرْتَدٌّ یعنی حضرت عمرؓ وعبد الرحمن بن عوفؓ ومعاذ بن جبلؓ وابو ہریرہ رضی سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جو شخص چھوڑ دے فرض نماز کو ایک بار جان بوجھ کر یہاں تک کہ نکل جائے وقت اس کا پس وہ کافر اور مرتد ہے۔ پس جب وہ شخص مرتد اور کافر ہو گیا اور نیز شرک وبدعت بھی کرنے لگا تو عورت مسلمہ اس کی زوجیت سے بالکل علیحدہ ہو گئی اس کے نکاح میں نہیں رہی۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ نان ونفقہ نہیں دیتا۔ اور جو شخص نان ونفقہ نہ دے اور

عورت اس کی شاکی ہو تو اس کے لئے فیصلہ نبوی یہ ہے عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلٰى امْرَأَتِهٖ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا (دار قطنی) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو نان ونفقہ نہیں دے سکتا تفریق کرادی جائے درمیان ان کے۔

پس اگر صورت اولیٰ ممکن نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا خدشہ ہو، چونکہ حکومت کفار کی ہے تو صورتِ ثانی اختیار کی جائے یعنی بذریعہ امام وقت اس کا نکاح فسخ کرا لیا جائے خواہ وہ شخص طلاق دے یا نہ دے بعد فسخ نکاح وانقضاء عدت ایک حیض عورت مذکورہ مسلمہ کا عقد ثانی کسی موحد متبع سنت شخص سے کر دیا جائے۔ اسلام کا فیصلہ یہی ہے، آگے قسمتِ مسلمانان کہ اپنی بستی شہر میں آسمانی قانون کے جاری کرنے والے عامل ومعتقد طرفدار کتاب وسنت، طالبِ آخرت کو اپنا امامِ وقت نہیں بناتے تاکہ ایسی خرابیاں وتکلیفیں ان سے رفع ہوں حالانکہ حاکم وقت غیر مسلم بھی اسکے مزاحم نہیں ہوتے۔ اور اسلام میں امام بنانا جو ایسے احکام مسلمانوں میں پابندی کے ساتھ کرے اور کرائے فرض ہے۔ نہ معلوم قیامت کے دن یہ علماء بد دنیا کے طالب وامراء فساق فجار رب العالمین کے سامنے کیا جواب دیں گے؟
فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ (ایڈیٹر) ابو محمد عبد الجبار

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۴۰ھ مطابق ملو جون ۱۹۲۲ء جلد ۱ نمبر ۴)

سوال (۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور اس کو رونق دینا اور سبیل کا لگانا وغیرہ کیسا ہے اور اس میں جان ومال سے شریک ہونے پر شرع محمدی کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب (۴۵) تعزیہ یعنی ماتم کرنا امام حسین رضی کا جو فی زمانہ رائج ہے گناہ کبیرہ اور بدعت ہے۔ اور کرنے والا اس کا اور شریک ہونے والا اس میں جان ومال سے مشرک اور بدعتی ہے اس لئے کہ عاشقِ سادات واہل بیت صحابہ کرامؓ وتابعینؒ ائمہ کرامؒ واحادیث نبوی سے اسکا بالکل ثبوت نہیں۔ اور جو جو امور اس میں کئے جاتے ہیں وہ بعض بدعت اور بعض شرکیہ ہیں اور سبیل امام حسینؑ کے نام کی شرکِ اکبر ہے۔ اور بنانا کربلاؤں اور تربتوں کا اور کھڑا کرنا شدوں کا اور بیان کر کے رونا اور پیٹنا اور تین دن تک تجر کو منہ ڈھانکنا اور اسکے آگے سجدہ کرنا اور منتیں ماننا اور عرضی حاجتوں کی باندھنا اور مہندی روشن کر کے دور دور سے لانا اور شمع روشن کر کے ہاتھ پر رکھنا اور تمام رات اُن کے آگے کھڑا کرنا اور مرثیہ پڑھنا اور شربت وریوڑی وطیدہ وحلیم وحلوہ وتعزیہ کی نذر چڑھانا اور طرح طرح کے اسراف وفضول خرچیاں کرنا اور آتشبازی چھوڑنا اور لنگور بندر وغیرہ کی شکل بنانا اور نیک جیبیوں کے نام بکار بکار کر سنانا اور سینہ کوبی کرنا اور قسم قسم کے باجے بجاتے ہوئے جانا اور مرد وزن کا

ایک جا ہجوم ہونا اور ماتمی لباس کپڑوں کے ساتھ ظاہر کرنا وغیرہ جملہ امور بدعت اور بعض شرک اکبر ہیں۔ فرمایا دو جہاں کے سردار محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بدعتی کا نماز، روزہ، حج، عمرہ جہاد، خیرات، انصاف کچھ خدا کے ہاں مقبول نہیں۔ اور بدعتی اسلام سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ بال آٹے سے صاف علیحدہ ہو جاتا ہے (ابن ماجہ)

خلافت کمیٹی سے اپیل خلافت کمیٹی کو چاہئے کہ وہ اس بدعت اور شرکیہ افعال کے کرنے سے مسلمانوں کو روکے اور تعزیہ فنڈ کا روپیہ مساجد فنڈ یا مدرسہ فنڈ یا کسی اور کار خیر میں صرف کرنے کی کوشش کرے تاکہ آئے دن کی بدعت اور فضول خرچیوں اور ہندو مسلمانوں کے باہمی تنازعات سے نجات ملے وَمَا ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ بِعَزِيْزٍ۔ (مفتی) عبد الستار کلانوری مدرس مدرسہ حمیدیہ عربیہ دہلی۔

الجواب صحیح مولوی ابو محمد عبد الجبار مدرس مدرسہ عربیہ کھنڈیلہ ضلع جے پور۔ الجواب صحیح مولوی عبد الواحد بن عبد اللہ الغزنوی از لاہور الجواب تعزیہ بنانا بدعت بلکہ شرک ہے۔ مولوی ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری۔ الجواب صحیح مولوی ابو عبید الکبیر محمد عبد الجلیل سامرودی مدرس مدرسہ سامرود الجواب مولوی ابو القاسم بنارسی سیف الجواب۔ تعزیہ بنانا اور اس کی کسی قسم کی مالی و جانی اعانت و امداد کرنا اور شرکت کرنا اور رونق دینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اور رونق دینے اور امداد کرنے میں اس موقع پر لوگوں کے لئے سبیل لگانا بھی داخل ہے فقط واللہ۔ کتبہ عزیز احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۱۰ ذیقعدہ ۳۹ھ۔ الجواب سلطان محمود مدرسہ فتحپوری دہلی۔ الجواب صحیح احمد شیر عفی عنہ۔ الجواب صواب عبد الوحید عفی عنہ۔ الجواب صحیح محمد رسول خان عفا اللہ عنہ۔ الجواب صواب نبر حسن بقلم خود۔ الجواب صحیح نور الحسن عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی اصاب المصیب بندہ محمد حسن عفی عنہ۔ صح الجواب فقیر اصغر حسین عفی عنہ المجیب محمد ادریس عفا اللہ عنہ الجواب صحیح محمد بردل مدرس مدرسہ نعمانیہ الجواب صحیح محمد عبد الرحیم عفی عنہ۔ الجواب صحیح بندہ شفاعت اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی الجواب صحیح محمد شفیع مدرس مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب الجواب ہو الصواب عبد الحنان مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی۔ المجیب مصیب وحید حسین مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح الطاف حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ۔ الجواب تعزیہ بنانا اور اس کی امداد مالی و بدنی کرنا حرام ہے حررہ محمد کرامت اللہ عفی عنہ الجواب صحیح محمد عبد القادر مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی الجواب صحیح محمد عبد الرحیم عفی عنہ مہتمم مدرسہ رحیمیہ دہلی الجواب صحیح ابو محمد عبد الوہاب امام جماعت غرباء اہلحدیث دہلی۔ الجواب صحیح تعزیہ داروں کی ان چیزوں کے ساتھ تعظیم و اعانت حرام اور گناہ ہے۔ محمد یوسف عفی عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ الجواب صحیح ابو الزبیر محمد یونس قریشی مدرس مدرسہ میاں صاحب

مرحوم پھاٹک حبش خان دہلی۔ المجیب مصیب عبد الجبار عفی عنہ میرٹھی مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی۔ الجواب صحیح عبد الرحمٰن عفی عنہ الجواب صحیح محمد اسحاق مدرس حسینیہ دہلی الجواب صحیح ابو محمد عبید اللہ مدرس مدرسہ دار الہدیٰ کشن گنج دہلی۔ الجواب صحیح تعزیہ بنانا بالکل ناجائز اور بت پرستی ہے اور اس کی تعظیم اور اس کے نیچے سے نکلنا وغیرہ تمام مراسم شرک ہیں۔ اس میں رونق دینا اور شریک ہونا اور کل امور اس کے بت پرستی اور شرک ہیں اور اس کے دلائل بکثرت قرآن و حدیث میں موجود ہیں جنہیں بیان کی حاجت نہیں عیاں راچہ بیاں۔ حررہ العاجز محمد یوسف شمس محمدی فیض آبادی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ محرم ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۲ء جلد ۱ نمبر ۷)

(مہر معاف ہونے کی صورت کا حکم)

سوال (۴۶) ہندہ نے مرنے سے دس یوم پہلے اپنا مہر اپنی خواہش سے بغیر کسی کے سمجھانے اور کہنے کے اپنی رضا سے معاف کیا۔ اس وقت چند عورتیں مرحومہ کی رشتہ دار اور چند عورتیں خاوند کی رشتہ دار موجود تھیں۔ موافق شریعت کے مہر معاف ہوا یا نہیں؟

جواب (۴۶) واضح ہو کہ واقعی بلحاظ صورت مذکورہ بالا کے شریعت محمدیہ کی رو سے بے شبہ مہر معاف ہو گیا لقولہ تعالیٰ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا الآیہ۔ یعنی اگر تمہاری عورتیں دلی خوشی سے (بلا جبر کسی کے) بعض مہر یا کل مہر معاف کر دیں تو تم اس کو بے دھڑک کھا ؤ پیو۔ حاصل یہ کہ اگر عورتیں برضا و رغبت اپنا مہر معاف کر دیں تو وہ شرعاً جاری ہو گا اور معاف ہو جائے گا۔

(نکاح الصغر)

سوال (۴۷) بکر نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح خالد کے نابالغ لڑکے سے کر دیا۔ اب لڑکی نے اپنے باپ بکر کے فوت ہونے کے بعد بالغ ہو کر انکار کر دیا کہ یہ نکاح مجھے منظور نہیں۔ اب شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب (۴۷) اگر لڑکے میں کوئی عیب شرعی نہیں ہے تو مناسب یہی ہے کہ جہاں تک بھی ہو سکے لڑکی اپنے باپ کے نکاح کردہ شدہ کو قائم رکھے کیونکہ باپ نے جو نکاح کیا وہ صحیح ہے لیکن اگر بالکل نبھاؤ کی صورت نہیں ہے اور لڑکی اس نکاح سے بالکل ناخوش ہے تو ایسی صورت میں اس کو فسخ نکاح کا اختیار ہے مگر بہتر یہ ہے کہ فسخ نکاح امام زماں یا حاکم وقت کے ذریعہ سے جو احکام شرعیہ کے جاری کرنے کے لئے مقرر ہے کرایا جائے تاکہ آئندہ کسی قسم کا خدشہ پیش نہ آئے۔

(حاملہ زانیہ سے نکاح کا حکم)

سوال (۴۸) زید کا نکاح ہندہ سے اس حالت میں ہوا کہ ہندہ حاملہ تھی زنا سے۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ ہندہ حاملہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہندہ کے ساتھ زید کا نکاح قائم ہے یا ٹوٹ گیا۔ اور یہ حمل کسی غیر کا تھا۔ اگر نکاح فسخ ہو گیا تو مہر دینا ہو گا یا نہیں؟ اور کچھ مہر ادا کر چکا ہے اور زید اس کو رکھنا نہیں چاہتا کیونکہ ہندہ خبیثہ اور بے شرم ہے

اور زید موحد متبع سنت ہے۔

جواب (۴۸) صورت مسطورہ میں واضح ہو کہ حالت حمل میں جو نکاح کیا گیا وہ نہیں ہوا اس کو فوراً علیحدہ کرنا چاہئے۔ اگر اس سے جماع کیا ہے تو بیشک مہر دینا ہوگا۔ اور اگر جماع نہیں کیا تو مہر کچھ دینا نہیں آئے گا کیونکہ جب نکاح ہی نہیں ہوا تو مہر کس بات کا فقط واللہ اعلم

(مفتی) عبدالجبار سوکھپوری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء جلد ۲ نمبر ۵)

فتویٰ وقت نماز عیدین

مرتبہ مولانا عبدالستار صاحب کلانوری مفتی مدرسہ دارالکتاب والسنہ
ومدرس مدرسہ حمیدیہ۔ موری دروازہ۔ دہلی۔

سوال (۴۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ عیدین کی نماز کا وقت کس وقت سے کس وقت تک ہے۔ بعض علماء نیزے کی قید سے صرف ۷، یا ۸ بجے تک جائز رکھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ زوال تک عیدین کا وقت ہے کونسا قول ٹھیک ہے؟ اور اگر ۷، یا ۸ بجے کے پیچھے نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھے یا اپنی ایک جماعت کرائے کہ یہ امام تو دیر سے نماز پڑھاتا ہے بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا

جواب (۴۹) هُوَ الْمُوَفِّقُ لِلسَّدَادِ وَالصَّوَابِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ۔ صورتِ مرقومہ بالا کا یہ جواب ہے کہ اس ملک راجپوتانہ میں جنوری مہینہ میں آفتاب ساڑھے سات (۷½) بجے نکلتا ہے اور آخری ماہ میں آج کل سات بجکر بیس منٹ پر نکلتا ہے تو جس گروہ علماء نے سات بجے تک وقت رکھا ہے ان کے نزدیک تو نماز عیدین کی بالکل جاڑوں میں ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ ان کی عقلمندی کی نشانی ہے اور ان کے علم کا ناپ تول ہے۔ اور حدیث عمرو بن عبسہ میں ایک نیزہ کا اور دو نیزہ کا بھی ذکر آچکا ہے تو اس صورت میں بھی آٹھ بجے تک وقت ہی دشوار ہے اور گرمی کے موسم میں ۵ بجے آفتاب نکلتا ہے تو تین گھنٹہ تک عیدین کا وقت ان علماء کے نزدیک رہتا ہے۔ یہ دین محمدی نہیں بلکہ انگریزی دین ہے۔ دین محمدی تمام ملکوں میں تمام موسموں میں وقتوں میں ایک ہے۔ حدیث عمرو بن عبسہ کے یہ الفاظ ہیں إِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَأَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتْ فَلَا تُصَلِّ حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطٰنٍ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ قِيْدَ رُمْحٍ أَوْ رُمْحَيْنِ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ وَمَحْضُوْرَةٌ آخر حدیث تک۔

یہ حدیث شریف صاف ہے کہ مجرد آفتاب کے نکلنے سے نماز درست نہیں جب تک

ایک یا دو نیزے نہیں نکل چکے اس کے بعد اس کو نماز پڑھنی چاہیے۔ تو اس حدیث کے لحاظ سے آٹھ بجے تک جاڑوں میں وقت نہیں داخل ہوتا۔ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ کی قرأت دونوں رکعتوں عیدین میں سو آیت تھیں تو اسی حساب سے جب آفتاب جاڑوں میں ساڑھے سات بجے نکلے اور دو نیزے باہر آنے کے بعد نماز شروع کرے اور سو آیت دونوں رکعتوں میں پڑھے اور مطابق سنت کے رکوع سجدہ کرے اور بارہ تکبیریں کہے تو کسی صورت میں آٹھ بجے سے پہلے نماز ختم نہیں کر سکتا۔

معلوم نہیں مولوی صاحبان نے کیا سمجھ کر یہ فتویٰ دیا ہے۔ کیا نماز کو بھی انگریزی بنانے والے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب مقرر کیا ہے بَابُ إِذَا فَاتَهُ الْعِيْدُ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَذٰلِكَ النِّسَاءُ وَمَنْ كَانَ فِي الْبُيُوْتِ وَالْقُرٰى لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا عِيْدُنَا يَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلَاهُ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمَ الْعِيْدِ عَلٰى رَاحِلَتِهِ رَوَاهُ أَبُوْ يَعْلٰى وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ (مجمع الزوائد)

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ اصلی مقصد خطبہ سے نصیحت کا کرنا ہے مجرد رسم ادا کرنا نہیں تو جس جگہ سے خطیب کی آواز تمام لوگوں تک پہنچے وہاں پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے۔ اگر ایسی جگہ خطبہ پڑھا ہے کہ تمام کو آواز نہیں پہنچی تو جن کو آواز نہیں پہنچی ان کو وہاں پر جا کر پھر خطبہ سنا دے کوئی روایت ہم کو آج تک نظر نہیں آئی جس سے یہ ثابت ہو کہ جس جگہ امام نے نماز پڑھی ہے اس جگہ پر خطبہ پڑھے جب کہ شریعت سے جگہ مقرر نہیں تو اپنے قیاس سے کیوں قیاس کی بنیاد ڈال کر شریعت میں نیا رستہ قائم کرے۔ شریعت پوری ہو چکی ہے اسی قدر بہت ہے زیادہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے فقط الراقم عبدالحکیم

مہر عبدالحکیم نصیرآبادی عفی عنہ

الجواب۔ خطبہ عید نماز کی جگہ پر بھی جائز ہے اور نماز کی جگہ سے ہٹ کر بھی جائز ہے یعنی حدیثوں سے یہ ہر دو امر ثابت ہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم

عبدالواحد بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ تعالیٰ عنہما۔

خطبہ نماز عید ہی کے مقام پر سنانے کو سنت کہنا اور دوسرے مقام پر سنانے کو خلاف سنت کے کہنا کسی اساس پر مبنی نہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سِعَةً واللہ اعلم

حررہ عبدالتواب تاب اللہ علیہ

امام کس جگہ خطبہ پڑھے؟ بظاہر تو یہی طریق ہے اور اس کی مثال خود جمعہ کی کیفیت

بلا اختلاف موجود ہے کہ خطبہ اور نماز کی جگہ الگ الگ ہے۔ ہاں مانع کے نزدیک کوئی حدیث ہے جس سے اس کا خیال ثابت ہو اور نماز کی جگہ ہی خطبہ پڑھنے کا ثبوت ہو تو قابل مان لینے کے ہے واللہ اعلم۔ ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری

مہر مولوی ثناء اللہ صاحب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونچی جگہ پر خطبہ پڑھتے تھے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ - ابوداؤد میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ لفظ نَزَلَ صاف بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ اونچی جگہ پر پڑھا چنانچہ عون المعبود میں ہے وَيَدُلُّ عَلَى أَنَّ خُطْبَتَهُ كَانَتْ عَلَى شَيْءٍ عَالٍ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ کتبہ عبدالنور مدرس اول مدرسہ دارالہدیٰ کلکتہ

مہر مولوی عبدالنور صاحب

الجواب صحیح عنایت اللہ

اگر کوئی امام نماز کی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر وعظ کہے تو جائز ہے۔ راقم ابوسعید محمد حسین بٹالوی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ جائے نماز پر ہی خطبہ کہنا چاہئے وہاں سے ہٹ کر کہنا عیدین میں جائز نہیں بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونچی جگہ پر وعظ کہنا اور اونٹنی پر نصیحت کرنا اس امر پر صاف شاہد ہے واللہ اعلم۔ کتبہ عبدالحمید البدھوانوی

الجواب صحیح ابوعبدالرزاق محمد اسحاق ڈربوی حصاروی

مہر مولوی عبدالحمید صاحب

امام جس جگہ عید پڑھاوے وہاں سے دوسری جگہ بھی خطبہ پڑھ سکتا ہے اور یہ فعل اسکا شرعاً جائز ہے۔ اس کا عدم جواز اور ممنوع ہونا کہیں دیکھا نہیں گیا واللہ اعلم

راقم حکیم ابوتراب محمد عبدالحق دینانگری حال مقیم امرتسر

مہر مولوی ابوتراب عبدالحق صاحب

الجواب صحیح حکیم محمد شمس الحق

دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ہر دو امور کا ثبوت پایا جاتا ہے بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اسی جگہ خطبہ پڑھا اور بعض میں ہے کہ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ غرض دونوں طرح درست ہے واللہ اعلم۔ حررہ ابومحمد عبدالجبار کھنڈیلوی مدرس مدرسہ اہلحدیث کھنڈیلہ

مہر مولوی عبدالجبار صاحب

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ حررہ العاجز ابومحمد عبدالوہاب المہاجری امام جماعت غرباء اہلحدیث دہلی

کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ امام اسی جگہ خطبہ پڑھے جہاں نماز پڑھائی ہے بلکہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ایک وعظ فرمایا۔ اور اگر اسی جگہ کھڑا ہونا ضروری تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے ایسا انتظام کرتے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ بخوبی سن سکتیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ کی پابندی ضروری نہیں بلکہ جیسے امام مناسب سمجھے ویسا کرے بغیر دلیل کے اپنے اوپر ایک بات کو لازم کر لینا درست نہیں۔ (عبداللہ امرتسری)

مولوی فاضل) الجواب صحیح احمد بن محمد الملتانی

خطیب کو اختیار ہے کہ خطبہ مصلے یعنی نماز کی جگہ پہ کہے یا وہاں سے ہٹ کر جو علماء اس بات کی قید لگاتے ہیں کہ وہیں مصلے پر امام خطبہ کہے یہ ان کی حدیث سے لاعلمی ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کے باب اور حدیث سے استدلال فیاللعجب امام بخاریؒ کے کسی باب اور حدیث سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام مصلے یعنی اپنی نماز کی جگہ پر خطبہ کہے بلکہ صحیح بخاری میں اسکے برعکس ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ يَوْمَ الْعِيدِ یعنی امام کو چاہئے کہ عورتوں کو عید کے دن وعظ کہے۔

اس باب کے تحت میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جابر بن عبداللہ کی روایت لائے ہیں جس کے لفظ اپنے معنے میں صاف ہیں یعنی فَلَمَّا فَرَغَ نَبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ ترجمہ۔ پس جب کہ فارغ ہوئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم (مردانہ) خطبہ سے اُترے۔ پس آئے عورتوں کے پاس اور نصیحت کی اُن کو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کے پاس جا کر خطبہ کہنا صریح دال ہے کہ خطیب کو مصلے پر کھڑے ہو کر خطبہ کہنا کوئی ضروری نہیں ورنہ عورتوں کے پاس جا کر خطبہ کہنا بھی منع ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں لفظ نَزَلَ صاف بتلاتا ہے کہ خطبہ کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلند زمین پر چڑھ گئے تھے جیسا کہ خطبہ کا قاعدہ ہے کہ بلند جگہ پر کہا جاتا ہے اسلئے کہ بلندی سے پستی کی طرف آواز زیادہ پہنچتی ہے اور مقتدیوں کا تقابل بھی امام کے حق میں مناسب رہتا ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے دوسرے باب اور حدیث سے ثابت ہے وہو ہذا بَابُ اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي خُطْبَةِ الْعِيدِ یعنی امام کو چاہئے کہ لوگوں کی طرف منہ کر کے خطبہ کہے چنانچہ الفاظ حدیث ہیں أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ یعنی سامنے ہوئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ مبارک کے ساتھ

اس اقبال کیلئے یہ روایت تطبیق دہ نہایت مناسب ہے جو طبرانی کبیر میں باسناد جید مروی ہے کہ نماز عید پڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں آتے اور لوگوں کو دیکھتے کہ کس طرف متوجہ ہوتے ہیں پھر آپ بھی ادھر ہی متوجہ ہوتے۔ اور ایک روایت مسند احمد میں ہے ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيَسْتَقْبِلُ النَّاسَ سطر ۱۹ صفحہ یعنی نماز پڑھ چکنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر سامنے کھڑے ہوتے اور بعض روایت میں ہے کہ اونٹنی پر وعظ کہتے۔

پس نتیجہ صاف ہے کہ سواری اور نماز عید کی جگہ علیحدہ علیحدہ ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ سواری پر اور نماز عید سواری سے علیحدہ پڑھی۔ اسی طرح مسند احمد کا لفظ ثم یتقدم صریح دال ہے کہ نماز عید کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض خطب میں نماز کی جگہ چھوڑ کر خطبہ فرماتے

بعض الناس جو نماز کی جگہ سے علیحدہ ہوکر خطبہ فرمانے کو بدعت کہتے ہیں ان کو اس وجہ سے دھوکا ہوا کہ انہوں نے حدیث میں لفظ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَ إِلَى النَّاسِ قَائِمًا فِي مُصَلَّاهُ اور بعض روایت میں خَطَبَ يَوْمَ عِيْدٍ عَلَىٰ رَاحِلَةٍ اور بعض میں أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ دیکھ لئے جس سے وہ یہ مطلب سمجھے کہ خطیب کو خطبہ بس اسی جگہ کہنا چاہئے کہ جہاں اس نے نماز پڑھائی تھی لیکن یہ اُن کی کم علمی کی وجہ سے غلطی ہے۔ پہلی روایت کا صرف یہ مطلب ہے کہ عیدین کا خط امام کھڑے ہوکر کہے نہ بیٹھ کر اور مصلے یعنی عیدگاہ ہی میں کہے نہ کہ عیدگاہ کے علاوہ رہا وقت تو وہ طلوع ہونے کے بعد سے زوال تک ہے اور اسپر تمام محدثین وفقہار حنفیہ وشافعیہ ومالکیہ وحنبلیہ وظاہریہ کا اتفاق ہے سوائے ایک شخص ابن بطال کے جن کا مذہب فتح الباری میں منقول ہے کہ وہ زوال تک کے قائل نہیں ہیں۔ یہ تو وقت کی انتہار کا بیان ہوا لیکن افضل اتباع سنت ہے اور سنت وہ وقت ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عیدین ادا فرمائی لیکن زوال کے قبل تک نماز صحیح الادا ہوجائیگی۔ کتبہ محمد ابوالقاسم عفی عنہ۔

وقت نماز عیدین کی ابتدا ایک نیزہ سورج کی بلندی سے ہے زوال تک۔ جب زوال شروع ہو چلا وقت گیا۔ اگر امام دیر کرکے نماز پڑھائے تب بھی امام معہود کے ساتھ نماز عیدین کو ادا کریں تاکہ نماز عیدین جماعت متعددہ سے محفوظ رہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا جاوے گا تو فتنہ عظیم کا اندیشہ ہے یَعْلَمُ هٰذَا مَنْ لَهُ أَدْنٰى تَأَمُّلٍ

حررہ ابو محمد عبید اللہ مدرس مدرسہ دار الہدیٰ کشن گنج دہلی ۲۳ رشعبان ۱۳۳۶ھ

اَلْاَجْوِبَةُ كُلُّهَا صَحِيْحَةٌ ابو محمد عبدالوہاب المہاجری امام جماعت غربار اہلحدیث دہلی۔

الجواب۔ بعض علمار جو نیزہ کی قید، یا ۸ بجے یا اس سے کچھ کم کی لگاتے ہیں وہ شاید نیزہ سرمہ کی سلائی کو سمجھتے ہیں۔ افسوس ایسے علمار پر جو صرف ہلدی کی گرہ مل جانے سے پنساری بن بیٹھتے ہیں ان کو چاہئے کہ یا تو ایسے مسائل میں خاموش رہیں یا کسی کے ہو رہیں ورنہ وہی مثل ہوگی ع۔ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔

ذرا دو چار ایسے ہی مسائل خلاف مشہور کرنے سے لوگوں میں ہل چل مچ جائے گی۔ بین بین ڈگ بجنے یاروں کا مطلب بر آئے گا یعنی کچھ تو تفرقہ بندی ہو ہی جائے گی اور نمازی کم ہوں گے۔ چلو فہو المراد چنانچہ گذشتہ عید کے موقع پر ایسا ہی ہوا کہ ہم کبھی پانچویں سواروں میں اپنے دو چار کوتاہ فہموں کو النبی سید حمدی دیکر اپنا الوسیدھا کر ہی لیا فَيَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ۔ ایسے علمار کی غرض محض حسد کی بنار پر صرف یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا اجتماعی کام شیرازہ کی صورت میں ہوجاوے اور جن کے دلوں میں پہلے ہی سے کجی ہے وہ ان جھوٹے مسائل کو ڈھال بنا کر خوب لعن طعن کریں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چنیں جیسا کہ گذشتہ عید پر بعض کوتاہ فہموں نے عملاً کرکے بھی دکھلا دیا۔ ایسے حضرات

کو خوب اچھی طرح سن لینا اور یقین کر لینا چاہئے کہ ان طمع سازیوں سے ایک اللہ والے عالم کا اگر ایڑی سے چوٹی تک زور لگائیں تب بھی خدا کے فضل سے کچھ نہیں بگاڑ سکتے مگر کسی وقت میں ذرا اگر بیان میں منہ ڈال کر اپنے نقصان کو بھی خیال فرمالیں جو ایسے مسلمان خصوصا موحد متبع سنت عامل، عالم، امام اور پھر استاد کے عیوب بیجا جھے، غیبت کا کرنا کس قعر مذلت میں ڈالے گا تو کیا ہی عمدہ ہو۔ کیا سنن ماضیہ کا حال آپ کو اب تک معلوم نہیں کہ مخالفت میں انہوں نے اگرچہ ابتدار اپنی مراد پائی مگر نتیجہ کیا ہوا؟ وہی ہوا جو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

آخرش واں سے وہ اس طرح نکلوائے گئے ؞ پابدست دگرے دست بدست دگرے

ہم اپنے مضمون کو اس جگہ زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔ اس لئے ع

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں اُنکی

تنبیہ۔ ناظرین! حدیث شریف میں عید الفطر کے لئے دو نیزے اور عید الضحٰے کے لئے ایک نیزہ آیا ہے۔ بعض الناس کے مطلب کو تو آپ سن چکے کہ وہ عیدین کا وقت، یا ۸ بجے تک بتلاتے ہیں وہ غالبًا نیزہ سرمہ کی سلائی یا تیر یا گز یا اور کوئی ایسی ہی معمولی چیز کو کہتے ہیں حالانکہ نیزہ سے مراد یہاں پر وہ نیزہ ہے جو سواروں کے پاس ہوتا ہے جو کئی گز کا ہوتا ہے۔ اب اس کے دو نیزے اور ، یا ۸ بجے کا وقت ناظرین خود سمجھ لیں۔ عیدین میں جلدی کرنی چاہئے مگر کہاں تک اس کا جواب، یا ۸ بجے والے دیں گے جن کے نزدیک ۹ بجے کا وقت خلاف سنت ہے مگر دلیل ندارد۔ یہی حضرت سابقہ اشتہار میں بہت غلطیاں کر چکے ہیں جن کا تعاقب عاجز نے اس لئے کیا کہ فرمان نبوی ہے اِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس یاد دہانی کا اصل برعکس ہے چنانچہ اس مرتبہ بھی جناب نے بیجا حملے کئے اور کئی غلط حوالے لکھے جو کسی وقت انشاء اللہ پھر یاد دلائیں گے۔ کیا ہی عمدہ ہو کہ یہی حضرت اپنی زبان اور قلم کو روک کر محض دین کی اشاعت کریں اور جھوٹے حملوں سے پرہیز کریں لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا

حررہ عبدالستار کلانوری نزیل دہلی شیخ مدرسہ دار الکتاب والسنۃ مورخہ ۲۴ رمضان ۱۳۳۱ھ

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۲۴ء جلد ۲۔ نمبر ۹

کیا غیر قریش امام بن سکتا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

استفتار دربارۂ الامرار من قریش

سوال (۴۹) بخاری شریف میں بَابُ الْاُمَرَاءِ مِنْ قُرَيْشٍ۔ إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ لَا... إِلٰى أَنْ قَالَ مَا أَقَامُوا الدِّيْنَ۔ کیا اس حدیث شریف معنی مَثَلِ الْمُلْكِ فِيْ قُرَيْشٍ وَالْقَضَاءُ فِي الْأَنْصَارِ وَالْأَذَانُ فِي الْحَبَشَةِ وَالْأَمَانَةُ فِي الْأَزْدِ يَعْنِي الْيَمَنَ وَالْإِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ

فی قبل المشرق کے بطور افضلیت کے ہے۔

آیا عدم وجود قریشی النسل و در صورت موجودگی عدم اقامۃ الدین غیر قریشی امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ علی زالملک فی قریش الخ سے کیا غرض ہے۔ سوا حبشی کے غیر حبشی مؤذن ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یمنی کا غیر ایماندار ہے یا نہیں؟ ماسوا مشرق کے غیر مشرق میں کفر ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر معنیٰ مع تطبیق ارسال کریں۔

جواب (۴۹) ھُوَ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ — اَلْاُمَرَاءُ مِنْ قُرَیْشٍ یا اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ اور اس کے مانند جو عبارتیں حدیثوں میں پائی جاتی ہیں ان میں سے کسی کا سیاق وجوبی نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے بعد سوال کی عبارت میں چھ فقرے مذکور ہو کر ان کی باہم مماثلت پوچھا گیا ہے لہٰذا جواباً گذارش ہے کہ یہ چھ اور ایک پہلا یہ ساتوں فقرے اپنی صورت میں اپنے سیاق میں اپنے انداز بیان میں آپس میں ایک دوسرے کے ایسے ہم شکل ہیں کہ حذو النعل بالنعل۔ پس اگر حکم مفہوم فقرہ اولیٰ کا وجوبی سمجھا جائے تو جملہ فقرات کا حکم وجوبی سمجھنا پڑیگا اور ایسا کرنے کے لئے آسمان و زمین میں کوئی نفس سلیم تیاری نہ کرے گا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ یا اَلْاُمَرَاءُ مِنْ قُرَیْشٍ کے اگر ایسے معنیٰ کئے جائیں کہ امت پر واجب ہے کہ غیر قریشی کو امام یا امیر نہ بنائے تو پھر مابقی چھ فقرات کے بھی ایسی معنیٰ کرنے ہوں گے کہ

(۱) واجب ہے امت پر غیر انصاری کو قاضی نہ بنائے۔

(۲) واجب ہے کہ حبشی کے سوا کوئی اذان نہ کہے۔

(۳) واجب ہے کہ ازدی کے سوا کوئی امانت دار نہ سمجھا جائے۔

(۴) واجب ہے کہ یمانی کے سوا کوئی مومن نہ مانا جائے۔

(۵) واجب ہے کہ مشرقی کے سوا کوئی کافر نہ ہو۔ یا مکہ مدینہ سے جتنی آبادیاں مشرق میں ہیں سب کو کافر تسلیم کیا جائے۔

اور جب اصل یہ ٹھہری کہ کل اہل مشرق کافر تو فرع اس کی یہ ہو گی کہ کل شرقی عرب اور عراقین مع بغداد و بصرہ اور کل بلاد فارس و خراسان و افغانستان و ترکستان و ہندوستان کے سارے باشندے اگلے اور پچھلے سب کافر۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ایسے ہی اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ کے بھی اگر ایسے ہی معنیٰ کئے جائیں کہ یمانی کے سوا کوئی مومن نہیں تو پھر دیکھو کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین میں سے کوئی یمانی نہ حضرات حسنینؓ یمانی ہیں نہ حضرت فاطمۃ الزہرا یمانیہ ہیں۔ نہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی یمانی ہے پھر باوجود نہ ہونے یمانی کے ان حضرات کے اعلیٰ طبقہ مومنین سے ہونے میں کسی مومن کو انکار ہو سکتا ہے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

اس تقریر کو ذہن میں رکھنے کے بعد با آسانی سے معنیٰ اَلْاُمَرَاءُ مِنْ قُرَیْشٍ کے صاف

سمجھ میں آسکتے ہیں اور وہ یہ کہ قریشیوں کو امارت کا بہت اچھا سلیقہ ہوتا ہے اور بس چنانچہ اس کی مثالیں تمام زبانوں میں بکثرت پاؤ گے مثلاً تلوار ہندی اور گھوڑا عربی اور اونٹ مارواڑی وغیرہ کے۔ لئے ایسے ہی ضرب المثلیں مشہور ہیں جیسی کہ اَلْاُمَرَاءُ مِنْ قُرَیْشٍ وَالْقَضَاءُ فِی الْاَنْصَارِ۔

کہتے ہیں گھوڑا تو عربی اور تلوار تو ہندی، کیا اس کہنے سے یہ تھوڑی ہی ثابت ہوا کہ عرب کے سوا کہیں گھوڑے کا وجود ہی نہیں اور ہندوستان کے سوا سرزمین نے تلوار دیکھی نہیں ان تمہیدات کے بعد اب سمجھ لو کہ سوال میں جتنے فقرات مذکور ہوئے وہ اور ان کے مانند جتنے کلام عرب میں پائے جائیں اس سے متکلم کی صرف اتنی غرض کا پتہ چلے گا کہ وہ ان چیزوں کی ایک حد تک تعریف اور توصیف بیان کرنا چاہتا ہے اور بس واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ احقر افقر عبداللہ بن عنایت اللہ عفی عنہ جونا گڈھی

الجواب صحیح والرای نجیح ابو محمد کفاہ الصمد

صحیفۂ اہل حدیث دہلی بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ مطابق اگست ۱۹۲۳ء جلد ۳ نمبر ۱

فتویٰ۔ صاحب مال اپنے مال کی زکوٰۃ خود تقسیم کرے یا اپنے امام وقت کے حوالے کرے

السؤال (۵۰)

مَا تَقُوْلُ اَیُّھَا السَّادَۃُ الْعُلَمَاءُ! هَلْ یَصْرِفُ مُلَّاکُ الْاَمْوَالِ زَکٰوۃَ اَمْوَالِھِمْ وَصَدَقَۃَ فِطْرِھِمْ بِاَنْفُسِھِمْ اِلَی الْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَغَیْرِھِمْ مِنَ الْمَصَارِفِ کَیْفَ شَاءُوْا اَوْ یَجِبُ عَلَیْھِمْ اَنْ یَدْفَعُوْھَا اِلَی الْاِمَامِ اَوْ یَطْلُبُ مِنْھُمُ الْاِمَامُ وَیَصْرِفُھَا بِنَفْسِہٖ اَوْ بِنَائِبِہٖ اِلَی الْمَصَارِفِ فِیْھَا وَکَیْفَ کَانَتِ الْعَادَۃُ جَارِیَۃً فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا

سوال (۵۰)

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مال کی زکوٰۃ اور عشر اور عید کا صدقہ ہر نکالنے والا اپنے طور پر غربا و مساکین کو بانٹ دے یا اپنے سردار کے حوالہ کر دے یا خود سردار طلب کر کے اپنے طور پر تقسیم کرے یا اس کا نائب طلب کر کے اس کے مصارف میں خرچ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد شریف میں کیا دستور تھا؟ بینوا توجروا۔

الجواب (۵۰)

لَا یَجُوْزُ لِمُلَّاکِ الْاَمْوَالِ اَنْ یَصْرِفُوْا زَکٰوۃَ اَمْوَالِھِمْ وَصَدَقَۃَ فِطْرِھِمْ بِاَنْفُسِھِمْ کَیْفَ مَا شَاءُوْا اِنَّمَا یَجِبُ عَلَیْھِمْ

جواب (۵۰)

زکوٰۃ و عید کا صدقہ دینے والا اور [illegible] اپنے طور پر غربا و مساکین وغیرہ کو نہ بانٹے بلکہ واجب ہے کہ اپنے سردار

يستحقونها إلى الإمام أو نائبه أو يطلب
منهم الإمام ويصرفها بنفسه أو نائبه
إلى مصارفها هكذا كانت العادة الجارية
في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم
وخلفائه الراشدين ففي الفصل الأول
من كتاب الزكوة من مشكوة المصابيح
عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله
عليه وسلم بعث معاذا إلى اليمن فقال
إنك تأتي قوما أهل كتاب فادعهم إلى
شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا
رسول الله فإن هم أطاعوا لذلك
فأعلمهم أن الله قد فرض عليهم
خمس صلوت في اليوم والليلة
فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم
أن الله قد فرض عليهم صدقة
تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم
متفق عليه وفي الجلد الثالث من فتح
الباري المطبوعة بمصر صفحہ ۲۸۴
قوله تؤخذ من أغنيائهم استدل
به على أن الإمام هو الذي يتولى قبض
الزكوة وصرفها إما بنفسه وإما بنائبه
فمن امتنع عنها أخذت قهرا وفي
التلخيص الحبير في تخريج أحاديث
الرافعي الكبير صفحہ ۱۷۸ أن سعد
ابن أبي وقاص وأبا هريرة وأبا سعيد
الخدري سئلوا عن الصرف إلى الولاة
الجائرين فأمروا به رواه سعيد بن
منصور عن عطاف ابن خالد و
أبي معاوية وابن أبي شيبة عن بشر

یا اس کے نائب کو حوالہ کردے یا سردار و نائب
خود طلب کرکے اپنے طور پر تقسیم کرا دے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین
کے عہد شریف میں یہی دستور تھا۔ مشکوٰۃ
شریف کی کتاب الزکوٰۃ کی فصل اول میں ہے
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ
رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ تم اہل کتاب
کے پاس جاتے ہو۔ پہلے ان کو یہ ہدایت کرنا کہ
وہ اسبات کا اقرار کریں کہ خدا کے سوا کوئی پوجنے
کے قابل نہیں اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ کے
رسول ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو یہ تعلیم کرنا
کہ اللہ نے اُن پر رات دن میں پانچ وقت کی نمازیں
فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو یہ
سکھلانا کہ اللہ پاک نے زکوٰۃ بھی فرض کی ہے
کہ ان کے مالداروں سے لی جاوے اور
اُن کے فقیروں کو بانٹی جاوے آخر حدیث تک
متفق علیہ۔ اور فتح الباری چھاپہ مصری کی تیسری
جلد کے صفحہ ۲۸۴ میں ہے کہ یہ جو آپؐ نے
فرمایا کہ مالداروں سے لیجائے یہ اس بات
کی دلیل ہے کہ سردار ہی زکوٰۃ کے لینے اور
اس کے بانٹنے کا مالک ہے۔ خود سردار ہی
تحصیل کرے یا اپنے نائب کے ذریعہ سے
تحصیل کرائے، تو جو شخص تحصیلدار کو دے
اس سے جبرًا لی جاویگی الخ تلخیص الحبیر کے
صفحہ ۱۷۸ میں ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو ہریرہؓ
اور ابو سعید خدریؓ سے ظالم سرداروں کو زکوٰۃ
دینے کا فتویٰ پوچھا گیا تو اُن لوگوں نے اُن
کے دینے کا حکم کیا اُس کو سعید بن منصور نے

ابن المفضل ثلاثتهم عن سهيل ابن أبي
صالح عن أبيه اجتمع نفقة عندي
فيها صدقة يعني بلغت نصاب الزكوة
فسألت سعد ابن أبي وقاص وابن عمر
وأبا هريرة وأبا سعيد الخدري أن
أقسمها أو أدفعها إلى السلطن فقالوا
ادفعها إلى السلطن ما اختلف علي منهم
أحد وفي رواية قلت لهم هذا
السلطن يفعل ما ترون فأدفع إليه زكوتي
فقالوا نعم رواه البيهقي عنهم و
عن غيرهم أيضا وروى ابن أبي شيبة
من طريق قزعة قال قلت لابن عمر
إن لي مالا فإلى من أدفع زكوته قال
ادفعها إلى هؤلاء القوم يعني الأمراء
قلت إذا يتخذون بها ثيابا وطيبا قال وإن
وعن نافع قال قال ابن عمر ادفعوا
صدقة أموالكم إلى من ولاه الله أمركم
فمن بر فلنفسه ومن أثم فعليها و
في الباب عنده عن أبي بكر الصديق و
عن مغيرة ابن شعبة وعائشة وأما
ما رواه ابن أبي شيبة أيضا عن خيثمة
قال سألت ابن عمر عن الزكوة قال
ادفعها إليهم ثم سألته بعد ذلك
فقال لا تدفعها إليهم قد أضاعوا
الصلوة فهو ضعيف لأنه عن رواية
جابر الجعفي وأصل هذا الباب ما رواه
مسلم من حديث جرير مرفوعا أرضوا
مصدقيكم قال مجيبا لمن قال له
من الأعراب إن ناسا من المصدقين

عطاف بن خالد اور ابو معاویہ سے روایت کی ہے
اور ابن ابی شیبہ نے بشر بن مفضل سے روایت
کی ہے اور تینوں نے ابو صالح سے روایت کی
ہے اور ابو صالح نے اپنے باپ سے کہ میرے
پاس اتنا مال ہو گیا تھا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے
تو میں نے سعد بن ابی وقاص اور ابن عمر اور ابو ہریرہؓ
اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا کہ
کیا میں خود اس کو بانٹ دوں یا سردار کے
حوالہ کردوں تو کسی نے اختلاف نہ کیا بلکہ سب نے
بالاتفاق یہی جواب دیا کہ سردار کے حوالہ کرو اور
ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے یہ بھی کہا کہ یہ
سردار جو کچھ کرتے ہیں وہ تو آپ دیکھتے ہی ہیں
کیا اس پر بھی اپنی زکوٰۃ اُن ہی کے حوالہ کردوں
فرمایا ہاں۔ اس کو بیہقی نے ان لوگوں سے اور
نیز دیگر لوگوں سے روایت کی ہے اور ابن ابی شیبہ
نے قزعہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے
ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں مالدار ہوں پس
اس کی زکوٰۃ کس کو دوں؟ کہا کہ ان لوگوں کے
حوالہ کر یعنی سرداروں کے۔ میں نے کہا کہ وہ تو
اس کو اپنے کپڑے اور خوشبو میں خرچ کر ڈالینگے
کہا تمہاری بلا سے۔ اور ابن ابی شیبہ نے نافع
کی سند سے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ نے فرمایا
اپنے مالوں کی زکوٰۃ ان سرداروں کے حوالہ کرو
جن کو اللہ نے تمہارے کام کا والی بنایا ہے
جو سردار نیک برتاؤ کریگا اپنا بھلا کرے گا اور
جو برا برتاؤ کرے گا اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا
اور اس باب میں ابن ابی شیبہؓ نے ابوبکر صدیقؓ اور
مغیرہ بن شعبہؓ اور عائشہؓ سے بھی روایت کی ہے
اور جو ابن ابی شیبہ نے خیثمہ سے روایت کی ہے

يأتونا فيظلموننا وعند أبي داود عن جابر ابن عتيك مرفوعا سيأتيكم ركب مبغضون فإذا أتوكم فرحبوا بهم وخلوا بينهم وبين ما يبغون فإن عدلوا فلأنفسهم وإن ظلموا فعليها وأرضوهم فإن تمام زكوتكم رضاهم وعند الطبراني في الأوسط عن سعد ابن أبي وقاص مرفوعا ادفعوها إليهم ما صلوا الخمس وعند أحمد والحارث وابن وهب من حديث أنس قال أتى رجل من تميم فقال يا رسول الله إذا أديت الزكوة إلى رسولك فقد برئت منها إلى الله ورسوله قال نعم ولك أجرها وإثمها على من بدلها

حديث أن ابن عمر كان يبعث صدقة الفطر إلى الذي تجمع عنده قبل الفطر بيومين مالك في الموطا والشافعي بيومين أو ثلاثة وروى البخاري من حديث ابن عمر أنه كان يعطيها الذين يقبلونها وكانوا يعطون قبل الفطر بيوم أو يومين وفي المجلد الثالث من فتح الباري صفحة ۲۵۸ قوله كان ابن عمر يعطيها الذين يقبلونها أي الذي ينصبه الإمام لقبضها وبه جزم ابن بطال وقال التيمي معناه من قال أنا فقير والأول أظهر ويؤيده ما وقع في نسخة

کہ ابن عمرؓ سے زکوۃ کے باب میں پوچھا تو کہا انہیں سرداروں کے حوالہ کر۔ پھر اس کے بعد ان سے پوچھا تو کہا ان کو مت دے کیونکہ انہوں نے نماز کو ضائع کر ڈالا۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

اس میں راوی جابر جعفی بہت ہی ضعیف ہے اور اس امر کی دلیل کہ سردار کیسا ہی ہو مگر زکوۃ اسی کو دینا چاہئے وہ حدیث ہے جس کو مسلم نے جریر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زکوۃ لینے والوں کو راضی رکھو۔ یہ اس وقت فرمایا تھا جب کہ بدؤوں نے نالش کی تھی کہ زکوۃ لینے والے اگر ہم پر ظلم کرتے ہیں اور ابوداؤد نے جابر بن عتیکؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ قریب ہے تمہارے پاس ظالم تحصیلدار آویں گے۔ وہ جب آویں تمہارے پاس تو تم خوش کیجیو اور جو وہ چاہیں انکو لینے دیجیو اگر وہ انصاف کریں گے تو اپنا بھلا کریں گے اور بے انصافی کریں گے تو اس کا وبال انہیں پر ہے۔ بہرحال ان کو راضی رکھو کیونکہ تمہاری زکوۃ کا پورا ہونا ان کو راضی رکھنے میں ہے۔ اور طبرانی نے اوسط میں سعد بن ابی وقاصؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اس زکوۃ کو سردار کے حوالہ کرو جب تک کہ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھیں اور احمد اور حارث اور ابن وہب نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کی یا رسول اللہ! جب میں زکوۃ آپکے تحصیلدار کے حوالہ کر دوں تو کیا میں اللہ اور رسول کے نزدیک اس سے بری ہو جاؤں گا فرمایا ہاں اور تیرے لئے اس کا ثواب ہے اور اس کا گناہ اس پر ہے جو اس کو بدل ڈالے۔ ابن عمرؓ

الصنعاني عقب الحديث قال أبو عبد الله هو المصنف كانوا يعطون للجمع لا للفقراء وقد وقع في رواية ابن خزيمة من طريق عبد الوارث عن أيوب قلت متى كان ابن عمر يعطي قال إذا قعد العامل قلت متى يقعد العامل قال قبل الفطر بيوم أو يومين ومالك في الموطا عن نافع أن ابن عمر كان يبعث زكوة المال إلى الذي تجمع عنده قبل الفطر بيومين أو ثلثة وأخرج الشافعي عنه وقال هذا حسن وأنا أستحب يعني تعجيلها قبل الفطر ۱ھ أيضا في المجلد الثالث منه صفحة ۲۶۵ وفي الحديث بعث الإمام العمال بجباية الزكوة ۱ھ أيضا في المجلد الثالث صفحة ۲۸۵ وفيه بعث السعاة لأخذ الزكوة ۱ھ۔ وفي التلخيص الحبير صفحة ۱۷۶ حديث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعده كانوا يبعثون السعاة لأخذ الزكوة هذا مشهور۔ ففي الصحيحين عن أبي هريرة بعث عمر على الصدقة وفيهما عن أبي حميد أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث أبا مسعود ساعيا وفي مسند أحمد أنه بعث

صدقہ فطر دو دن پہلے اس شخص کے پاس بھیجا کرتے تھے جس کے پاس فطرہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس کو امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے اور امام شافعی کی روایت میں دو دن یا تین دن ہے اور بخاری کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ صدقہ فطر لینے والوں کو دیدیا کرتے تھے اور عید کے دو ایک دن پہلے ادا کر دیا کرتے تھے۔ فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۱ میں ہے کہ راوی کا یہ قول کہ ابن عمر صدقہ فطر لینے والوں کو دیدیا کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس شخص کے حوالہ کر دیا کرتے تھے جس کو امام نے فطرہ تحصیلنے کے لئے مقرر کیا تھا اور ابن بطال نے بھی یہی معنی سمجھا ہے اور تیمی نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہے کہ جو اپنے کو فقیر کہتا ہو اس کو دیتے۔ اور پہلی بات یعنی تحصیلدار کو دیدیا کرتا تھا زیادہ صاف معنی یہی ہے اور وہ روایت اس معنی کی تائید کرتی ہے جو صنعانی کے نسخہ میں اسی حدیث کے نیچے ہے کہ امام ابوعبداللہ بخاری نے کہا کہ وہ لوگ جمع کرنے کے لئے دیدیتے تھے نہ کہ لوگ خود فقیروں کو بانٹ دیتے تھے اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے کہ عبدالوارث کی سند سے ایوبؒ سے مروی ہے کہ میں نے کہا کہ ابن عمرؓ کب دیتے تھے۔ کہا تحصیلدار جب تحصیلنے کو بیٹھتا۔ میں نے پوچھا تحصیلدار کب بیٹھتا ہے کہا عید کے دو ایک دن قبل۔ اور امام مالک کی مؤطا میں نافع سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عید کے دو تین دن پہلے ہی زکوۃ فطر اس کے پاس بھیجا کرتے تھے جسکے پاس

أبا جهم ابن حذيفة مصدقا وفيه أنه بعث عقبة ابن عامر ساعيا. وفيه من حديث قرة ابن دعموص بعث الضحاك ابن قيس ابن أسعد ساعيا وفي المستدرك أنه بعث قيس ابن سعد ساعيا وفيه من حديث عبادة ابن الصامت أنه صلى الله عليه وسلم بعثه على أهل الصدقات وبعث الوليد ابن عقبة إلى بني المصطلق ساعيا وروى البيهقي عن الشافعي أن أبا بكر وعمر كانا يبعثان على الصدقة وأخرجه الشافعي عن إبراهيم ابن سعد عن الزهري به وزاد لا يؤخرون أخذها في كل عام. وقال في القديم وروي عن عمر أنه أخرها عام الرمادة ثم بعث مصدقا فأخذ عقالين عقالين. وفي الطبقات لابن سعد أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث المصدقين إلى العرب في هلال المحرم سنة تسع وهو في المغازي للواقدي بأسانيده مفصلة. وقال الشوكاني في سيل الجرار الزكوة فقد كان إلى رسول الله

جمع ہوتا تھا۔ اور شافعیؒ نے بھی انہیں سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بہتر ہے اور ہم عید کے پہلے صدقہ فطر تحصیلدار کے پاس بھیجدینے کو مستحب جانتے ہیں۔ اور یہی فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۶۵ میں ہے۔ اور اس حدیث سے امام کا تحصیلداروں کو زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجنا ثابت ہے اور بھی اسی تیسری جلد کے صفحہ ۲۸۵ میں ہے کہ اس حدیث سے بھی تحصیلداروں کو زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجنا ثابت ہے۔ تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۷۶ میں ہے کہ بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء تحصیلداروں کو زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ یہ مشہور بات ہے چنانچہ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو صدقہ تحصیلنے کیلئے بھیجا۔ اور صحیحین میں ابی حمیدؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومسعود رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کیلئے بھیجا۔ اور امام احمدؒ کی مسند میں ہے کہ آپ نے ابوجہم بن حذیفہ کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کے لئے بھیجا اور اسی میں ہے کہ آپ نے عقبہ بن عامر کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کے لئے بھیجا اور اسی میں قرہ بن دعموص سے روایت ہے کہ آپؐ نے ضحاک بن قیس کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کیلئے بھیجا۔ اور حاکم کی مستدرک میں ہے کہ حضرت نے قیس بن سعد کو زکوٰۃ تحصیل کرنے کیلئے بھیجا اور اسی میں عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو زکوٰۃ دینے والوں کے پاس بھیجا

صلى الله عليه وسلم فلا شك ولا شبهة وكان يبعث السعاة لقبضها ويأمر من عليهم الزكوة بدفعها إليهم وإرضائهم واحتمال معرتهم وطاعتهم ولم يسمع في أيام النبوة أن رجلا أو أهل قرية صرفوا زكوتهم بغير إذن من رسول الله صلى الله عليه وسلم وهذا الأمر لا يجحده من له معرفة بالسيرة النبوية والسنة المطهرة وقد انضم إلى ذلك التوعد على الترك والمعاقبة بأخذ شطر المال وعدم الإذن لأرباب الأموال بأن يكتموا بعض أموالهم من الذين يقبضون الصدقة منهم بعد أن ذكروا له أنهم يعتدون عليهم ولو كان إليهم صرف أموالهم لأذن لهم في ذلك وأيضا جعل الله سبحانه للعاملين على الزكوة جزءا منها في الكتاب العزيز فالقول بأن ولايتها إلى ربها يسقط مصرفا من مصارفها صرح به الله سبحانه في كتابه العزيز

اور ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق کے پاس زکوٰۃ تحصیلنے کیلئے بھیجا اور بیہقی نے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تحصیلدار کو زکوٰۃ کے تحصیلنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ اس کو شافعی نے ابراہیم بن سعد سے انہوں نے زہری سے روایت کی ہے اور اس قدر زیادہ کیا ہے کہ اس کی تحصیل میں کسی سال دیر نہیں کرتے تھے اور شافعی نے قدیم قول میں کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عام الرمادہ میں زکوٰۃ کیلئے تحصیلدار نہ بھیجا اٹھا رکھا پھر دوسرے سال تحصیلدار بھیجکر دونوں سال کی زکوٰۃ وصول کرائی۔ اور ابن سعد کی طبقات میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ تحصیلنے والے کو عرب کی طرف ہجرت کے نویں سال محرم کے شروع مہینے میں بھیجا اور یہ امام واقدی کے مغازی میں ان کی اسناد سے مفصل مذکور ہے اور امام شوکانی نے سیل الجرار میں لکھا ہے کہ بیشک وہ حاصل تھا اور آپ تحصیلدار کو زکوٰۃ تحصیلنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ اور جن پر زکوٰۃ فرض ہوتی ان کو حکم فرماتے تھے کہ تحصیلدار کو دو اور ان کو راضی رکھو اور ان کی سختی کو برداشت کرو۔ اور ان کی اطاعت کرو۔ اور زمانہ نبوت میں یہ بات کبھی نہیں سنی گئی کہ کسی شخص نے یا کسی بستی والوں نے بغیر حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زکوٰۃ خود بانٹ دی ہو۔ اور یہ ایسی بات ہے جسکا [illegible] انکار نہیں [illegible] اور سنت مطہرہ کی معرفت ہے اور [illegible] سے تھوڑا مال بھی چھپانے کی اجازت نہیں ہے [illegible] لوگوں نے تحصیلداروں کی زیادتی بھی بیان کی اور اگر لوگوں کو مال زکوٰۃ کے بانٹنے کا خود اختیار ہوتا تو آپ ان کو ضرور اس کی اجازت دیتے اور نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ میں سے اس کے تحصیلدار کا بھی ایک حصہ مقرر فرمایا ہے تو یہ کہنا کہ زکوٰۃ کے بانٹنے کا اختیار اس کے مالک کو ہے

مال زکوٰۃ کی تحصیل کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

الزكوة إلى أربابها في زمن النبوة قط وبه يندفع جميع ما ذكره الجلال في شرحه هٰهنا فإنه لم يأت بشيء يعتد في المعارضة. وإذ تقرر هذا ثبت أن ما كان أمره إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو إلى الأئمة من بعده. ومن ذلك ما في الصحيحين وغيرهما من حديث ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إنها ستكون بعدي أثرة وأمور تنكرونها قالوا يا رسول الله فما تأمرنا قال تؤدون الحق الذي عليكم وتسألون الله الذي لكم. وأخرج مسلم وغيره من حديث وائل بن حجر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجل يسأله أرأيت أمراء يمنعوننا حقنا ويسألونا حقهم فقال اسمعوا وأطيعوا فإنما عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم. وفي الباب أحاديث وإذا عرفت هذا علمت أن الدفع إلى الإمام واجب لجميع أنواع الصدقات إلا أن يأذن لرب المال بالصرف جاز له ذلك انتهى. والله أعلم

میں ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوئی تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو دستور آپ کے زمانہ شریف میں تھا آپ کے بعد بھی وہی دستور اماموں کے وقت بھی رہا ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہما میں ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ میرے بعد خرابیاں اور ایسے ایسے کام ہونگے جن کو تم ناپسند کرو گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت آپ ہم لوگوں کو کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا سرداروں کا جو حق تم پر ہے اس کو ادا کیے جاؤ اور اپنا حق جو سردار پر ہے وہ خدا سے مانگو۔ دوسری دلیل یہ ہے جو مسلم وغیرہ نے وائل بن حجر سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ایک شخص آپ سے پوچھتا تھا کہ جب سردار لوگ ہمارا حق ادا نہ کریں اور اپنا حق ہم سے مانگیں تو کیا کرنا چاہئے تو فرمایا انکی اطاعت و تابعداری کرتے رہو اس لئے کہ سرداروں پر جو تمہارا حق ہے اس کی جواب دہی ان کے ذمہ ہے۔ اور اس مسئلہ میں اور بھی حدیثیں ہیں جب تم نے یہ مسئلہ جان لیا تو یہ بھی جان لیا کہ امام کو کل قسم کے صدقے حوالے کر دینے واجب ہیں ہاں اگر سردار مالکِ مال کو اس کے بانٹنے کی اجازت دے تو البتہ مالکِ مال کو اس کا خود بانٹ دینا درست ہے انتہی واللہ اعلم

المجیب محمد عبداللہ الغازیفوری۔ الجواب صحیح الحقیر حسین بن محسن الانصاری الیمانی عفی عنہ

الجواب صحیح محمد بشیر عفی عنہ الجواب صحیح سلامت اللہ عفی عنہ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۴ء جلد ۳ نمبر ۹)

وأيضا روى الشيخان عن أبي هريرة قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر على الصدقة فقيل منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ينقم ابن جميل إلا أنه كان فقيرا فأغناه الله ورسوله وأما خالد فإنكم تظلمون خالدا وقد احتبس أدراعه وأعتده في سبيل الله وأما العباس فهي علي ومثلها معها ثم قال يا عمر أما شعرت أن عم الرجل صنو أبيه. وهذا الحديث أوضح الدليل على أن ولاية صرف الزكوة ليست إلى أربابها بل هي إلى أن تدفع إلى الإمام أو إلى نائبه ولو كان الولاية إليهم جاز لهم صرفها في مصارفها بأنفسهم ولم يتوجه الطلب عليهم دفعها إلى الإمام أو إلى نائبه ولم يتوجه إليهم العتاب على عدم تسليمها إليه لاحتمال أنه قد فرقها بنفسه في مصارفها. وأيضا ذكر الشوكاني في سيل الجرار والحاصل أنه ليس في مقام ما يدل على أن أمر

زکوۃ کے مصرفوں میں سے ایک ایسے مصرف کو بیکار کر دینا ہے جس کی صراحت خود خدا نے قرآن مجید میں فرمادی ہے اور نیز بخاری اور مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو زکوۃ تحصیلنے کے لئے بھیجا تو پیغمبر صاحب سے عرض کیا گیا کہ ابن جمیل اور خالد بن ولید اور عباس زکوۃ نہیں دیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن جمیل تو زکوۃ دینا اس وجہ سے نامنظور کرتا ہے کہ وہ ایک غریب آدمی تھا اللہ و رسول نے اسکو مالدار کر دیا اور خالد پر تو تم خواہ مخواہ زبردستی کرتے ہو اس نے تو اپنی ساری زرہیں اور کل اسباب فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ باقی عباس رضی اللہ عنہ کی زکوۃ، تو وہ زکوۃ اور اسی قدر اور بھی میرے ذمہ ہے پھر فرمایا اے عمر! تم کو خبر ہے چچا باپ ہی کے مثل ہے اور یہ حدیث اس بات کی صاف دلیل ہے کہ زکوۃ بانٹنے کا اختیار مالکِ مال کو نہیں ہے بلکہ مالکِ مال پر واجب ہے کہ زکوۃ سردار یا اس کے نائب کے حوالہ کر دے۔ اگر مالکِ مال کو اختیار ہوتا تو اس کو زکوۃ کے مصرفوں میں خود تقسیم کرنے کا ضرور اختیار ہوتا اور اس کی قبولیت سردار کے یا اس کے نائب کے حوالہ کرنے پر موقوف نہ ہوتی اور نہ سردار کو یہ حق ہوتا کہ جو اپنی زکوۃ سردار کے حوالہ نہ کرے اس کو عتاب کرے کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس نے اپنی زکوۃ سردار یا اس کے نائب کو نہ دی اس نے خود زکوۃ کے مصرفوں میں بانٹ دیا ہو۔ اور بھی امام شوکانی رحمہ اللہ نے سیل الجرار میں فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ بات ہرگز دلیل سے ثابت نہیں ہے کہ مالک اپنی زکوۃ کو خود بانٹ دیا کرتا ہو۔ اور اس بیان سے وہ شبہ بھی دور ہو گیا جو جلال الدین نے اسی بیان میں اس کی شرح میں لکھا ہے کیونکہ وہ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو معارضہ کے قابل ہو۔ اور یہ بھی سیل الجرار

فتویٰ بابت امارت

سوال (۵۱) کیا حدیث مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً (مسلم) صحیح ہے؟

سوال (۵۲) فی زماننا قابل عمل ہے یا نہیں؟

سوال (۵۳) اگر نہیں۔ تو کیوں؟ کونسی نص صریح واحادیث نبی امی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانع ہیں؟

سوال (۵۴) اگر حدیث نمبر ۱ قابل عمل ہے تو امام وسردار کی حتماً ضرورت ملت بیضا محمدیہ میں ہے یا نہیں؟

سوال (۵۵) امام وسردار کیلئے محض شرط قرشیت ہی ہے یا مَا أَقَامُوا الدِّينَ بھی؟

سوال (۵۶) اگر قریش میں مَا أَقَامُوا الدِّينَ نہ پایا جاوے تو دوسری قوم میں بلحاظ مَا أَقَامُوا الدِّينَ امام وسردار ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سوال (۵۷) اگر کوئی قریش یا عوام الناس حدیث نمبر ۱ کے بوجہ تغافل وتجاہل عامل نہ ہوں تو حدیث مذکورہ بالا زندہ کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جاوے۔ اگر نہیں تو کیوں؟

سوال (۵۸) جماعت بلا امام وسردار کے بھی جماعت کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟

سائل محقق لدین اللہ المتین عبد المعین

جواب (۵۱) نَحْمَدُ لِمَنْ قَالَ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ○ وَنُصَلِّي عَلَى مَنْ قَالَ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ حَيْثُمَا قِيدَ انْقَادَ۔ أَمَّا بَعْدُ۔ نمبر ا حدیث موصوفات الصحیح بلکہ اصح ہے۔ یہ کیا بلکہ مسلم کی تمام حدیثیں بلکہ کل صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) کی بلکہ جمیع احادیث جو صحاح ستہ کے موافق ہوں سنداً اکثر اور متناً کل صحیح اور قابل عمل واعتقاد ہیں وَذَلِكَ لِمَا قَالَ أَهْلُ الْعِلْمِ إِنَّ الْكُتُبَ السِّتَّةَ هِيَ أُمَّهَاتُ الْحَدِيثِ وَأُصُولُهُ فَيَدُ عِلْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ فِيهِ مَا رَأْيٌ وَلَا قِيَاسٌ فَكُلُّ مَا سِوَاهَا يُعْرَضُ عَلَيْهَا فَإِنْ وَافَقَ بِهَا يُقْبَلُ وَإِلَّا يُرَدُّ خُذُوا هَذَا وَعَضُّوا بِالنَّوَاجِذِ أَلَا وَإِنَّهُ هُوَ مَعْرِفَةُ أَهْلِ الْحَدِيثِ۔

جواب (۵۲) حدیث مذکور فی زماننا قابل عمل ہے۔ فی زماننا کیا بلکہ ہر زمانہ میں بلکہ جب تک حیات وممات کا سلسلہ باقی ہے کیونکہ حدیث میں کسی زمانہ کی قید نہیں ہے مطلق کسی زمانہ میں جو کوئی بھی بغیر بیعت کے مریگا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ ہاں اگر موت کسی زمانے کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کا عمل بھی خاص ہوگا وَإِلَّا فَلَا۔

مسئلہ بیعت بعض لوگوں نے اس مسئلہ بیعت میں دو غلطیاں کھائی ہیں۔

اول یہ کہ بیعت مخصوص بالجہاد سمجھی ہے حالانکہ بیعت کے کئی ایک انواع ہیں چنانچہ امام نسائی رحمہ اللہ اپنی سنن نسائی میں تفصیل وار اس کے کئی ایک باب منعقد کر کے حدیثیں لائے ہیں (۱) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ (۲) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ (۳) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى الْقَوْلِ بِالْحَقِّ (۴) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى الْقَوْلِ بِالْعَدْلِ (۵) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى الْأَثَرَةِ (۶) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ (۷) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (۸) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى الْمَوْتِ (۹) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى الْجِهَادِ (۱۰) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى الْهِجْرَةِ (۱۱) بَابُ الْبَيْعَةِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ (۱۲) بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى فِرَاقِ الْمُشْرِكِ وَغَيْرُ ذَلِكَ

علاوہ اس کے دیگر کتب حدیث میں یہ مسئلہ بیعت بالتصریح بیان ہے چنانچہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری میں ہے عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ وَأَنْ نَقُومَ أَوْ نَقُولَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ الخ أَيْضًا قَالَ جَرِيرُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَوٰةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کاموں کی بجا آوری پر بیعت کی خوشی ناخوشی میں آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور جو شخص جس منصب اور عہدہ کے لائق ہوگا وہ اس سے نہیں چھینیں گے اور ہر جگہ حق بات کہیں گے اور اللہ کے دین میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ ایک اور روایت میں انہی عبادہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم صحابہ سے کہا تم ان باتوں کی پابندی کرنے پر مجھ سے بیعت کرو۔ شرک نہ کرنا ہوگا اور نہ چوری کرنی ہوگی اور نہ کسی پر بہتان باندھنا ہوگا اور نہ اولاد کو قتل کرنا ہوگا اور قرآن حدیث کی بات میں میری اطاعت کرنی ہوگی وغیر ذالک۔ نیز جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اقامت صلوٰۃ وایتاء زکوٰۃ اور ہر ایک مسلم کی خیر خواہی کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی۔

حاصلہ۔ علاوہ جہاد کے بھی آپ سے ایسے ایسے امور شرعیہ پر بیعت لی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیعت کی۔ اگر اب بالفرض بیعت جہاد موقت بوقت سمجھیں تو

اس سے قاصر ہیں لیکن باقی امور کی بیعت سے کونسا امر مانع ہے کہ ہم جاہلیت کی موت سے بچیں اَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ○

ثانی جہاد کا معنے غلط لیا ہے کہ جہاد مقید بالسیف ہی سمجھے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ یعنی بادشاہ ظالم کے نزدیک حق بات کہنا یہ افضل جہاد ہے۔

ایضاً أَفْضَلُ الْجِهَادِ أَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِي ذَاتِ اللهِ یعنی افضل جہاد یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اطاعت کرنے پر اپنے نفس اور خواہش ہوائی سے مجاہدہ کرے پس جہاد کا معنے مخصوص بالسیف سمجھنا نافہمی اور سراسر مغالطہ دہی ہے۔

اگر علی سبیل التنزل مان لیا کہ جہاد تلوار سے ہوتا ہے تو معاً یہ سوال ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس تک کونسا جہاد بالسیف کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللهُ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ الْحَدِيثَ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَا فِي الْمِشْكوٰة) یعنی جہاد جاری ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مبعوث فرمایا ہے اور یہ ہمیشہ جاری رہے گا کوئی ظالم اپنے ظلم سے اور کوئی عادل اپنے عدل سے اس کو موقوف نہیں کر سکتا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر دجال کو قتل کریں گے۔

پس اس حدیث سے بالتحقیق معلوم ہوا کہ جہاد بالسیف تو مقید بوقت ہے مگر جہاد جو کہ ہمیشہ جاری ہے وہ وہی ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پرزور الفاظ میں حکم کیا ہے وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ○ لوگوں سے جہاد کر قرآن کے ساتھ یعنی لوگوں سے قرآن حدیث کے ساتھ جہاد کر اور جو اس میں زواجر نواہی اور اوامر ہیں وہ لوگوں پر بے دھڑک پڑھ اور حجج وآیات ودلائل ان پر قائم کر یہی جہاد کبیرا ہے تو کیا اب اس جہاد سے کونسی چیز مانع ہے کہ ہم اس جہاد سے محروم رہیں وَاللهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○

جواب (۵۳) عبداللہ بن عمر راوی صحیح مسلم کی حدیث صادق المصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ہم کون کہنے والے کہ حدیث رسول اللہ قابل عمل نہیں ہے اور کیا آپ کہنے میں ہماری نجات کی صورت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرمائیں بغیر بیعت کے جاہلیت کی موت مرتا ہے اور ہم کہیں کہ قابل عمل ہی نہیں ہے کیا آپ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ الآیۃ کے ہم مصداق نہیں ہونگے۔ اور کیا خدا ورسول کے کلام میں اختلاف ہے کہ کبھی تو فرمائیں جاہلیت کی موت مرتا ہے اور کبھی بیعت کرنے ہی سے منع کریں أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ

لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

جواب (۵۴) کیا حدیث مَنْ مَاتَ الخ کے ہوتے ہوئے بھی ضرورت امام میں کوئی شک رہا یا جاہلیت کی موت مرنا اچھا ہے یا ابھی تک کسی کو موت نہیں آئی یا کوئی مرنے والا نہیں ہے یا یہ صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ لَا يَنَامَ نَوْمًا وَلَا يُصْبِحَ صُبْحًا إِلَّا وَعَلَيْهِ إِمَامٌ فَلْيَفْعَلْ (ابن عساکر عن ابی سعید) واین عمر یعنی شام سے پہلے اور صبح سے قبل امام کا تدارک کرو۔

جو لوگ گذشتہ ائمہ کے متعلق تو ـ کہتے ہیں تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ لیکن جو شخص اب بھی باوجود ان حدیثوں کے معلوم ہوتے ہوئے پھر بھی بغیر بیعت کئے مرگیا تو کیا وہ بھی جاہلیت کی موت نہیں مریگا نہیں ادھر ادھر دیکھو۔

ہاں اگر عالم میں ایسا فتنہ برپا ہوا ہے کہ لَيْسَ فِيهِمْ مُؤْمِنٌ۔ امام جماعت معدوم اور حق کو ترف دار ایک بھی نہیں رہا ہے تو ایسی صورت میں فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ (بخاری مسلم) سب فرقوں کو چھوڑ دے اور جنگلوں پہاڑوں میں جاکر درختوں کی جڑوں اور پتوں پر زندگی بسر کرے اور اپنے دین پر قائم رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں اس کو موت پائے تو البتہ ایسا شخص حدیث مَنْ مَاتَ الخ کی وعید شدید میں داخل نہ ہوگا لیکن یہ ضروری بات ہے کہ جب امام جماعت نہ ہو تو شہر میں قیام نہ کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الْأَرْضِ فَإِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ بَلَدًا لَيْسَ فِيهِ سُلْطَانٌ فَلَا يُقِيمَنَّ بِهِ (کنز العمال) یعنی زمین میں سلطان، امام، سردار، امیر، خلیفہ (سب الفاظ ضرورت شرعی میں مرادف معنے ہیں) اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے کہ لوگ اس کے سایہ میں پناہ گزین ہوتے ہیں اور اپنے مقدمات وفیصلہ جات اس کے پاس لیجاتے ہیں اور اس کی ماتحتی میں رہ کر قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں۔ پس جس وقت کوئی مسلمان ایسے شہر میں داخل ہو کہ اس میں کوئی امیر سردار نہیں ہے تو اس میں قیام نہ کرے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جس شہر میں امام یا نائب امام نہ ہو اس میں رہنا بہت ہی برا ہے عارضی طور پر قیام کرنا بھی ناروا ہے۔ دیگر آپ کا ارشاد ہے إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ (مشکوٰۃ) دیگر روایت ہے لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ يَكُونُونَ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ إِلَّا أَمَّرُوا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ (رواہ احمد کذا فی المنتقیٰ) یعنی جنگل میں یا سفر میں تین آدمی مسلمان ہوں تو ضرور ایک کو اپنا سردار مقرر کرلیں۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب ظاہر ہے کہ جنگل ہو یا سفر بغیر امام وسردار کے رہنا تین آدمیوں

کیلئے بھی ناروا ہے چہ جائیکہ جہاں شہر میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان رہتے ہوں اور اُن پر کوئی امام وسردار نہ ہو بلکہ وہاں تو بطریق اولیٰ بغیر سردار امام کے رہنا ناجائز ہوگا اسی لئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول تسلیم کرکے بیعت کی۔ بعدہ آپ کے کفن دفن کی تیاری ہوئی۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے تھے کہ دیگر امور شرعیہ کا انتظام تو کیا بلکہ یہ تجہیز وتکفین مردہ بھی بغیر ماتحتی کسی امام وسردار کے ناممکن ہے اسی لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرگئے اِنِّیْ اسْتَخْلَفْتُ عَلَیْکُمْ بَعْدِیْ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ فَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا (کنز العمال) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِنَّ اللّٰہَ یَحْفَظُ دِیْنَہٗ وَاِنِّیْ اِنْ لَّا اَسْتَخْلِفْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَسْتَخْلِفْ وَاِنْ اَسْتَخْلِفْ فَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ قَدِ اسْتَخْلَفَ کہہ کر امر خلافت چھ آدمی برگزیدہ (عثمان، علی، زبیر، طلحہ، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص) کے سپرد کرگئے جس کو یہ لوگ اپنے میں سے مناسب سمجھیں خلیفہ مقرر کرلیں چنانچہ بعد از فوتیدگی آپ کی کے عبدالرحمن بن عوف نے پانچوں کو تنہائی میں راضی کرکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا اُبْسُطْ یَدَکَ یَا عُثْمَانُ فَبَسَطَ فَبَایَعَہٗ وَبَایَعَہٗ عَلِیٌّ وَالنَّاسُ ہاتھ پھیلاؤ۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پھیلایا تو عبدالرحمن بن عوف اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر لوگوں نے بیعت کی۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پانچ چھ آدمی برگزیدہ امانت دار اپنی صدق نیت اور دیانت داری سے ایک شخص کو امام وسردار مقرر کردیں تو باقی سب مسلمانوں کو اس کے ماتحت ہونا پڑے گا۔

حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہی سلسلہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک مسلسل متصل رہا عَنْ سَفِیْنَۃَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْخِلَافَۃُ ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً ثُمَّ یَکُوْنُ مُلْکًا ثُمَّ یَقُوْلُ سَفِیْنَۃُ اَمْسِکْ خِلَافَۃَ اَبِیْ بَکْرٍ سَنَتَیْنِ وَخِلَافَۃَ عُمَرَ عَشَرَۃً وَعُثْمَانَ اِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ وَعَلِیٍّ سِتَّۃً رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَکَذَا فِی الْمِشْکٰوۃِ یعنی خلافت تیس برس تک رہے گی۔ دو برس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی، دس برس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔ بارہ برس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی، چھ برس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی۔ بعدہٗ ملک عضوض کا ایسا زور شور ہوا کہ خلافت اسلامی کی بہبودی کی امید نہ تھی مگر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنْہَاجِ النُّبُوَّۃِ (ملک عضوض اور ملک جبریہ کے بعد پھر خلافت بطریقہ نبوت ہوگی) نے امید افزائی کی لیکن لَا یَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا اِلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّہُمْ مِنْ قُرَیْشٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَا یَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِیًا مَا وَلِیَہُمُ اثْنَا

عَشَرَ رَجُلًا کُلُّہُمْ مِنْ قُرَیْشٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَا یَزَالُ الدِّیْنُ قَائِمًا حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ اَوْ یَکُوْنَ عَلَیْہِمُ اثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّہُمْ مِنْ قُرَیْشٍ (بخاری مسلم وغیرہ) روایات نے پھر خلافت کو بارہ خلفائے قریش میں منحصر کردیا تھا۔ دیگر حدیث وَاِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ (بخاری مسلم) سے یہ عقدہ بھی حل ہوگیا کہ خلفاء تو بکثرت ہوں گے مگر بارہ خلفاء جو کہ قریش میں سے ہوں گے۔ ان کے عہد خلافت میں دین اسلام کا نہایت ہی غلبہ رہے گا نہ یہ کہ امر خلافت قریش میں داخل ہوکر بارہ خلفاء پر ختم ہوگا۔ چنانچہ جملہ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً کُلُّہُمْ مِنْ قُرَیْشٍ ہی سے سمجھا گیا کہ بارہ خلفاء تو ضرور ہی قریش میں سے ہوں گے اور جملہ لَا یَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا سے پایا گیا کہ ان کے عہد خلافت میں دین اسلام کا نہایت ہی زور وشور رہے گا فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

اس جگہ اس حدیث کو بھی بیان کردینا غالباً غیر مناسب نہ ہوگا مَنْ خَرَجَ یَدْعُوْ اِلٰی نَفْسِہٖ اَوْ اِلٰی غَیْرِہٖ وَعَلَی النَّاسِ اِمَامٌ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ الخ (کنز العمال) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ امام موجود ہے۔ لوگ اس کی ماتحتی میں ہیں ایسی حالت میں جو شخص امام کی برائیاں کرے اور لوگوں کو اس سے برگشتہ کرکر اپنی طرف یا اپنے کسی معتقد کی طرف مائل کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور لوگ سب کے سب لعنت بھیجتے ہیں۔ پس ایسے شخص سے مقابلہ کرو۔

نیز اسی جگہ اور اسی حدیث کے ساتھ اس حدیث کو بھی منسلک کرنا غالباً بجا ہوگا لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلٰوۃَ اِمَامٍ حَکَمَ بِغَیْرِ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ الحدیث (مستدرک حاکم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو امام ما انزل اللہ یعنی قرآن وحدیث کے ساتھ حکم وفیصلہ اور فتویٰ نہ دے تو اس کے باقی اعمال صالحہ تو کجا بلکہ نماز بھی نامقبول ہے۔

جواب (۵۵) سردار امام کے لئے قرشیت کی کوئی شرط نہیں ہے قریش ہو یا غیر قریش مَا اَقَامُوا الدِّیْنَ کا ہونا لابدی امر ہے۔ ہاں قریش مَا اَقَامُوا الدِّیْنَ ہو تو افضل اولی بالامارت ہے یہاں تک کہ اگر مَا بَقِیَ مِنْہُمُ اثْنَانِ دو آدمی ہوں تو بھی حق انہیں کا ہے۔ اور اگر قریش ہوں مَا اَقَامُوا الدِّیْنَ نہ ہو تو پھر ان کا کوئی حق نہیں ہے چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں اَنْتُمْ اَوْلَی النَّاسِ بِہٰذَا الْاَمْرِ مَا کُنْتُمْ مَعَ الْحَقِّ اِلَّا اَنْ تَعْدِلُوْا عَنْہُ فَتُلْحَوْنَ کَمَا تُلْحٰی ہٰذِہِ الْجَرِیْدَۃُ یُشِیْرُ اِلٰی جَرِیْدَۃٍ فِیْ یَدِہٖ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ وَالْبَیْہَقِیُّ کَذَا فِیْ رَحْمَۃِ الْمُہْدَاۃِ وَکَنْزِ الْعُمَّالِ یعنی امارت کے زیادہ مستحق تم قریش ہی ہو جب تک کہ تابع حق رہوگے اور جس وقت حق سے پیٹھ پھیروگے تو امارت تم سے ایسی چھین لی جائے گی جیسا کہ لکڑی سے رندے کے ساتھ چھلکا اتار کر دور کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ جب تک قریش تابع حق رہیں گے امارت کے مستحق ہیں اور

جس وقت حق کو چھوڑ دیں گے تو امارت ان سے چھن کر غیروں میں چلی جائے گی چنانچہ دوسری روایت سے بالتصریح سمجھا گیا۔ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ فَإِنَّکُمْ أَهْلُ هٰذَا الْأَمْرِ مَا لَمْ تَعْصُوا اللّٰهَ فَإِذَا عَصَیْتُمُوهُ بَعَثَ عَلَیْکُمْ مَنْ یَلْحَاکُمْ کَمَا یُلْحٰی هٰذَا الْقَضِیْبُ رَوَاهُ أَحْمَدُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ کَذَا فِي کَنْزِ الْعُمَّالِ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے گروہ قریش! بیشک اس امارت کے مالک تم ہی رہو گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچو گے اور جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو تم پر کھڑا کرے گا کہ وہ تم سے امارت اس طرح چھین لیگا جیسے لکڑی سے چھلکا دور کیا جاتا ہے

ان دونوں حدیثوں سے سمجھا تو گیا تھا کہ بے اقامۃ الدین کے قرشیت کوئی چیز ہی نہیں ہے لیکن اس تیسری روایت سے اور بھی واضح ہو جائے گا اَلْأُمَرَاءُ مِنْ قُرَیْشٍ اَلْأُمَرَاءُ مِنْ قُرَیْشٍ اَلْأُمَرَاءُ مِنْ قُرَیْشٍ لَکُمْ عَلَیْهِمْ حَقٌّ وَلَهُمْ عَلَیْکُمْ حَقٌّ مَا فَعَلُوْا ثَلَاثًا مَا حَکَمُوْا فَعَدَلُوْا وَاسْتُرْحِمُوْا فَرَحِمُوْا وَعَاهَدُوْا فَوَفَوْا فَمَنْ لَمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ مِنْهُمْ فَعَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِکَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ (رواہ احمد وطبرانی) یعنی آپ نے تین بار فرمایا کہ امراء قریش سے ہی رہیں گے۔ لوگوں کا حق ان پر ہے اور ان کا حق لوگوں پر ہے جب تک تین باتوں کے پابند رہیں گے۔ جب فیصلہ کرینگے تو عدل کریں گے جب رحم طلب کئے جاویں گے تو شفقت کریں گے اور جب وعدہ کریں گے تو اس کو پورا کریں گے۔ پس جب یہ چھوڑ دیں گے تو پھر ان پر خدا کی بھی لعنت ہے اور ملائکہ اور لوگوں سب کی ان پر پھٹکار ہے۔ اور عبادت فرضی نفلی کچھ بھی مقبول نہیں پس اس حدیث سے قطعی فیصلہ ہو گیا کہ امارت کے واسطے قرشیت شرط نہیں ہے بلکہ امارت کے لئے عدالت اور رحم اور ایفاء وعدہ کا ہونا لازمی امر ہے یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ

مسئلہ سیاست اس مسئلہ میں بھی لوگ دو غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اول سیاست کو امام کے لئے شرط کہا ہے۔ ثانی سیاست کا معنی غلط لیا ہے کہ سیاست ملکی سمجھے حالانکہ اصل اس سیاست کا معنی ہیں اَلْقِیَامُ عَلَی الشَّیْءِ بِمَا یُصْلِحُهُ یعنی کسی چیز کی خبرگیری اور اصلاح کرنا (اسی سے سائیس گھوڑا ہے جو گھوڑے کی ہر طرح اصلاح کرتا رہتا ہے) پھر سیاست دو قسم پر ہے سیاست ملکی اور سیاست شرعی۔ سیاست ملکی تو یہ ہے کہ سلطنت اور تلوار کے زور سے رعایا کی دنیوی اصلاح کی جائے۔ اور سیاست شرعی یہ ہے کہ قرآن حدیث سے لوگوں کی دینی اور دنیوی اصلاح کیجائے تو واقعی اس سیاست شرعی کا ہونا امام کے لئے ضروری امر ہے۔ اور جب تک مسلمان ایسے امام مصلح الناس بالکتاب والسنۃ کو اپنا سردار بنا کر اس کے ماتحت رہیں گے تو قرآن وحدیث کی اتباع کریں گے اور جب ایسے امام کو چھوڑ دیں گے اور امارت بالسیف ہوگی تو قرآن وحدیث کی اتباع کمی اور ملک

عضوض آگیا۔ تمام کاروبار دینی اور دنیوی سلطنت کے طرز پر ہو جاویں گے چنانچہ اسی مضمون کی حدیث جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں موجود ہے لَنْ تَزَالُوْا بِخَیْرٍ مَا إِذَا هَلَکَ أَمِیْرٌ تَأَمَّرْتُمْ فِيْ آخَرَ فَإِذَا کَانَتْ بِالسَّیْفِ کَانُوْا مُلُوْکًا یَغْضَبُوْنَ غَضَبَ الْمُلُوْکِ وَیَرْضَوْنَ رِضَی الْمُلُوْکِ

سیاست شرعی کے ساتھ سیاست ملکی ہو تو فبہا ورنہ امام کے لئے سیاست ملکی کا ہونا نہ تو ضروری سمجھا جا سکتا ہے اور نہ شرط ہونا ممکن ہے کیونکہ اگر بالفرض ضروری ہوتی تو اس کے زیادہ مستحق ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ آپ رئیس الائمہ بھی ہیں اور خلیل اللہ بھی۔ اور آپ کی امامت کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں بھی ذکر فرمایا ہے وَإِذِ ابْتَلٰی إِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّيْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ إِمَامًا الآیۃ ضروری تھا کہ آپ کو سیاست ملکی ملتی اور آپ ننگے بدن کر کے آگ میں نہ ڈالے جاتے اور نہ آپ سے اتنا بڑا ستم میں بادشاہ جابر آپ کی بیوی چھینتا۔ پھر بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر موسیٰ کلیم اللہ کو ملتی تاکہ آپ مصر سے بنی اسرائیل کو راتوں رات لیکر نہ بھاگتے اور نہ فرعون آپ کا تعاقب کرتا اور نہ بنی اسرائیل اپنے ٹھکانا چھوڑ کر چالیس برس تک جنگلوں میں مارے مارے پھرتے۔ بعدہ عیسیٰ روح اللہ کو ملتی اور یہود آپ کے قتل اور سولی پر چڑھانے کے درپے نہ ہوتے پھر اکرم الاولین والآخرین وخاتم النبیین الی رسول اللہ الیکم جمیعا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری ملتی تاکہ آپ مخضوب بالدم نہ ہوتے اور نہ غار میں کئی روز تک روپوش رہتے اور نہ بیت اللہ سے فرار ہو کر مدینہ منورہ پہنچتے اور نہ آپ کے نام اور نہ آپ کے صاحب غار ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام سو سو اونٹ کا وارنٹ جاری ہوتا۔

غرضیکہ امارت کے لئے سیاست کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ شرط کا ہونا ممکن ہے کیونکہ شرط قبل از مشروط ہوتی ہے اور عدم شرط سے عدم مشروط لازم آتا ہے چنانچہ نماز کے لئے وضو شرط ہے بدون وضو کے نماز نہیں ہوتی لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَہٗ تو پہلے وضو کریں گے بعد ازاں نماز پڑھیں گے تب نماز ہوگی نہ یہ کہ پہلے نماز پڑھنے کے بعد وضو کریں۔ اسی طرح پہلے سیاست ہوگی تو بعدہ امام ہوگا والا فلا حالانکہ اس طرح نہیں ہے اگر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس بعد بعثت مکہ میں رہے۔ آپ کے پاس سیاست نہ تھی تو گویا تیرہ برس تک آپ کی امامت کی نفی ہوئی کیونکہ امامت کے لئے سیاست شرط تھی۔ جب سیاست نہ ہوئی تو امارت کی نفی حتماً لازم آئی۔ بعض الناس کا یہ بھی خیال ہے کہ نبوت

؎ کَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِیَاءُ سے بھی سیاست شرعی مراد ہے اور اگر سیاست ملکی سمجھی جائے تو پھر بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر موسیٰ اور عیسیٰ کے پاس کہاں تھی ۱۲۔

کے لئے تو سیاست کا ہونا شرط نہیں مگر امارت وخلافت کے واسطے شرط ہے تو یہ خیال بھی ان کا سراسر بیہودہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خلافت وہی ہے جو علیٰ منہاج النبوت ہو اور جو طریقہ نبوت پر نہ ہو وہ ملک عضوض ہے یعنی ماکل ومشرب اور عزت آبرو اور شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے چنانچہ اس حدیث سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ وَمُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ بَدَاَ نُبُوَّةً وَّرَحْمَةً ثُمَّ يَكُوْنُ خِلَافَةً وَّرَحْمَةً ثُمَّ مُلْكًا عَضُوْضًا الحدیث (مشکوٰۃ) یعنی ابوعبیدہ بن جراح امین ہذہ الامۃ اور معاذ بن جبل امام العلماء رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بالتحقیق اس امر دین کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے۔ پھر خلافت اور رحمت کے ذریعہ سے دین رہے گا پھر ملک عضوض بعض بعضہم بعضا ہو جائیگا۔

اس حدیث سے بالتصریح معلوم ہوا کہ کسی بادشاہ یا امیر رئیس نے سلطنت یا تلوار یا سیاست یا ڈنڈے کے زور سے دین نہیں پھیلایا بلکہ نبی عبد رؤف رحیم رحمۃ للعالمین نے اس عالم اجاڑ اور بیابان ویران میں بنیاد ڈالی ہے اور نہایت ہی اس رحمت وشفقت اور سہولت اخلاق وحسن خصال اور حلم وجانفشانی سے دین غریب کو پھیلایا۔ آپ کو دشمنان دین مار مار کر مخضوب بالدم کر دیتے لیکن آپ اپنے خطاب رؤف رحیم ورحمۃ للعالمین کا خیال کرتے ہوئے اپنے ملازمت یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا میں فرق نہ آنے دیتے لوگ آپ کو کہتے لَسْتَ مُرْسَلًا۔ هٰذَا رَجُلٌ كَذَّابٌ۔ جَاءَ بِالْبِدْعَةِ وَالضَّلَالَةِ مگر آپ وہی یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاتْرُكُوا اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَاتْرُكُوْا مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُكُمْ گلی کوچوں میں باواز بلند پکارتے ہوئے اپنے محل اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ سے آگے نہ گزرتے ہوتے۔ آپ لا الہ الا اللہ کی تبلیغ کرتے ہیں۔ کوئی تو آپ کے منہ پر تھوک دیتا ہے کوئی آپ پر خاک ڈالتا ہے۔ کوئی آپ کو گالی دیتا ہے لیکن آپ قانون شاہنشاہی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ کی پابندی کرتے ہوئے دعا خیرات یاد کرتے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

علی ہذا القیاس اسی حضرت دنیا کی بنیاد ڈالتے ہوئے تیرہ برس کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچ کر دین کی دیواریں پلا ٹھیک کر کے اس پر چھت ڈالی اور مکان برابر تیار ہو چکا تو اسمیں مسلمانوں کی جماعت خالصہ آکر سکونت پذیر ہوئی اور آپ کے بھی قدم بخوبی جم گئے تو حضرت اللہ تعالیٰ نے نیزوں اور تیروں کے زیر سایہ ان کے رزق کا بندوبست کیا وَجُعِلَ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ اور ادھر آپ ان کو لیکر تلواروں کے زیر سایہ ابواب جنت کے متلاشی ہوئے اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ۔

القصہ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ کا وجود اس دار فانی میں رہا اور جب میعاد اجل ختم ہوئی تو آپ نے اس مکان دین کی کنجی بحوالہ خلفاء راشدین مہدیین کی اور آپ اس دار الفناء سے کوچ کر کے اس دار البقاء میں جا بسے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پس اس طرح نبوت کے ذریعہ سے دین شروع ہو کر انتہاء اعلیٰ کو پہنچا۔

آپ کے پیچھے وہی مکان دین اور وہی ارزاق رماح اور وہی سیوف کے زیر سایہ ابواب جنت کا ابتغاء خلفاء اربعہ تک بہیئت خود رہا۔ بعدہ بمشاء ایزدی ملک عضوض کا ظہور ہوا۔ ظالم بادشاہوں نے چڑھائی کی کہیں تو مکان کی اینٹیں اکھیڑ کر پھینکدیں اور کہیں تیر اور نیزے توڑ دیئے اور کہیں تلواریں چھین کر لے گئے اور دین کو الٹ درہم برہم کر دیا تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ہمیشہ ایام برابر نہیں رہتے۔ ملک عضوض کے زور وشور کمزور ہونے پر گاہے بگاہے مسلمان عمارت اسلام کو ٹھیک کرتے رہے گو بہیئت سابقہ عمارت اسلام کمال کو نہ پہنچی مگر تاہم اس کی دیواریں کچھ نہ کچھ نشان دیتی رہیں اور آج تو دین کی بالکل وہی حالت ہے جو ابتداء نبوت میں تھی سنئے اگر اللہ تعالیٰ عزیز حکیم يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ کسی بحسب خلوص وجو افراد کو توفیق وثیق دے اور نصرت وردے کر تو تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ کے دائرہ میں رہ کر دین کی بنیاد ڈالے کو وہی قدیم طریقہ نبوی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ - اور وہی ملازمت شاہنشاہی یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاتْرُكُوا اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَاتْرُكُوْا مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُكُمْ کو اختیار کرے جتنا ہی عرصہ لگ جائے پیشتر اس کے بنیاد اور زمین مضبوط کرے پھر دیواریں برابر کر کے اس پر چھت ڈالے بعدہ مکان تیار ہونے پر اس میں کسی جماعت خالصہ آکر بسنے لگے کہ ہر ایک کاروبار میں اس صاحب مکان کی رائے ومرضی اور ہمت ونیت وغیرہ کو اذن کو مانند سپر کے مقدم رکھیں اور خاص کر اس کے امر بتقویٰ اللہ اور امر بالعدل کی اطاعت ومعصیت کو عین اطاعت و معصیت خدا ورسول سمجھیں اور جس سے عداوت ومقابلہ اور تکرار وترک موالات کا حکم کرے اس سے مقابلہ ولڑائی رکھیں اور جس سے اتفاق واتحاد اور مودت رکھنے کا امر کرے اس سے محبت رکھیں۔ غرضیکہ مَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِيْ وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِيْ سے بخوبی واقف ہو گئے اور اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَيُتَّقٰى بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَيْرِهٖ فَاِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ (بخاری مسلم) کو اچھی طرح سمجھ کر تمام امور شرعیہ کی بجا آوری میں امام کی اطاعت کو مانند سپر کے مقدم رکھنے لگے تب کہیں رزق رماح اور ابواب جنت کا تلواروں کے زیر سایہ ملنا نصیب ہو گا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ یعنی یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ مشکل نہیں ہے مگر امام مہدی علیہ السلام کے قبل اس کے توقع واثق نہیں کہ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ

السُّیُوْفِ اور جَعَلَ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ اور اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ وَ یُتَّقٰی بِہٖ کے دوسرے معنی پر بھی عمل نصیب ہو۔

ہاں جیسا کہ خلفاء راشدین مہدیین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کام کا انتظام آراستہ کرکے دے گئے کہ وہ اُدھر گدی پر بیٹھتے ہی تلواروں کے زیر سایہ ابواب جنت کے طالب ہوئے اور اُدھر مسلمان رماح کے ذریعہ سے مزدوری کرکے مالا مال ہوگئے ویسا ہی آج امر دین آراستہ ہو جائے اور پھر مسلمان اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّۃِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ اور جَعَلَ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ سے کچھ حصہ نہ لیں تو ان جیسا کوئی محروم النصیب بھی نہیں ہے اور یہ بھی کونسی عقل کی بات ہے کہ جو کام ہم آج کر سکتے ہیں وہ بھی نہ کریں۔ وہی کہاوت مشہور کہ "نہ نومن تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی" نہ امام سردار با سیاست ہوگا اور نہ ہمارا نفس امارہ کسی کے ماتحت رہیگا۔ اور یہ بھی کوئی دانائی کی بات نہیں ہے کہ دین کی جانب اسفل کو چھوڑ کر طرف اعلیٰ کو لیا جائے۔ ہاں مانا کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ دین کے اس سرے کے تمام مراحل و منازل طے کئے بغیر اُس سرے تک پہنچ جائیں۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ زینہ کی نیچے کی جانب سے سیڑھی بہ سیڑھی قدم رکھتے ہوئے اس کے اوپر کی جانب کو پہنچتے ہیں اور جب تمام سیڑھیاں ختم ہو چکتی ہیں تو پھر دخول مکان میں کچھ توقف نہیں ہوتا۔ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُہَا لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۝

یہی مثال زینۂ اسلام کی سمجھیں کہ وہ خیر خواہ امت شفیع المذنبین اکرم الاولین والآخرین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زینۂ اسلام کی اس جانب سے سیڑھی بہ سیڑھی طے کرتے اور کراتے ہوئے زینہ کی اس طرف تک پہنچے۔ چونکہ تکالیف کی گرمی اور دھوپ میں رہتے رہتے ایک مدت دراز ہوئی تھی مکان سیوف کے سایہ میں پہنچکر اطمینان گزیں ہوئے۔ مہینوں اور برسوں سے بھوکے اور پیاسے تھے رزق رماحی سے خوب ریان و شبعان ہوئے۔

خلفاء راشدین مہدیین تک تو مسلمان بدستور مکان سیوف کے سایہ میں بیٹھ کر رزق رماحی سے ناشتہ کرتے رہے لیکن بعدہ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ کو مسلمانوں کی کسی حرکت ناشائستہ و خصلت قبیحہ پر غیرت و غصہ آیا تو ملوک جبریہ کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ انہوں نے بڑی بے رحمی اور سنگ دلی سے پہلے تو رماح رزق چھین لئے پھر مکان کے زیر سایہ سے اٹھا کر زینہ سے نیچے کر دیا پھر جو مسلمانوں کی حالت خراب و خستہ گذری یا گذر رہی ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ رؤف بالعباد و بصیر بالاحوال سابق لغزش کو درگذر فرما کر موجودہ حالت پراگندہ و کیفیت خستہ پر رحم فرماوے اور ایک ایسے شخص خیر خواہ قانون آسمانی کے حاذق و ماہر کو توفیق وثیق اور جرأت وسیع عطا کرے کہ وہ اپنی دیانت داری و تجربہ کاری سے

مسلمانوں کو زینۂ اسلام پر سیڑھی بہ سیڑھی چڑھا کر اسی مکان سیوف کے زیر سایہ پہنچا دے لیکن قلوب ہمارے شاہد اور صورتیں ہماری بتا رہی ہیں کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ ہم کو آزادی اور فقدان مال کی گرمی اور دھوپ نے ایسا بیتاب اور بے حوصلہ کیا ہے کہ ہم ہر ایک ناتجربہ کار کے کہنے کے موافق چاہتے ہیں فوراً بغیر کسی زینہ کے مکان سیوف کے زیر سایہ پہنچکر سایہ گزیں ہوں اور یہ محال ناممکن ہے۔ فَقَدْ طَالَ الْکَلَامُ فِیْ بَحْثِ مَسْئَلَۃِ السِّیَاسِیَّۃِ فَلِہٰذَا اَخْتِمُہٗ عَلٰی قَوْلِہٖ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ہٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝ فَاِنَّ السِّیَاسِیَّۃَ لَیْسَتْ بِشَرْطٍ لِلنُّبُوَّۃِ وَلَا لِلْخِلَافَۃِ کَمَا بَیَّنْتُہَا۔

جواب (۵۶) قریش میں اقامت دین نہ ہو تو غیر قریش قائم بالدین بلا شک و شبہ امام و سردار ہو سکتا ہے اگر غلام حبشی ناک کان کٹا کیوں نہ ہو اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا (مسلم) یعنی غلام ناک کان کٹا تم پر امام و سردار کیا جائے بشرطیکہ قرآن حدیث پر چلاوے تو تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔

اُمِّرَ صیغہ (واحد مذکر غائب) فعل ماضی مجہول کا ہے عَبْدٌ مُجَدَّعٌ موصوف صفت مل کر نائب فاعل ہے اور فاعل اسکا محذوف ہے۔ اور عربیت کا یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جہاں فاعل کو حذف کر کے اس کے قائم مقام مفعول لایا جائے تو وہاں علاوہ اور فائدوں کے ایک فائدہ عمومیت کا بھی ہوتا ہے یعنی غلام قائد بکتاب اللہ وسنت رسول خود بخود بتوفیق المقتدا امام بن جائے یا لوگ بنائیں یا پہلا امام بنائے بہر حال اس کی سننی اور اتباع کرنی ہوگی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غیر قریش امام وقت کے بنانے سے نائب خلیفہ ہو سکتا ہے اور مستقل خلیفہ نہیں ہو سکتا تو یہ اُن کی نافہمی کا نتیجہ ہے ورنہ قرآن حدیث میں جس شخص کی نظر وسیع ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ غیر قریش قائم بالدین برابر مستقل خلیفہ ہو سکتا ہے اور غور کرنے سے اس کے نظائر و امثلہ کتاب و سنت میں بکثرت ملیں گے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی فرماتے ہیں وَلَوْ اَدْرَکْتُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ ثُمَّ وَلَّیْتُہٗ ثُمَّ قَدِمْتُ عَلٰی رَبِّیْ فَقَالَ لِیْ مَنِ اسْتَخْلَفْتَ عَلٰی اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ فَقُلْتُ سَمِعْتُ عَبْدَکَ وَنَبِیَّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَاْتِیْ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ بَیْنَ الْعُلَمَآءِ رَتْوَۃً رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ حِبَّانَ وَابْنُ عَسَاکِرَ کَذَا فِیْ رَحْمَۃِ الْمُہْدَاۃِ وَکَنْزِ الْعُمَّالِ یعنی اگر میں معاذ بن جبل کو پاتا تو اس کو خلیفہ کرتا پھر میں خدا تعالیٰ کے پاس جاتا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے دریافت کرتا کہ تو نے کس شخص کو امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خلیفہ مقرر کیا تو میں جواب دیتا کہ میں نے تیرے بندہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ قیامت کے روز معاذ رضی تمام علماء کا امام ہوگا۔ آگے آگے یہ ہوگا اور پیچھے اس کے تمام علماء ہونگے تو اس لئے جب قیامت کو یہ امام العلماء ہوگا تو میں نے

یہاں دنیا میں بھی اس کو امت محمدیہ پر امام کر دیا۔

اس حدیث سے صریح طور سے ثابت ہوا کہ غیر قریش خلیفہ مستقل ہو سکتا ہے کیونکہ معاذ بن جبل انصار کے قبیلہ خزرج میں سے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا تھی کہ میں اسے مستقل خلیفہ کر جاتا۔ اور اگر اس حدیث سے نائب خلیفہ سمجھا جائے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا لایعنی ہے کہ میں اسے خلیفہ کرتا کیونکہ خلیفہ غیر مستقل تو عہد نبوی و خلافت صدیقی سے ہے اور خلافت فاروقی میں بھی بدستور خلیفہ رہا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ میں اسے خلیفہ کر جاتا چہ معنی دارد۔

نیز عمر فاروق رضی اللہ عنہ نغرستہ کو امر خلافت سونپتے ہوئے فرماتے ہیں لَوْ اَدْرَكَنِيْ اَحَدُ رَجُلَيْنِ ثُمَّ جَعَلْتُ هٰذَا الْاَمْرَ اِلَيْهِ وَلَوَثِقْتُ بِهٖ سَالِمٌ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ فِيْ مُسْتَدْرَكِهٖ كَذَا فِيْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ وَكَنْزِ الْعُمَّالِ یعنی اگر سالم مولیٰ ابو حذیفہ اور ابو عبیدہ بن جراح میں سے ایک بھی موجود ہوتا تو میں اس امر خلافت کو قطعی طور پر اس کے سپرد کر دیتا یعنی اُسے خلیفہ کر جاتا۔

پس اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ غیر قریش بلکہ غلام بھی مستقل خلیفہ ہو سکتا ہے کیونکہ سالم ابو حذیفہ رض کا غلام ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسے خلیفہ کر جاتا۔

نیز صحابہ کرام نے جب آپ کے غلام زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ بن زید کی امارت پر طعن کیا تو آپ اسامہ بن زید کی امارت سے طعن کو دفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر بھی طعن کر چکے ہو حالانکہ وہ لائق امارت تھا اَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِلْاِمَارَةِ

دیگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو خطباء انصار نے دربارۂ تقرری امام یہ رائے پیش کی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا بَعَثَ رَجُلًا مِّنْكُمْ قَرَنَهٗ بِرَجُلٍ مِّنَّا فَنَحْنُ نَرٰى اَنْ يَّلِيَ هٰذَا الْاَمْرَ رَجُلَانِ رَجُلٌ مِّنْكُمْ وَرَجُلٌ مِّنَّا الخ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی آپ تم مہاجرین میں سے کسی آدمی کو کہیں بھیجتے تو ضرور اس کے ساتھ ہم انصار میں سے بھی ایک شخص کو ساتھ کرتے لہذا ہماری رائے دربارۂ تقرری امیر یہ ہے کہ دو امیر ہونے چاہئیں ایک تم مہاجرین میں سے اور ایک ہم انصار میں سے اَلْاُمَرَاءُ مِنْ قُرَيْشٍ۔ اَلْخِلَافَةُ فِيْ قُرَيْشٍ وغیرہ روایات کے ہوتے ہوئے پھر انصار کا دربارۂ تقرری امام کے یہ معارضہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا بَعَثَ رَجُلًا مِّنْكُمْ قَرَنَهٗ بِرَجُلٍ مِّنَّا پیش کرتے ہوئے یہ رائے رَجُلٌ مِّنْكُمْ وَرَجُلٌ مِّنَّا ظاہر کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابو حذیفہ وغیرہ کے خلیفہ کرنے کی تمنا اور زید بن حارثہ غلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صفیہ فرمانا کہ وہ لائق امارت ہے وغیرہ دلیل صاف اس بات پر دال ہیں کہ علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رض

بھی جانتے تھے کہ امر خلافت قریش پر منحصر نہیں ہے۔ نیز احکام الٰہی کی تبلیغ کسی ذات پر منحصر نہیں ہے اور نہ محض ذات بڑی ہونے سے آدمی میں کچھ بڑائی اور شرافت آجاتی ہے۔ ذاتیں تو صرف شناخت اور تعارف کے لئے بنی ہیں جیسا کہ قرآن مجید باواز بلند پکار رہا ہے يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا الاٰية

جواب: (۵۰) اگر لوگ اپنے ماکل و مشرب و ملبس اور دنیوی کاروبار میں ایسے مشغول ہوئے ہیں کہ موت جاہلیت کے خاتمہ سے وہ تغافل و تجاہل کر رہے ہیں۔ شراب نادانی انہیں ایسی مسکر بوٹی ہے کہ اگر صاف لفظوں میں بھی ان کو پکارا جائے مَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَّاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً تو وہ خیال کریں کہ کسی غیر کو آواز دے رہا ہو گا۔ شجر غفلت کے ایسے ظل عمیق میں جلوس گزیں ہیں کہ رسول کے فرمان عظمیٰ اَنْ لَّا يَنَامَ نَوْمًا وَلَا يُصْبِحَ صَبَاحًا اِلَّا وَعَلَيْهِ اِمَامٌ کی شعاعیں ان کے اجسام تک نہیں پہنچتی ہیں۔ جب شہوات وتلبسات ان کے قلوب میں ایسی مشروب ہے کہ اگر پیشوائے عالم بھی ان سے اگر کہے فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا تو کچھ پرواہ نہیں ہے۔ قید ہمدان کے ایسے عادی ہیں کہ اگر اکرم الاولین والآخرین ان کی خیر خواہی کرے کہ اس شہر میں امن نہیں ہے تو انہیں کچھ خوف نہیں فَاِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمْ بَلَدًا لَيْسَ فِيْهِ سُلْطَانٌ فَلَا يُقِيْمَنَّ بِهٖ تو ایسی صورت میں اللہ رب العالمین بوفق فرمان آیۂ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا الاٰية کے جس شخص کو توفیق و ہمت و حوصلہ بخشے و جرأت تبلیغ عطا کرے وہ خود بخود دین نبوی کی حفاظت اور اشاعت کے لئے نہ کھانے پینے اور عزت و آبرو اور شہرت کے واسطے امام بن جائے اور علی الاعلان ببانگ دہل آزادانہ طور پر قرآن مجید اور کتب مشہورہ مقررہ فی الاسلام صحاح ستہ و ما وافقہا کو بیان کرے۔ خواص الناس کے ذہن سے یہ بات بحکم عوام الناس کے کانوں میں پہنچی ہے کہ سلطنت کفار میں نہ تو امام ہو سکتا ہے نہ تنفیذ احکام ممکن ہے لہذا استفسار دریافت ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہوئے ہیں بجز ایک دو کے کونسا پیغمبر ریاست یا اسلامی سلطنت میں مبعوث ہوا ہے۔ کیا آدم شیث نوح علیہ السلام اسلامی سلطنت میں آئے یا کفار میں۔ اگر سلطنت کفار میں آئے تو تبلیغ احکام کیونکر کی۔ اور اگر اسلامی سلطنت میں آئے تو پھر جناب باری میں یہ استغاثہ کیسا رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ رَبِّ اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝ وغیر ذلک۔ کیا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا۔ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ابراہیم علیہ السلام سلطنت اسلام میں آئے یا سلطنت کفار میں؟ اگر سلطنت کفار میں آئے

تو ابلاغ احکام کی کیا صورت ہوئی۔ اگر اسلامی سلطنت میں آئے تو پھر ظاہراً اِنِّيْ سَقِيْمٌ ○ کہہ کر دل میں وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ کا پختہ کرنا کیسا۔ اور لوگوں کا یہ کہنا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ○ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ○ حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○ وغیر ذالک چہ معنی دارد کیا وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۔ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ○ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ○ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ○ موسیٰ علیہ السلام سلطنت کفر میں آئے یا سلطنت اسلام میں۔ اگر سلطنت کفار میں آئے تو انفاذ احکام کا کیا طریقہ اختیار کیا۔ اگر اسلامی سلطنت میں آئے تو پھر رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ○ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ○ کا کہنا کیسا؟ اور صاحب سلطنت کا یہ کہنا اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ○ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ چہ معنی دارد؟ اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ شکایت اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا کیوں کی۔ علیٰ ہذا القیاس عیسیٰ علیہ السلام کیا خاتم النبیین رحمۃ للعالمین اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ○ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ سلطنت کفار یا سلطنت اسلام میں مبعوث ہوئے۔ اگر سلطنت کفار میں مرسل ہوئے تو تنفیذ احکام کا کیا ڈھنگ اختیار کیا؟ اور اگر سلطنت اسلام میں آئے تو پھر مجاورین بیت اللہ آپ کو بیت اللہ میں نماز کیوں نہیں پڑھنے دیتے۔ کبھی تو گلے میں کپڑا ڈال کر نکال دیتے ہیں اور کبھی اونٹ کی اوجھڑی لے کر بحالتِ سجدہ میں آپ پر ڈال کر خوب مضحکہ اڑاتے ہیں اور کبھی آپ کو مار مار کر خون سے رنگ دیتے ہیں اور کبھی آپ کیلئے یہ شوریٰ ہوتا ہے کہ اس پہ کوئی مقدمہ ثابت کر کے جیل خانہ پہنچاؤ یا شہر بدریت شہر سے نکالو یا مار ڈالو۔ آپ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو تقریباً اسی آدمیوں پہ امام بنا کر ملک حبشہ میں بادشاہ نجاشی کے پاس کیوں بھیجا۔ کئی روز آپ غار میں غائب کیوں رہے۔ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کیوں پہنچے وغیرہ ذلک۔

پس علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے صرف اولوالعزم پیغمبروں کے واقعات و حالات پر ہی نظر ڈالتے ہوئے صاف کالقمر لیلۃ البدر دکھائی دیتا ہے کہ کوئی نبی بسیاست یا اسلامی سلطنت میں مبعوث نہیں ہوا ہے بلکہ اشد از اشد سلطنت کفار میں آکر تنفیذ احکام کرتے رہے ہیں۔ اور یہ بدیہی ظاہر باہر بات ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام بسیاست یا اسلامی سلطنت میں نہیں آئے تو نائب نبی کے لئے کیوں کر یہ شرط ہو کہ وہ بسیاست اسلامی سلطنت

ہی میں ہو۔ نیز نبوت اصل ہے اور خلافت فرع۔ جب اصل کے لئے سیاست یا اسلامی سلطنت کا ہونا ضروری نہیں ہے تو فرع کے واسطے کیسے شرط ہو گیا اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ○

باقی یہ معارضہ پیش کرنا کہ سلطنت کفار میں تنفیذ احکام کی کیا صورت ہوگی تو میں اسکے متعلق ملتمس ہوں کہ اسکا وہی قدیم طریقہ انبیائی از اول تا آخر اختیار کیا جائے کیونکہ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ یعنی خلافت نبوت کے طریقہ پر ہوتی ہے۔ کیا آپ عالم دنیا میں نہیں رہتے یا موجودہ سلطنت میں آپ کوئی ایسی قوم محسوس نہیں کرتے جو ان کے آپس کے تنازعات و فیصلہ جات وغیرہ امورات مذہبیہ ان کے چودھریوں پر پیش ہو کر فیصل ہوتے ہیں۔ آپ لوگ امور شرعیہ اپنے امام شرعی کے ماتحت ہو کر بجا لائیں تو کیا شریعت محمدیہ حاکم کی خیر خواہی کا سبق نہیں دیتی۔ آپ اپنے تنازعات و مقدمات کے فیصلہ جات اپنے امام شرعی کے پاس کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق چاہیں تو کیا شریعت بیضا حاکم اور رعایا کے باہمی تعلقات کی حفاظت کرنے کا حکم نہیں کرتی۔ عید جمعہ ایک جگہ امام یا نائب امام کے پیچھے پڑھا جائے تو کیا حاکم کی طرف سے حفظ امن کے لئے پولیس نہیں آئے گی۔ قبر پرستی اور پیر پرستی میں جو ایک خلق اشرف المخلوقات غرق ہو رہا ہے کیا اسکا مٹنا سلطنت کے لئے مفید نہیں۔ نام کے مسلمان مشرک بدعتی جو درحقیقت مشرکین کفار سے بھی بدتر ہیں کیا ان سے بائیکاٹ کرنے سے سلطنت مانع ہوگی۔ نام کے کلمہ گو جو نماز روزہ اور حج زکوٰۃ کی پابندی نہیں کرتے کیا ان کو برادری سے الگ کر دینے سے ڈپٹی کمشنر صاحب مانع ہونگے یا بَنِيْٓ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى خُنْثٰى کے تارک کا جنازہ نہیں پڑھیں گے تو کیا پولیس آکر تفتیش کرے گی۔ صدقۃ الفطر و زکوٰۃ اموال امام شرعی کو ادا کریں گے تو کیا تحصیلدار سمن جاری کرے گا؟ بیٹا بیٹی کا لینا دینا اپنی برادری مشرکہ کو چھوڑ کر اخوتِ اسلامی میں کریں تو کیا قانون بادشاہی کے خلاف ہوگا۔ کل صدقات امام شرعی کو ادا کئے جائیں اور وہ بقاعدہ متعلمین و معلمین و مبلغین وغیرہ کی تنخواہیں مقرر کرکے ان کو عوام الناس کی خوشامد سے مستغنی کرے تاکہ وہ بلا کسی لالچ و طمع کے کتاب اللہ و کتب رسول اللہ صحاح ستہ مشہورہ و مقررہ فی الاسلام و ما وافق بہا کو صفحۂ ارض پر رائج کردیں اور باقی کتب شیطانی کی تعلیم سے طبقۂ زمین کو پاک کریں تو کیا وائسرائے اس سے ناخوش ہونگے۔ صاحب سلطنت سے دیگر امور شرعیہ کی اقامت کے لئے اجازت لیجائے تو کیا ہم سلطنت کے خیر خواہ نہیں کہلائیں گے؟ نہیں ضرور کہلائیں گے مگر اصل بات یہ ہے نہ ہمارے میں ہمت ہے اور نہ اطاعت ورنہ سب کچھ ہو سکتا ہے كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى اَحَدٍ مِّنْكُمْ۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ○ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ○

جواب (۵۸) بغیر سردار و امام کے جماعت جماعت کا حکم نہیں رکھتی ہے جیسا کہ جماعت صلوٰۃ بغیر امام کے جماعت کا حکم نہیں رکھتی۔ سنن دارمی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی سے مروی ہے لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَامَةٍ وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ یعنی بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ توحید اتباع سنت صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ وغیرہ امور شرعیہ بغیر جماعت کے معتبر نہیں ہیں۔ اور جس جماعت کا سردار نہ ہو وہ جماعت ہی نہیں ہے۔ اور جب تک سردار کی اطاعت نہ کی جائے تو سردار کا ماننا ہی نہیں ہے۔

پس اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ اوّل بغیر جماعت کے اسلام معتبر نہیں۔ دوم بغیر امام کے جماعت نہیں۔ سوم بغیر اطاعت کے امیر کا ماننا نہیں ہے۔ گو یہ حدیث موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کما لا یخفی علی من له حظ من حدیث النبوی ﷺ جماعت کا امام سے ایسا تعلق ہے جیسا کہ جسم کو سر سے۔ جب سر نہیں تو باقی دھڑ بیکار ہے یا جیسا چھکڑوں کو انجن سے لگاؤ ہے کہ بغیر انجن کے تمام گاڑی کے چھکڑے نکمے ہیں۔ پس بغیر امام کے جماعت مانند دھڑ بے سر کے ہے یا مانند چھکڑوں کے بغیر انجن کے ہے یوں سمجھئے کہ برات بے دولہا کے ہے۔ نیز کوئی سلطنت بغیر بادشاہ کے، کوئی ریاست بغیر راجہ یا نواب کے، کوئی صوبہ ونوابی بغیر حاکم کے، کوئی تحصیل بغیر تحصیلدار کے، کوئی تھانہ بغیر تھانیدار کے کوئی موضع بغیر نمبردار یا منڈل کے کوئی دکان وکارخانہ بغیر کارخانہ دار کے کوئی مدرسہ بغیر مدرس کے کوئی جلسہ بغیر صدر کے کوئی گھر بغیر سربراوردہ کے کوئی ریوڑ بے چرواہے کے، غرض کہ کوئی ایسی چیز دیکھنے یا سننے میں نہیں آتی ہے کہ جسکا کوئی سردار یا متولی نہ ہو اور وہ اس کے ماتحت نہ ہو۔ ہاں البتہ وہ ریوڑ بے چرواہے کے دکھائی دیتا ہے کہ جس کے شکار کے لئے بھیڑیا ہر وقت گھات لگائے ہوئے ہے کہ کوئی بھیڑ بکری ریوڑ میں سے دائیں بائیں ہو اور میں اسے ہضم کروں إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ الحدیث. لیکن پھر تعجب آتا ہے کہ وہ ریوڑ بے چرواہے کے بھی ہے اور تمام کاروبار اس کے بغیر ماتحتی کسی امام و سردار کے انجام ہوتے ہیں اے فرقہ تا جیدار جماعت اہلحدیث کیوں شیطان لعین کو خوش کرتے ہو۔ ضد و نفسانیت کو چھوڑ دو اور ایک کے ماتحت ہو کر جہاں تک ہو سکے دین نبوی کی خدمت کرو۔ یہ شتر بے مہار کے رہنا ایمان والے کی شان سے بعید ہے بلکہ مومن تو کالجمل الْأَنِفِ حَيْثُمَا قِيدَ انْقَادَ یعنی مانند اونٹ نکیل والے کے ہے جدھر لیجاؤ کھنچا چلا آتا ہے۔ آخر یہ دنیا فانی ہے۔ ایک روز یہ مکان، حویلیاں اور گاؤں بستیاں چھوڑ کر احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے وہ علیم خبیر عزیز حکیم ہر ایک مامور سے امیر کے حقوق اور امیر سے مامور کے حقوق پوچھنے والا ہے جسکی زیادتی ہوگی عدالت عالیہ میں وہی پکڑا جائے گا اس کو جواب دہی پر مجبور کیا جائے گا

فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ نقط فَإِنَّ نَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ وَلَكِنْ أَقُولُ مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِكَ اسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ.

وها انا الذليل ابو الخليل عبد الجليل الاسلاموى الفنجابى احد تلامذ الامام القائل بالكتاب والسنة ابى محمد عبد الوهاب المهاجرى الملتانى ثم الدهلوى رضى الله عنا وعنه

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۴ء جلد ۳ نمبر ۱۰)

سوال (۵۹) زید نے غصہ میں اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی۔ بعدہ ہوش و حواس جب اسکے ٹھکانے آئے تو اپنی اس حرکت بیجا پر نادم و پشیمان ہے اور اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے۔ اب شرع محمدی کی رو سے اس کو بغیر حلالہ کے اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ ایک خادم

جواب (۵۹) واضح ہو کہ شرع محمدی میں جو طلاق حالت غصہ و غضب میں دی جائے اس کا کوئی اعتبار نہیں وہ لغو ہے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ رواہ ابو داؤد وَالْإِغْلَاقُ أَظُنُّهُ فِي الْغَضَبِ (ابو داؤد) وکذا فسرہ احمد ایضا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حالت غصہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا اپنے غلام کو آزاد کر دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں یعنی طلاق نہیں پڑتی اور نہ غلام آزاد ہو سکتا ہے مَنْ شَاءَ أَنْ يَبْسُطَ فَلْيُطَالِعْ (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد)

الغرض وہ دونوں میاں بیوی ہیں جس طرح پہلے رہتے سہتے تھے اسی طرح آباد ہوں۔ حلالہ کرانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ حلالہ کرنا کرانا اللہ و رسول نے حرام کیا ہے۔ اور حلالہ کرنے اور کرانے والے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے جیسا کہ کتب احادیث میں مرقوم ہے جو حلالہ کرواتے ہیں وہ شریعت محمدیہ سے غافل ہیں واللہ اعلم. مفتی فتوے کی غلطی پر صاحب اطلاع دے سکتے ہیں

ابو یحییٰ عبد اللطیف عفی عنہ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۴ء جلد ۳ نمبر ۱۱)

سوال (۶۰) کیا مدرک رکوع مدرک رکعت ہے؟

جواب (۶۰) ہاں مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ قبل اس کے کہ میں اپنے مدعا کو بدلائل واضح ثابت کروں ایک امر ضروری کا اظہار لازم سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جو اصحاب ہم سے اس امر میں مختلف رائے ہیں اور اس بارہ میں ہم کو خطا پر سمجھتے ہیں ان کی خدمت میں بادب ملتمس ہوں کہ میرے اس جواب کو اول سے آخر تک بنظر انصاف و غور و فکر سے دیکھیں اور بعد میں اگر مجیب کو خطا پر پائیں تو مجیب کو اس سے آگاہ کریں اور میرے مانند بلا دلائل رکوع ملنے کی صورت میں رکعت نہ ہونے کا ثبوت دیں۔ اور اگر کوئی حدیث اس کے خلاف بالفاظ صحیحہ نہ پائیں تو براہ مہربانی اس مسئلہ کو مان لیں اور عمل کریں کرائیں وباللہ التوفیق وهو خير الرفيق وبيده ازمة التحقيق.

آپ اصحاب اس امر سے تو بخوبی واقف ہیں کہ سورۂ فاتحہ ہر ایک مقتدی و منفرد و امام پر واجب ہے اور اس کے ترک سے بالکل نماز نہیں ہوتی چنانچہ اس امر کے دلائل بھی بہت قوی اور کثرت سے ہیں لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ سے بھی سورہ فاتحہ کی فرضیت ظاہر ہے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ لیکن آگے چل کر دو فریق ہو گئے ہیں کہ جس وقت امام قیام سے فراغت پاکر رکوع میں چلا گیا ہو اس وقت بھی رکعت شمار کی جاوے گی یا نہیں؟

فریق اول نے قیام و فاتحہ کو ایسا مضبوط پکڑا ہے کہ وہ ہر حالت میں ان کی فرضیت کے قائل ہوتے ہوئے مدرکِ رکوع کی رکعت کو شمار نہیں کرتے بلکہ جو احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ان کو ضعیف اور منکر وغیرہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں لیکن میں اس امر کا قائل نہیں اور میرا ایمان تو یہ تقاضا نہیں کرتا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو متضاد قرار دیگر دوسرے کو سرے سے اُڑا ہی دوں، چنانچہ جو احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّہٗ انْتَھٰی اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ رَاکِعٌ فَرَکَعَ قَبْلَ اَنْ یَّصِلَ اِلَی الصَّفِّ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ ایک دن دوڑ کر رکوع کرتے ہوئے صف میں جا ملے بعد سلام آپ نے فرمایا کہ اللہ تیری حرص کو زیادہ کرے اور مت لوٹا تو (یعنی نماز کو)

اول یہ امر قابل غور ہے کہ اگر صحابہ کرام مدرک رکوع کو مدرک رکعت نہ جانتے تو پھر دوڑنے کی کیا ضرورت تھی جس سے صریحًا معلوم ہو رہا ہے کہ وہ رکعت کے صحیح ہونے کے قائل تھے چنانچہ اس بات پر یہ امر اور بھی کافی دلیل ہے کہ ابوبکرہ بعد سلام اس رکعت کے اعادہ کو نہیں کھڑے ہوئے پھر حالت جلسہ یا قومہ یا سجدہ میں کبھی کسی صحابی کا اس طرح کوشش سے داخل ہونا ثابت نہیں کہ جس طرح حالت رکوع میں دوڑ کر داخل ہونا ثابت ہے بعد ازاں آپ کا فرمان وَلَا تُعِدْ بضم التاء اس امر کو خوب اچھی طرح واضح کر رہا ہے کہ آپ نے ابوبکرہ کو رکعت کے اعادہ کا امر نہیں فرمایا چنانچہ علامہ حافظ محمد اسمٰعیل شارح بلوغ المرام فرماتے ہیں وَلَا تُعِدْ بِضَمِّ الْمُثَنَّاۃِ الْفَوْقِیَّۃِ مِنَ الْاِعَادَۃِ اَیْ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا عَلٰی طَلَبِ الْخَیْرِ وَلَا تُعِدْ صَلٰوتَکَ فَاِنَّہَا صَحِیْحَۃٌ یعنی لَا تُعِدْ اعادہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو نہ لوٹا کیونکہ وہ صحیح ہے۔ آگے آپ فرماتے ہیں کہ قریب بات یہ ہے کہ لَا تَعُدْ بفتح التاء عود سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پھر دوڑ کر مت آؤ۔ پھر فرماتے ہیں فَاِنَّہٗ لَیْسَ فِی الْکَلَامِ مَا یُشْعِرُ بِفَسَادِ صَلٰوتِہٖ یعنی اس حدیث سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ اس کی رکعت نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کے فرمان زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ سے

یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس کی رکعت ہو گئی تھی سبل السلام صفحہ ۱۵۱۔ علامہ موصوف کی اس تقریر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے چنانچہ آپ کا مذہب بھی یہی ہے بلکہ اس مسئلہ کے متعلق آپ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اس بات کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

(دوسری حدیث) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْھَا شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَکَ الرَّکْعَۃَ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَۃِ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ فِیْ صَحِیْحِہٖ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت سجدہ کی حالت میں آکر ملو تو اس وقت اس رکعت کو نہ شمار کرو اور جو کوئی رکوع میں آکر ملے اس نے نماز پالی۔

لفظ رکعت اکثر رکوع پر بولا جاتا ہے کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمَاھِرِیْنَ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ اگرچہ اس حدیث کو بوجہ راویوں کے منکر ہونے کے ضعیف کہا گیا ہے جس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن امام ابوداؤد کا ان ہی راویوں سے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لانا اور پھر اس پر آپ کا سکوت بِقَوْلِ السُّکُوْتُ مِنَ الرِّضَاءِ اس امر کی کافی دلیل ہے کہ یہ حدیث قابل حجت ہے اور متروک العمل نہیں۔ بعد ازاں اس حدیث پر خیروں کا جرح کرنا بقول مدعی سست گواہ چست بالکل فضول اور بیکار ہے۔

علامہ شارح ابوداؤد فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف میں سے جمہور کی ایک بہت بڑی جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ علیؓ و ابن مسعودؓ و زیدؓ و ابن عمرؓ و معاذؓ و ابو امامہؓ و سہل بن حنیف و ابوبکر صدیقؓ یہ سب صحابہ رکوع کی رکعت کو صحیح مانتے تھے مالک و شافعی و ابوحنیفہ و ثوری و اوزاعی و ابوثور و احمد و اسحٰق یہ اس بات کے قائل ہیں باوجودیکہ مالک اور شافعی کے نزدیک مقتدی و منفرد و امام سب پر سورۂ فاتحہ یکساں فرض ہے۔

(تیسری حدیث) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تلخیص میں فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح ابن خزیمہ کا مطالعہ کیا اس میں اس حدیث کو بھی پایا جس کو امام ابن خزیمہ نے اس باب کے تحت میں درج کیا ہے بَابُ ذِکْرِ الْوَقْتِ الَّذِیْ یَکُوْنُ فِیْہِ الْمَأْمُوْمُ مُدْرِکًا لِلرَّکْعَۃِ اِذَا رَکَعَ اِمَامُہٗ قَبْلُ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مَّعَ الْاِمَامِ قَبْلَ اَنْ یُّقِیْمَ صُلْبَہٗ فَقَدْ اَدْرَکَھَا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی امام کے سر اٹھانے سے پہلے پہلے رکوع میں آملے اس کی رکعت ہو گئی۔

امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کے بہت سے طرق ذکر کرکے صحیح کہا ہے۔

حضرت امام شوکانی رحمہ اللہ اپنے فتاوے میں تحقیق فرماتے ہیں کہ جان تو کہ جس وقت کوئی آدمی آوے اور وہ امام کو جس حالت میں پاوے اسی حالت میں امام کے ساتھ مل جاوے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے اِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ پس اگر کوئی آدمی امام کو رکوع کی حالت میں پاوے اور وہ سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کردے تو وہ اس حدیث کا خلاف کر رہا ہے کیونکہ اس میں تو امام کی متابعت لازمی قرار دی گئی ہے۔ پس اگر کوئی آدمی رکوع میں آکر ملے تو اس کی رکعت ہو جاوے گی کیونکہ یہ بات حدیث سے ثابت ہو چکی ہے کہ جو رکوع میں امام کے سر اٹھانے سے پہلے آملے گا اس کی رکعت ہو جاوے گی۔ پھر فرماتے ہیں نَعَمْ نَتَ يَنْبَغِى اَنَّ مِثْلَ هٰذِهِ الْحَالَةِ مُخَصِّصَةٌ مِنْ عُمُوْمِ اِيْجَابِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ یعنی وجوب قرأۃ فاتحہ کے عموم سے یہ بات مخصوص ہے کہ اگر رکوع میں ملے گا تو سورۂ فاتحہ کی فرضیت اٹھ جاوے گی۔ پھر فرماتے ہیں فَاِنَّ الْمُرَادَ اِدْرَاكُ الْكَامِلِ اس سے مراد ادراک کامل ہے یعنی اس نے پوری رکعت پائی ہے۔ اس میں کچھ کمی نہیں ہے۔

آگے پھر وضاحت کرتے ہیں فَاِنَّ ظَاهِرَهٗ بَلْ صَرِيْحَهٗ اَنَّ الْمُؤْتَمَّ اِذَا وَصَلَ وَالْإِمَامُ رَاكِعٌ وَكَبَّرَ وَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يُقِيْمَ صُلْبَهٗ فَقَدْ صَارَ مُدْرِكًا لِتِلْكَ الرَّكْعَةِ وَاِنْ لَمْ يَقْرَأْ حَرْفًا مِنْ حُرُوْفِ الْفَاتِحَةِ یعنی حدیث مذکورہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے اگرچہ اس نے سورہ فاتحہ کا ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو (فتح الباری وعون المعبود)

(چوتھی حدیث) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَنْ اَدْرَكَ الرُّكُوْعَ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاٰخِيْرَةِ فِيْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ اِلَيْهِ اُخْرٰى رَوَاهُ الدَّارُقُطْنِیُّ۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی نے جمعہ کے دن دوسری رکعت کا رکوع پالیا وہ ایک رکعت اور پڑھ لے۔

اگرچہ اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے جو ہمیں بھی مسلم ہے مگر ہم اس کو احتجاجاً پیش نہیں کرتے بلکہ استشہاداً پیش کر رہے ہیں ہمارے مخالفین کے پاس تو سوائے اجتہاد کے بالفاظ صریحہ کچھ بھی پونجی نہیں۔ مولانا حمید اللہ صاحب مصنف احادیث التقلید نے اس حدیث کو قابل حجت مانا ہے دیکھو خطبات التوحید۔

(پانچویں حدیث) اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَالطَّحَاوِیُّ مِنْ طَرِيْقِ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ زَيْدِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ اَنَا وَابْنُ مَسْعُوْدٍ فَاَدْرَكْنَا الْإِمَامَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعْنَا ثُمَّ مَشَيْنَا حَتّٰى اسْتَوَيْنَا بِالصَّفِّ فَلَمَّا قَضَى الْإِمَامُ الصَّلٰوةَ قُمْتُ لِاَقْضِيَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَدْ اَدْرَكْتَ الصَّلٰوةَ زید بن وہب کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور عبداللہ بن مسعود مسجد میں نماز کو گئے۔ امام رکوع کی حالت میں تھا۔ ہم بھی رکوع میں شامل ہو گئے بعد

سلام میں اس رکعت کو پڑھنے کے واسطے کھڑا ہوا تو عبداللہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا[1] اور فرمایا کہ تیری رکعت ہو گئی۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام مدرکِ رکوع کو مدرکِ رکعت جانتے تھے۔

(چھٹی حدیث) امام بیہقی نے اپنی کتاب معرفت میں یہ باب منعقد کیا ہے بَابُ اِذَا اَدْرَكَ الْإِمَامَ رَاكِعًا باب ہے اس وقت جب پاوے امام کو رکوع کی حالت میں۔ آگے فرماتے ہیں قَالَ الشَّافِعِیُّ بِاِسْنَادِهٖ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ رَاكِعٌ فَرَكَعَ ثُمَّ دَبَّ رَاكِعًا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور امام رکوع میں تھا پس آپ نے بھی رکوع کیا اور اس رکعت کو شمار کیا كَمَا مَرَّ فِیْ حَدِيْثٍ اٰخَرَ قَالَ الشَّافِعِیُّ وَهٰكَذَا نَقُوْلُ وَقَدْ فَعَلَ هٰذَا زَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا بھی یہی مذہب ہے۔ اور یہی زید بن ثابت نے کیا۔ پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت و ابی امامہ سہل بن حنیف و ابوبکر صدیق و عبداللہ بن زبیر ان تمام صحابہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ مدرکِ رکوع مدرک رکعت ہے۔

(ساتویں حدیث) اَخْرَجَ مَالِكٌ فِی الْمُوَطَّا اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَزَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ كَانَا يَقُوْلَانِ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما مدرکِ رکوع کو مدرکِ رکعت جانتے تھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے۔

الحاصل ان احادیثِ نبویہ و اقوالِ صحابہ و اسلاف امت سے یہ بات بخوبی ثابت ہو چکی کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے لیکن جو لوگ کہ اس کے قائل نہیں ہیں ان کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ سورہ فاتحہ اور قیام فرض ہے اور رکوع کی حالت میں یہ دونوں فرض ترک ہو گئے لہٰذا رکعت نہ ہوئی۔

اس کا جواب وہی ہے جو کہ علامہ شوکانی دے چکے ہیں کہ یہ وجوب قرأت فاتحہ کے عموم سے مخصوص ہے یعنی قرأۃ فاتحہ اور قیام اس وقت تک فرض ہے جب تک امام رکوع میں نہ گیا ہو۔ اور جس وقت امام رکوع میں چلا گیا اس وقت یہ دونوں چیزیں فرض نہیں جیسے کہ ظہر کی چار رکعت اس وقت تک فرض ہیں جب تک آدمی حضر میں ہو اور اگر سفر میں ہو تو دو رکعتوں کی فرضیت اٹھ گئی۔

---

[1] رحمۃ المہداۃ میں ہے اَخَذَ بِيَدِیْ عَبْدُ اللّٰهِ فَاَجْلَسَنِیْ الخ یعنی عبداللہ رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھا دیا ۱۲۔ ایڈیٹر

اب میں اپنے مضمون کو بخوف طوالت علامہ شوکانی ہی کے قول پر ختم کرتا ہوں۔ آپ آخر میں فرماتے ہیں وَفِیْ هٰذَا الْمِقْدَارِ الَّذِیْ ذَکَرْنَا کِفَایَةٌ فَاشْدُدْ یَدَیْكَ عَلَیْهِ وَدَعْ عَنْكَ مَا قَدْ وَقَعَ فِیْ هٰذَا الْمَبْحَثِ مِنَ الْخَبْطِ وَالْخَلْطِ وَالتَّرَدُّدِ وَالتَّشَكُّكِ وَالْوَسْوَسَةِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ یعنی اس مسئلہ میں جو کچھ ہم اوپر ذکر کر گئے ہیں بس یہی تجھ کو کافی وافی ہے اسکو مضبوط پکڑ لے اور جو بھی اس مبحث میں خبط اور خلط اور شک وشبہ واقع ہوا ان سب کو چھوڑ دے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نوٹ یہ مضمون نہ کسی کی تردید میں ہے اور نہ کسی کی دل آزاری مقصود ہے فقط احقاق حق منظور ہے لہٰذا اگر کوئی صاحب اس کی تردید کرنا چاہیں تو پہلے وہ چند امور کا ضرور لحاظ رکھیں اول یہ کہ ہم کو نمبروار ایک دو حدیث ہی ایسی بتائیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف یہ الفاظ موجود ہوں کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ فرضیتِ فاتحہ وقیام سے اس مسئلہ کی تردید نہ کریں کیونکہ علامہ شوکانی پہلے ہی اس کا جواب دے چکے ہیں ہاں اگر جواب میں کچھ غلطی ہو تو اس سے ہم کو متنبہ کر سکتے ہیں فقط

راقم عاجز داؤد میواتی مدرسہ اشاعۃ الکتاب والسنہ۔ موضع سوکھپوری
ڈاکخانہ تگینہ ضلع گوڑگانوہ (میوات)

سوال (۶۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اللہ پاک ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے کہ ایک شخص نے اپنی دختر بالغہ کا نکاح کر دیا ہے لیکن اس کے خاوند کے گھر رخصت نہیں کرتا اور حیلہ بہانہ کی باتیں کرتا ہے اس حالت میں اس کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ اب اگر وہ رخصت نہ کرے اور اس کا خاوند طلاق دے تو کتنا مہر دینا ہوگا۔ دوسو پچاس روپیہ کا عند الطلب مہر مقرر ہوا ہے۔ فقط بینوا وتوجروا
سائل حافظ اللہ بخش از آگرہ منڈی لوہا محلہ

جواب (۶۱) صورتِ مسطورہ بالا میں واضح ہو کہ والیان لڑکی کو چاہیئے اپنی دختر کو خاوند کے گھر رخصت کر دیں۔ ہاں اگر خاوند بے نماز ہو یا دیگر افعال شرکیہ کرتا ہو تب ان کا نکاح ہی نہیں ہوا اور اگر کوئی اور نقص شرعی اس کے اندر ہو تو بھی اسکا تدارک کیا جائے اور ان ہر دو نقص کے ہوتے ہوئے لڑکی رخصت نہ کرنا بجا ہے۔ اور اگر اس میں کوئی نقص شرعی نہیں ہے تو پھر رخصت نہ کرنے کی کیا وجہ۔ اور اگر ورثاء طلاق ہی دلوانا چاہتے ہیں خواہ کوئی نقص ہو یا نہ ہو تو یہ صورت خلع کی ہے اور بصورت خلع خاوند پر مہر وغیرہ کچھ نہیں۔ ہاں اگر خاوند بخوشی طلاق دے تو والیان لڑکی کے اصرار کرنے پر بوالبتہ بدلیل آیت فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ کے نصف مہر یعنی ایک سو پچیس روپے خاوند کے ذمہ ہیں فقط ہذا ما عندی واللہ اعلم

سوال (۶۲) کیا قنوت میں اِهْدِنِیْ پڑھنا مکروہ ہے؟

جواب (۶۲) قنوت میں اِهْدِنِیْ پڑھنا مکروہ نہیں بلکہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۱۳ میں مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی کا قنوت میں امام کے لئے اِهْدِنِیْ بلفظ مفرد پڑھنا مکروہ بلکہ ممنوع بتانا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی توہین اور جرأتِ عظیمہ ہے سنت نبوی کو بنظر کراہیت دیکھنا ہے۔ جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بحالت امام جماعت قنوت میں اِهْدِنِیْ بلفظ مفرد پڑھا جیسا کہ مولانا عبد الوہاب صاحب محدث دہلوی کا فتویٰ ہدایۃ النبی میں، مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی کا تعلیم الدین میں لکھا ہوا ہے۔ اب نبوی فتویٰ ملاحظہ کیجئے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فِیْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ رَفَعَ يَدَيْهِ فَيَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِیْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ الخ (مستدرک حاکم کذا فی التلخیص جلد ۱ صفحہ ۹۵) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں بحالتِ امام اِهْدِنِیْ اور عَافِنِیْ اور تَوَلَّنِیْ اور بَارِكْ لِیْ اور وَقِنِیْ بلفظ مفرد بغیر لفظ جمع کے پڑھتے تھے۔

اس شرح، صاف، صریح حدیث کے ہوتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ کا قول پیش کرنا دوسری جرأتِ عظیمہ ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل (قال اِهْدِنِیْ) پر مکروہ وممنوع کا دھبہ آتا ہے حالانکہ شانِ رسالت خاص کر احکام الٰہی ان عیوب سے پاک وصاف ہے۔ جو کچھ آپ نے کیا بس اہلحدیث کے لئے وہی سنن الہدیٰ وسواء الطریق الی المطلوب واسوۂ حسنہ ہے بارشادِ خدا تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

نتیجہ آپ کے عمل کے خلاف اِهْدِنَا بلفظ جمع پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ پس ان اقوال الرجال سے نبوی تعامل زیادہ قابل قدر ولائق عمل ہے ورنہ اتباع سنت کا دعویٰ غلط فقط
العاجز احمد بن محمد (مرحوم) مفتی اہلحدیث دہلی

سوال (۶۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ مفصلہ ذیل میں کہ زید ساڑھے مہینے میں چار روپے من دھان نقد بیچتا ہے اور تین ماہ کے وعدہ پر ادھار پانچ روپے من آیا۔ یہ ایک روپیہ زائد لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب (۶۳) ہو الملہم للصواب۔ صورت مسطورہ بالا میں واضح ولائح باد کہ زید کا بعد سہ ماہ یا روز کم وبیش کے یہ ایک روپیہ زائد لینا شرعاً جائز ودرست ہے۔ یہ سود ویاج میں داخل نہیں۔ ہاں البتہ ممنوع وناجائز جب ہو سکتا ہے کہ جس وقت

خرید و فروخت جوری ہو اور بائع و مشتری کی کوئی بات مقرر نہ ہوئی ہو کہ آیا یہ شے ادھار فروخت ہوئی ہے یا نقد اور اگر ایک بات مقرر ہوگئی یعنی بائع نے کہا کہ میں یہ چیز ادھار پانچ روپے کی فروخت کرتا ہوں اور مشتری نے کہا کہ میں نے یہ چیز پانچ روپے کی ادھار سہ ماہ یا چار ماہ کی میعاد پر خریدی تو بلا شک و شبہ جائز ہے اور یہی معنے حدیث مندرجہ ذیل کے ہیں کہ جب بیع مجمل طور پر ہو تو ممنوع ہے اور جب مفصل و مشرح ہو تو غیر ممنوع یعنی درست ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ اَنْ يَّقُوْلَ الرَّجُلُ اَبِيْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ وَبِنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ وَلَا يُفَارِقُهُ عَلٰى اَحَدِ الْبَيْعَيْنِ فَاِذَا فَارَقَهُ عَلٰى اَحَدِهِمَا فَلَا بَاْسَ اِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلٰى وَاحِدٍ مِّنْهُمَا هٰكَذَا فِیْ سُنَنِ التِّرْمِذِيِّ

سوال (۶۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے شوہر کے ظلم و ستم کے سبب سے والدین کے گھر ۹-۱۰ دس ماہ سے رہتی ہے۔ اور نو دس ماہ کے درمیان ان دونوں میں لقاء و وصال بھی نہیں ہوا۔ مذکورہ حالت میں نو دس ماہ کے بعد ہندہ نے اپنے شوہر کو مال دیکر خلع کرالیا۔ اس صورت مذکورہ میں ہندہ پر از روئے شرع عدت ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

سائل عبد الکریم ضلع مالدہ

جواب (۶۴) ہو الموفق للصواب۔ صورت مسئولہ بالا میں واضح ہو کہ اگر فی الحقیقت ہندہ اور اس کے شوہر کے مابین عرصہ نو دس ماہ سے تفرق و جدائی ہے اور لقاء و وصال نہیں ہوا۔ لیکن اب ہندہ نے اس عرصہ نو دس ماہ کے بعد اپنے شوہر کو مال دیکر خلع کرلیا ہے تو شریعت محمدیہ میں ہندہ کے واسطے کچھ عدت نہیں۔ ہاں اگر ہندہ اور اس کا شوہر یکجا رہتے تھے اور مابین ان کے کسی قسم کی تفرق و جدائی نہ تھی تو البتہ ہندہ کو ایک حیض تک عدت میں بیٹھنا لازم ہے والا فلا چنانچہ حدیث ابن ماجہ کی جو کہ مندرجہ ذیل ہے بتصریح دلالت کرتی ہے عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ قَالَ قُلْتُ لَهَا حَدِّثِيْنِيْ حَدِيْثَكِ قَالَتِ اخْتَلَعْتُ مِنْ زَوْجِيْ ثُمَّ جِئْتُ عُثْمَانَ فَسَاَلْتُ مَاذَا عَلَيَّ مِنَ الْعِدَّةِ فَقَالَ لَا عِدَّةَ عَلَيْكِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ حَدِيْثَ عَهْدٍ بِكِ فَتَمْكُثِيْنَ عِنْدَهُ حَتّٰى تَحِيْضِيْنَ حَيْضَةً الحدیث رواہ ابن ماجہ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ صفر ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۴ء جلد ۳ نمبر ۲)

سوال (۶۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مسماۃ کا نکاح زید سے ہوا۔ زید نکاح کے وقت ارکان اسلام کا پابند تھا۔ بعد کچھ عرصہ کے صوم و صلوٰۃ کو ترک کردیا اور شراب خوری و زنا کاری و چوری وغیرہ میں مصروف ہوگیا ہے اور مسماۃ سے کوئی تعلق شرعی و دنیاوی نہیں رکھتا اور مسماۃ روزہ نماز کی پابند ہے قرآن شریف کی تلاوت کرتی ہے۔ اس حالت میں وہ مسماۃ ایسے شخص کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں۔ و نیز کھانے کپڑے کا بھی کچھ خیال نہیں کرتا۔ عرصہ دو سال کا اسی طرح گذر گیا۔ بینوا و توجروا

سائل عبد الحمید پارچہ فروش از مقام و پوسٹ مدلوپور ضلع دمکا

جواب (۶۵) صورت مسئولہ میں شرع محمدی مسماۃ مذکورہ بالا کو نکاح زید سے باعث وجوہ متعددہ کے فسخ کرا دینے کا حکم دیتی ہے۔ وجہ اول تو یہ ہے کہ زید چونکہ صوم و صلوٰۃ کا تارک ہے اور تارک الصلوٰۃ وغیرہ عند اللہ و عند الرسول بدلائل واضحہ کافر و مشرک ہے لہٰذا مسماۃ مذکورہ بالا کا نکاح زید سے فسخ کرا کر کسی دیگر شخص موحد متبع سنت اہلحدیث سے کردیا جاوے وجہ ثانی یہ کہ زید نان و نفقہ وغیرہ کی بھی خبر گیری نہیں کرتا لہٰذا بایں صورت بھی نکاح فسخ ہو سکتا ہے علی ہذا القیاس لیکن سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند نہیں۔ اور جو صوم و صلوٰۃ کا پابند نہ ہو وہ بالبداہت مشرک ہے اور مشرکین سے نکاح شادی کرنا شرعاً ممنوع ہے لقولہ تعالیٰ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ الآیۃ رہا یہ کہ زید بوقت نکاح کے تو ارکان اسلام کا پابند تھا لیکن بعد نکاح کے اس نے پابندی چھوڑ دی۔ سو واضح رہے کہ حالت مذکورہ میں زید کا نکاح کسی طرح قائم و دائم نہیں رہ سکتا چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح زمانہ جاہلیت میں عمرو بن عاص کے ہمراہ کیا ہوا تھا۔ بعدہ جب آپ تاج نبوت پہن کر ظہور پذیر ہوئے تو آپ نے عمرو بن عاص کے مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے اپنی دختر زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر روک لیا اور خاوند کے ہاں روانہ نہیں کیا پھر جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تب آپ نے اپنی دختر کا رجوع کر دیا۔ اسی طرح اگر اب بھی زید اپنے افعال قبیحہ سے تائب ہو کر صوم و صلوٰۃ کا بموافق شریعت محمدی کے پابند ہو جاوے تو بلا ریب مسماۃ مذکورہ اس کی زوجہ اور زید اس کا خاوند ہے ورنہ آیت قرآنی باواز بلند منادی ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ یعنی نہ مسماۃ زید کے لئے حلال ہے اور نہ زید مسماۃ کے لئے حلال ہے۔

(مفتی)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۴ء جلد ۳ نمبر ۳)

ایک اشد ضروری اور اہم سوال

سوال (۶۶) از تمامی اہلحدیث علمائے کرام عموماً و مولانا مولوی عبد الوہاب صاحب

مرظلہ صدر بازار دہلی خصوصاً یہ کیا وجہ ہے جو اہلحدیث علماء کرام حدیث شریف مندرجہ ذیل پر عمل پیرا نظر نہیں آتے عَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوۃِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَاَطِیْلُوا الصَّلٰوۃَ وَاَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ سِحْرًا (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یوں فرماویں کہ اَطِیْلُوا الصَّلٰوۃَ وَاَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ اور یہ حضرات بزبان حال گویا یوں فرما رہے ہیں اَطِیْلُوا الْخُطْبَةَ وَاَقْصِرُوا الصَّلٰوۃَ کیا یہ کھلی ہوئی مخالفت از رسول مقبول فداہ ابی وامی نہیں ہے

(محمد بن ولی محمد از رنگون)

جواب (۶۶) صورت مرقومہ بالا میں واضح ہو کہ نماز سے خطبہ لمبا ہونے میں کچھ قباحت شرعی نہیں ہے اور حدیث مذکور میں خطبہ کی کوتاہی کا مقابلہ درازی نماز کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ سائل کا خیال ہے بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز جمعہ کو لمبا کرو بہ نسبت اور نمازوں کے اور خطبہ جمعہ کو مختصر کرو بہ نسبت اور خطبوں کے۔ اور اگر حدیث کا وہ مطلب لیا جائے جو سائل نے سمجھا ہے تو اس پر عمل کرنا ہی مشکل ہے۔ نہ خود سائل عمل کر سکتے ہیں نہ اور کوئی کیونکہ نماز میں زیادہ سے زیادہ بیس منٹ صرف ہونگے اور خطبہ میں کم سے کم پون منٹ تو ضروری صرف ہوگا اس سے کم میں بطریق مسنون خطبہ ہونا غیر ممکن ہے اس لئے کہ جب خطیب وہ خطبہ (کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وعظ کے شروع میں پڑھا کرتے تھے) پڑھے گا اور آیات قرآنی واحادیث نبوی پڑھ کر جیسے کہ طریقہ نبوی تھا یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَیُذَکِّرُ النَّاسَ) ان کا حاصل مطلب سامعین کی زبان میں ترجمہ کر کے سمجھائیگا تو کیا اتنے کام کے لئے بیس منٹ کافی ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ دوسرے یہ کہ احادیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ میں سورہ ق تلاوت فرمایا کرتے تھے (مسلم) اور یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں سورۂ توبہ کو تلاوت فرمایا (سعید بن منصور وحاکم وصححہ وبیہقی) اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ آپکی قراءت اس قدر ترتیل کے ساتھ ہوا کرتی تھی کہ اگر کوئی اس کے حروف کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔ نیز صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں سورۃ النحل کو پڑھا اور سجدۂ تلاوت بھی کیا اور پھر دوسرے جمعہ میں اسی سورت کو پڑھا اور سجدۂ تلاوت نہ کیا۔ اور اس موقع پر صحابہ کا بہت بڑا مجمع تھا کسی نے انکار نہ کیا۔ اب اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سورہ ق وسورۃ التوبہ وسورۃ النحل کتنی کتنی لمبی سورتیں ہیں اور ان کی تلاوت بالترتیل کے لئے کس قدر وقت کی ضرورت ہے۔

خلاصہ مرام یہ کہ حسب حال وحسب ضرورت خطیب خطبۂ جمعہ میں تطویل وتقصیر کر سکتا ہے۔ ان افراط تفریط سے اجتناب لازم ہے

(مفتی)

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق نومبر ۱۹۲۳ء جلد ۳ نمبر ۴

سوال (۶۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں اگر کوئی شخص بغیر ٹوپی اوڑھے یعنی ننگے سر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ (بشیر الدین پٹنہ)

جواب (۶۷) ننگے سر نماز پڑھنا درست ہے صحیح بخاری ومسلم وغیرہما میں ننگے سر نماز پڑھنا درست آیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے ونیز جابر رضی اللہ عنہ نے ننگے سر نماز پڑھی۔ اس پر معترض نے اعتراض کیا تو جواباً فرمایا یہ کام میں نے اس لئے کیا ہے تاکہ جو لوگ قرآن وحدیث سے ناواقف ہیں وہ معلوم کر لیں کہ یہ بھی درست ہے (صحیح بخاری) گاہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی کا سترہ بنا کر نماز پڑھتے (کنز العمال) غرض کہ ننگے سر نماز پڑھنا شرعاً جائز و درست ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ سر کا ڈھانکنا شرعاً ستر میں داخل نہیں۔

سوال (۶۸) اگر ننگے سر نماز ہو جاتی ہے تو مابین ٹوپی اوڑھنے والے اور نہ اوڑھنے والے کے کچھ فرق ہے یا نہیں یعنی ثواب دونوں کو برابر ملے گا یا کم وبیش؟

جواب (۶۸) جس وقت لوگ ننگے سر نماز پڑھنے کو معیوب سمجھیں اور پڑھنے والوں کو روکیں تو واقعی یہی افضل ہے کہ برہنہ سر پڑھے تاکہ لوگوں کو مسئلہ سے واقفیت ہو جائے اور شرعی مسئلہ اپنی جگہ ثابت رہے جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کا فعل اس پر دال ہے ونیز مولانا عبد الحی لکھنوی حنفی صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر بغرض عجز اور انکساری وغربت کے برہنہ سر نماز پڑھے تو یہی افضل ہے۔

سوال (۶۹) اگر کسی کپڑے میں گوبر یا پیشاب ماکول اللحم کا لگا ہوا ہو تو اس کپڑے میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور ماکول اللحم کا گوبر یا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ (محمد اسمٰعیل پٹنہ)

جواب (۶۹) ماکول اللحم کا بول وبراز پاک ہے اور جس کپڑے میں لگا ہوا اس میں نماز پڑھنی درست ہے طبعی شے دیگر ہے۔ اگر دھو لیا جائے تو بہتر ہے ورنہ شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرابض الغنم یعنی بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے ونیز بطور ادویات کے استعمال کرنا درست ہے چنانچہ آپ نے چند اصحاب کو اونٹنیوں کا دودھ وپیشاب پینے کا حکم فرمایا (کتب صحاح ستہ)

سوال (۷۰) زید کہتا ہے کہ مسجد میں محراب مروجہ بنانا ناجائز ہے اور عمرو کہتا ہے کہ جائز ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ دونوں میں سے کون قول صحیح اور قابل قبول ہے؟

(عبد المعبود قصبہ جیہلو)

جواب (۷۰) بیشک مساجد میں محراب مروجہ کا بنانا ناجائز اور بدعت ہے چنانچہ تفسیر فتح البیان میں محراب کے کئی معنے کئے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ معنی بھی کیا ہے وَمُنْ نزارہ زہر

بین المسجد یعنی محراب کہتے ہیں مسجد کی اس جگہ کو کہ جہاں امام کھڑا ہوتا ہے بعد اس معنے
بتانے کے صاف مرقوم ہے وَاَمَّا الْمِحْرَابُ الْمَعْرُوْفُ الْاٰنَ وَهُوَ طَاقٌ مُجَوَّفٌ فِیْ
حَائِطِ الْمَسْجِدِ یُصَلِّیْ فِیْهِ الْاِمَامُ فَهُوَ مُحْدَثٌ الخ یعنی جو محراب فی زماننا مروج ہے
یہ بدعت اور ممنوع ہے اسکا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۴ء جلد ۴ نمبر ۸)

سوال (۱۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہیئت مروجہ کے ساتھ مجلس میلاد کا انعقاد از کتاب وسنت جائز ہے یا نہیں اور اس قسم کے فعل کی کوئی دلیل قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر یا ازمنہ ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم میں مل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر قرون ثلاثہ میں میلاد مروجہ کا وجود نہ مل سکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کتنے دنوں بعد یہ فعل دنیائے اسلام میں رائج ومروج ہوا ہے؟

المستفتی مولوی محمد عبد المعبود صاحب از دیناج پور

جواب (۱۷) ہیئت مروجہ کے ساتھ مجلس میلاد کا انعقاد از روئے کتاب وسنت قطعاً حرام اور بدعت بلکہ داخل فی الشرک ہے کیونکہ اس کا ثبوت نہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ کسی صحابی سے نہ کسی تابعی سے غرض قرون ثلاثہ میں اس کا وجود بالکل مفقود ہے نہ ازمنہ ائمہ اربعہ میں اس کا پتہ لگتا ہے بلکہ ساتویں صدی میں یہ بدعت بجانب خود ایجاد کی گئی ہے۔ اس کے ایجاد کنندہ وغیرہ کا مفصل حال دیکھنا منظور ہو تو صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ کا پرچہ ملاحظہ فرمائیے۔

سوال (۷۲) چند لوگ زمانہ دراز سے ایک ایسی مسجد اور ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے کہ جہاں میلاد وقیام وغزلیات وغیرہ افعال محدثات مروج تھے اور امام بھی ہر قسم کی بدعات کا مرتکب تھا الیٰ الآن چونکہ اب بفضلہ تعالیٰ لوگ ان جمیع بدعات سے اجتناب کرتے ہیں اور اس مسجد میں امام مذکور کے پیچھے ادائے نماز میں استکراہ قبیح کا احساس کرتے ہیں تو کیا ایسی حالت میں ان لوگوں کے لئے جائز ہوگا کہ وہ لوگ اس مسجد اور اس امام کو ترک کر کے جماعت اہلحدیث کے لئے اپنی مستقل ایک مسجد تعمیر کریں۔

(سائل مذکور بالا)

جواب (۷۲) ہاں جائز بلکہ واجب ہے کہ نو احدث مسجد میں سے ان بدعات مروجہ مذکورہ فی السوال کا استیصال کریں یا [illegible] مستقل مسجد جدید تعمیر کریں کیونکہ مساجد اللہ [illegible] کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ ان میں بجز تسبیح تہلیل وذکر اللہ کے جو [illegible] [illegible] کیا جائے جیسا کہ قارئین وعاملین کتاب وسنت پر اظہر من الشمس ہے۔

سوال (۷۳) تشہد میں انگلی کب اٹھانی چاہئے اور کب تک اٹھائے رکھے اور کس موقعہ

اس کو متحرک کرے۔

(سائل نسیم الزمان از رنگپور)

جواب (۷۳) جس وقت تشہد میں بیٹھے تو بیٹھتے ہی معاً انگلی کو جس کا نام عربی میں سبابہ ہے اٹھا لینا چاہئے اور تاوقتیکہ سلام نہ پھیرے اٹھائے رکھے اور جس وقت تشہد پڑھتا ہوا لا الٰہ الا اللہ پر پہنچے تب انگلی کو متحرک کرے واللہ اعلم کما لا یخفیٰ علیٰ ماھر الکتاب والسنۃ۔

(مفتی مدرسہ دار الکتاب والسنہ دہلی)

نوٹ:۔ فتوے کی غلطی پر ہر صاحب آگاہ کر سکتے ہیں۔

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ مطابق نومبر ۱۹۲۴ء جلد ۴ نمبر ۵)

سوال (۷۴) قرآن مجید وکتب احادیث کا ادب شرع محمدی نے سوائے عمل کے کہاں تک بتایا ہے اور فی زماننا جو قرآن شریف وکتب حدیث کا ادب کیا جاتا ہے مثلاً پشت ان کی جانب نہیں کی جاتی اور ان سے اوپر نہیں بیٹھا جاتا۔ یہ کہاں تک صحیح وقابل عمل ہے؟

(سائل محمد از جودھپور)

جواب (۷۴) قرآن مجید وکتب حدیث کا سب سے مقدم اور بڑھ کر ادب یہی ہے کہ جو کچھ ان میں اوامر ونواہی ہیں ان کی تعمیل کی جائے اور ان کو بے چون وچرا تسلیم کر لیا جائے اور سب سے بڑی اور مضر تر بے ادبی یہی ہے کہ ان کے احکام کی قبولیت میں کسی غیر شے کو حارج سمجھا جائے۔ وہ ادب کہ جو مطلوب من اللہ اور دونوں گروہ ثقلین یعنی انس اور جن جس کے منجانب اللہ مکلف ہیں وہ تو یہی ہے۔ رہا ظاہری ادب سو یہ تکلیف مالا یطاق بدلیل لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (الآیۃ) ہے جو شخص کرے بہت اچھا نور علیٰ نور ورنہ کوئی مواخذہ نہیں۔ ہاں جو شخص بنظر حقارت ظاہری ادب نہ بجا لائے تو بیشک وہ سخت مجرم اور عذاب الیم کا مستوجب ومستحق ہے۔

سوال (۷۵) بیٹھ کر پیچھے دونوں ہاتھوں کے سہارے پر یا ایک ہاتھ کے سہارے پر بیٹھنا کیسا ہے؟

(سائل مذکور)

جواب (۷۵) بالکل ممنوع ومعیوب ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ صفحہ ۳۴۵ مطبوعہ نظامی باب الجلوس۔ ونیز آپ نے اس طرح سے بیٹھنے والوں کو مغضوب علیہم کہا ہے۔

سوال (۷۶) خارج نماز کے چلتے پھرتے کھڑے ہوئے بات کرتے وقت کوکھ پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے؟

(سائل مذکور)

جواب (۷۶) داخل نماز میں تو بالبداہت ممنوع وناجائز ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے صاف ظاہر ہے۔ رہا خارج نماز میں سو چونکہ یہ متکبرین کی عادت ہے۔ [illegible] ہے۔ ونیز جس وقت شیطان لعین آسمانوں سے بجانب ارض اتارا گیا تھا تو وہ [illegible] ہاتھ رکھ کر اترا تھا لہٰذا فعل شیطان ٹھیرا۔ ونیز جس وقت

روز محشر میں دوزخی آرام لینا چاہیں گے تو کوکوں پر ہی ہاتھ رکھ کر استراحت حاصل کریں گے لہٰذا مسلمانوں کو کیا ضرورت کہ خواہ مخواہ اپنے اندر بغیر عذر کے کوکوں پر ہاتھ رکھ کر برے لوگوں کی خصلت پیدا کریں ع مسلماں را ازیں خصلت قبیحہ باید گریز۔ ان تین وجوہ مذکورہ کی وجہ سے خارج نماز میں بھی معیوب ہے۔

سوال (۷۷) نماز میں آستین چڑھائے رکھنا کیسا ہے؟ (سائل مذکور)

جواب (۷۷) نامشروع ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

(مفتی مدرسہ دار الکتاب والسنہ)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق جنوری ۱۹۲۵ء جلد ۴ نمبر ۶)

سوال (۷۸) فی زمانہ جو ایک رواج عام مسلمانوں میں ترقی کر رہا ہے۔ باقاعدہ مجلس میں غزلیات آپ کی ولادت میں باواز بلند پڑھی جاتی ہیں۔ بعد ازاں شیرینی بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ کیا اس کا شریعت محمدیہ میں کہیں پتہ چلتا ہے یا نہیں؟ اور لوگ اس کو کار خیر سمجھ کر رونق دیتے ہیں یہ فعل سنت ہے یا بدعت ہے؟

(سائل عبد الحکیم از بجنور)

جواب (۷۸) شریعت محمدیہ میں فی زمانہ بہیئت کذائیہ جو مجالس میلاد منعقد کی جاتی ہیں ان کا ثبوت شریعت محمدیہ میں قطعاً مفقود اور لا پتہ ہے بلکہ ایسی مجلسیں شریعت محمدیہ میں موسوم بمجالس شرکیہ و بدعیہ ہیں اور ایسی مجلسوں میں اشعار و غزلیات وغیرہ پڑھنا اور سننا دونوں حرام ہیں۔ ملاحظہ ہو ہدایہ۔ الغرض یہ فعل بدعت ہے اس میں شیرنی وغیرہ تقسیم کرنا یا اس میں داخل ہو کر رونق افزائی کرنا بالکل ممنوع ہے۔ اگر مفصل حال دیکھنا منظور ہو تو رسالہ صحیفہ اہلحدیث بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ ملاحظہ ہو۔

سوال (۷۹) اکثر عورتیں جمع ہو کر ایک حلقہ بناتی ہیں اور رات کو باواز بلند اللہ اللہ کرتی ہیں یہ جائز ہے یا بدعت ہے؟ (سائل مذکور)

جواب (۷۹) ہیئت مذکورہ کے ساتھ اللہ اللہ کرنا بدعت ہے کیونکہ اس کا ثبوت زمانہ خیر القرون میں مفقود ہے چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چند اشخاص حلقہ باندھ کر اللہ اللہ کر رہے ہیں تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ فعل بدعت ہے الحدیث۔ الغرض اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

سوال (۸۰) اکثر عورتیں ہزاری لکھی روزہ رکھتے ہیں اور اس کا رکھنا نجات سمجھتے ہیں۔ شریعت محمدیہ میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب (۸۰) ہزاری لکھی روزہ رکھنا یقین باعث ضلالت و ناراضگی خدا و رسول ہے

شریعت محمدیہ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ رَجَبَ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رجب کے روزوں سے منع کر دیا ہے۔

سوال (۸۱) شب برات یعنی ۱۴ تاریخ شعبان کو اکثر عورتیں مرد نفلیات رات بھر پڑھتے ہیں اس کا ثبوت شریعت محمدیہ میں ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب (۸۱) شب برات کو رات بھر نفلیات وغیرہ پڑھنا بدعت ہے اور اپنی جانب سے دین اکمل کے اندر زیادتی کرنی ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

سوال (۸۲) بدعت کسے کہتے ہیں؟ اور جو کام بدعت کے کرے اس کو کس قدر گناہ اور کس عذاب کا وہ مستحق ہے؟ (سائل مذکور)

جواب (۸۲) بدعت ان ہی جملہ امور مذکورہ کو کہتے ہیں۔ بدعت کی تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جو کہ فی الحقیقت جامع مانع ہے۔ آپ نے فرمایا کل محدثة بدعة یعنی جو بھی نیا کام دین کے اندر بہ نیت ثواب کے کیا جائے خواہ مجلس میلاد ہو خواہ رات بھر نفلیات پڑھتے ہوں خواہ شب برات، حلوا ہو خواہ ہزاری لکھی روزہ ہو خواہ تیجہ ہو یا گیارہویں ہو۔ علیٰ ہذا القیاس یہ جملہ افعال بدعت ہیں۔ نیز مشکوٰۃ شریف جلد اول میں روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جو فعل شریعت محمدیہ کا دین میں نو ایجاد کیا جائے وہ مردود نامقبول و بدعت ہے اور بدعتی شخص کا نہ نماز روزہ قبول ہے نہ نفل نہ فرائض بلکہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے اعاذنا اللہ منہا۔ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔

سوال (۸۳) ایک شخص سے ایک جمعہ جماعت کی غیر حاضری ہوگئی بسبب نہانے دھونے کپڑے وغیرہ کے اور نہ اذان کی آواز سنی جاتی تھی اس جگہ جہاں مذکور بالا کام میں مشغول تھا لہٰذا اپنے وقت کے اندازے پر بہت کچھ دوڑا بھاگا جمعہ نہیں آیا ہاتھ۔ اب شریعت محمدیہ اس شخص کے حق میں کیا حکم عنایت کرتی ہے؟

جواب (۸۳) وسعت ہو تو تین روپے دے ورنہ ڈیڑھ روپیہ (۱٫۸) کفارہ دے۔

سوال (۸۴) ایک شخص اپنی زوجہ کے پاس حالت ایام حیض میں چلا گیا صحبت کر لی ہے۔ وہاں نہ زوجہ کو معلوم کہ حیض آیا ہے اور نہ خاوند کو معلوم مثل رات کے وقت کے۔ اب اس شخص کو شریعت کیا حکم دیتی ہے جرمانہ کا مستحق ہے یا رہائی دیتی ہے ہر دو مسئلوں میں اور اگر جرمانہ کا مستحق ہے تو کیا دینا آتا ہے اور کس کو دینا چاہئے؟

جواب (۸۴) شروع ایام حیض میں جماع کیا ہے تو تین روپیہ ورنہ ڈیڑھ روپیہ جرمانہ ادا کرے۔ جس کو زکوٰۃ ادا کرتا ہے اسی کو یہ جرمانہ دے۔

سوال (۸۵) ایک شخص کا روپیہ بقدر نصاب ایسی جگہ پر قرض دیا ہوا ہے جہاں گرو کی صورت یا کوئی چیز بطور قبضہ نہیں ہے اور نہ ان روپوں میں کوئی ترقی کی صورت ہے نہ وصول کی کوئی امید غالب آتی ہے۔ اب ایسی صورت میں روپیہ والے پر زکوٰۃ ہے کہ نہیں؟ صرف رہن کی تحریر تو کرالی ہے حاکم وقت کے قانون کے کاغذ پر۔ قرض دار بھی ہے

جواب (۸۵) وصولی کی امید ہے تو زکوٰۃ ادا کرے ورنہ جب کبھی وصول ہوا گیا پچھلا سب حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرے۔

سوال (۸۶) زکوٰۃ کے متعلق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم دیا ہے کس طرح ادا کرنی چاہیئے۔ اکثر لوگ زکوٰۃ کو اور صدقۃ الفطر کو اپنے ہاتھ سے مصارف پر تقسیم کرتے ہیں اور مصارف بھی جو خدا رسول نے نہیں بتائے ان کو دیا جاتا ہے جیسے ہمیشہ گھر گھر کے مانگنے والے سوالی ایسوں کو دیتے ہیں جو آنے کے یکو تیار آنے کسیکو۔ روپیہ اس طرح کرکے تقسیم کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی یہ زکوٰۃ وصدقۃ الفطر عند اللہ مقبول ہونے کہ نہیں۔ قرآن و حدیث سے بدلیل جواب ہو۔

جواب (۸۶) زکوٰۃ، صدقۃ الفطر امام یا اس کے نائب کے حوالہ کرنا چاہیئے۔

سوال (۸۷) جو اللہ پاک نے پارہ دس کے چودھویں رکوع میں فرمایا ہے کس کو فرمایا ہے یعنی اللہ کی طرف سے یہ فرض کس پر ہے حاکم پر فرض ہے یا امام وقت پر یا ہر زکوٰۃ دینے والے پر۔ زید کہتا ہے زکوٰۃ دینے والے پر۔ عمرو کہتا ہے زید جھوٹا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تقسیم کیا کرتے تھے جیسے اس آیت سے پہلے تیرہویں رکوع میں اللہ پاک فرماتا ہے۔ اے نبی ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تقسیم کیا کرتے تھے اسی طرح امام وقت حاکم اسلام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے اپنے ہاتھ سے تقسیم کرے یا اپنے ماتحت کے امیر کو حکم کرکے تقسیم کرائے جیسے مشکوٰۃ میں ہے۔ معاذ کو فرمایا یمن کو رخصت کرتے وقت تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ اب ان میں زید کی دلیل ٹھیک ہے یا عمرو کی یعنی زید حق پر ہے یا عمرو۔ جواب موافق قرآن حدیث کے عنایت ہو اللہ پاک جزا دیگا۔

جواب (۸۷) عمرو حق پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود زکوٰۃ تقسیم کرتے تھے۔ امام نائب رسول ہے لہذا امام وقت تقسیم کرے گا یا اس کی اجازت سے تقسیم کی جائیگی

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان ۱۳۴۳ھ مطابق اپریل ۱۹۲۵ء جلد ۴ نمبر ۹)

سوال (۸۸) اکثر بدرسوں واسکول وعدالت وغیرہ میں متعلم واسطے ادب معلم وافسر وغیرہ کے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ ادباً وتعظیماً قیام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جو لوگ یہ

فعل کرتے ہیں ان کے ہمراہ سلام مصافحہ اکل وشرب ترک کرنا کیسا ہے۔

سائل خریدار صحیفہ (د)

جواب (۸۸) کسی کیلئے ادباً وتعظیماً قیام کرنا سوائے ذات باری تعالیٰ کے شرک ہے کیونکہ یہ خاصہ خدا ہے۔ وہ فرماتا ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے باادب کھڑے ہوا کرو۔ اس معنی کو مدنظر رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو قیام کرنے سے منع فرمایا کہ جیسے بے دین لوگ عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجایا کرتے ہیں، تم نہ کھڑے ہوا کرو (ترمذی)، بلکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے ہوجایا کریں وہ جہنمی ہے (ابوداؤد) غرض کہ یہ فعل ممنوع ہے اسکے مرتکبین کے ہمراہ سلام مصافحہ ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں تاوقتیکہ وہ تائب نہ ہوں۔

(مفتی)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۴۳ھ مطابق مئی ۱۹۲۵ء جلد ۴ نمبر ۱۰)

سوال (۸۹) ایک عورت نے اپنے خاوند سے یوں کہا کہ جیسے میرا بھائی ویسے تم لیکن یہ لفظ قصداً نہیں کہا بلکہ غلطی سے زبان سے نکل گیا۔ اب شریعت کا کیا حکم ہے؟

(سائل محمد اسحاق)

جواب (۸۹) غلطی اور بھول چوک سے کہا ہے تو کچھ حرج نہیں نہ کفارہ ہے اور نہ نکاح ٹوٹا۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ سے کہا تھا کہ تو میری بہن ہے تو آپ کا نکاح نہ ٹوٹا۔

سوال (۹۰) ایک لڑکی ہوشیار نابالغہ کا نکاح اس کے والد نے بغیر اذن شرعی کے ایک بڑی عمر والے شخص سے کردیا لیکن اب لڑکی اس سے سخت نفرت کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں کنوئیں میں گر کر مرجاؤں گی آیا وہ لڑکی اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے یا نہیں؟

سائل محمد اسمٰعیل

جواب (۹۰) لڑکی اپنے والد کے نکاح کئے ہوئے کو چونکہ اس کی بلا اذن شرعی کے کیا گیا تھا شرعاً فسخ کرسکتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکی آئی اور کہا کہ میرے والد نے میرا نکاح کردیا ہے مگر میں اس سے راضی نہیں فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیدیا۔ اسی طرح اب بھی وہ لڑکی مختار ہے خواہ اس نکاح کو قائم رکھے خواہ فسخ کردے چنانچہ دوسری روایت میں ہے کہ فَرَدَّ نِكَاحَ اَبِيْهَا۔

سوال (۹۱) ہندہ کا انتقال ہوگیا اور ہندہ نے ایک خاوند ایک لڑکا اور والدین چھوڑے۔ ہندہ کا ترکہ بموجب شرع کس طرح تقسیم ہوگا۔ (سائل عبدالکریم از دہلی)

جواب (۹۱) ہندہ کا ترکہ ۲۴ حصوں پر منقسم ہو کر بدلیل آیت قرآنی و فیصد اسمائی وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ وایضاً وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ کے خاوند کو چوتھائی یعنی ۲۴ حصوں میں سے ۶ حصے اور والدین میں سے ہر واحد کے لئے سدس یعنی چار چار حصے اور مابقی یعنی دس حصے لڑکے کو ملیں گے۔

مسئلہ

زوج	اب	ام	ابن
۶	۴	۴	۱۰

سوال (۹۲) عورتوں کو خط و کتابت کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟
سائل ٹھیکیدار محمد صادق ضلع ڈیرہ دون

جواب (۹۲) جائز ہے بکتب حدیث بشرطیکہ نیت فاسد نہ ہو کما هو ليس بمخفي على ماهر الكتب والسنة۔ نیز امام بخاری کا فتویٰ بھی جواز پر ہے کما بوب في الأدب المفرد

(مفتی)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ مطابق اگست ۱۹۲۴ء جلد ۵ نمبر ۱)

سوال (۹۳) درمیان زید و ہندہ کے تکرار ہو گئی۔ زید نے مجلس واحد میں ہندہ کو تین طلاقیں دیدیں۔ بعد دونوں رنجیدہ ہو گئے چاہتے ہیں کہ رجوع کر لیں۔ اس میں شریعت کیا فیصلہ دیتی ہے۔

(سائل عبدالکریم از دہلی)

جواب (۹۳) زید ہندہ سے عند الشرع بخوشی رجوع کر سکتا ہے۔ رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ہندہ خارج از عدت ہو گئی ہو۔ ثانی یہ کہ داخل در عدت ہو۔ در صورت اول تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور در صورت ثانی عدم تجدید نکاح رجوع ہو سکتا ہے شقین میں سے جونسی شق حسب حال ہو عمل میں لائی جاوے لقوله تعالى وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم الآية

سوال (۹۴) بکر اپنی منکوحہ سے ناراض ہو کر بلا اطلاع و بلا طلاق دیئے مفقود الخبر ہو گیا۔ چونکہ مسماۃ نوجوان اور لاولد عورت ہے اور اس کے خاوند کو مفقود الخبری کو عرصہ زائد دو سال ہو گیا تو یہ مسماۃ نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ (سائل نصیر الدین)

جواب (۹۴) نزد شرع محمدی کر سکتی ہے کیونکہ شریعت میں مفقود الخبر والی عورت کیلئے ایک سال کی مدت مقرر ہے۔ بعد انتظار کرنے ایک سال کے وہ دوسری جگہ اپنا عقد ثانی کر سکتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے بشرطیکہ وہ عورت بوجہ جوانی و نان و نفقہ کے تنگ اور مجبور ہو ورنہ چار سال تک انتظار کرے جیسا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اس پر دال ہے یہ نہیں کہ تو تیس برس تک بیٹھی رہے اور پھر قبر میں جا کے نکاح کرے اعاذنا الله من هذا

المنذ هب الى دين

سوال (۹۵) ماتا کی منت کا بکرا خرید کر قربانی و عقیقہ وغیرہ کرنا درست ہے یا نہیں
(سائل محمد عمر کیتھلوی)

جواب (۹۵) نہیں ہرگز نہیں۔ ماتا کی منت کا ہو یا مزار خانقاہوں ولیوں بزرگوں کی منت و چڑھاوے کا ہو سب وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ میں داخل اور حرام ہے

سوال (۹۶) بکرا یا گائے قربانی کیلئے خریدی اور وہ جانور کھو گیا یا مر گیا تو کیا کرنا چاہیے بکرے کے عوض بکرا خریدے یا گائے میں حصہ ڈالے یا قربانی ہو گئی (سائل مذکور بالا)

جواب (۹۶) قربانی ہو گئی اس کے عوض بکرا وغیرہ خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں ہاں مزید ثواب کے لئے کرے تو کوئی حرج بھی نہیں۔

سوال (۹۷) وقت رخصت کے مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

جواب (۹۷) ویسا ہی ہے جیسے کہ وقت آنے کے ہے۔

(مفتی ابو محمد عبدالستار)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۵ء جلد ۵ نمبر ۵)

سوال (۹۸) مسمی زید کا انتقال ہو گیا۔ عمرو اور بکر دو لڑکے چھوڑے۔ عمرو باہر چلا گیا بکر نے اپنے باپ کا متروکہ مکان مبلغ چھ صد روپے کا فروخت کر دیا۔ اس مکان کے فروخت کرنے کے بعد مبلغ تین سو روپے کا اور مکان خرید کیا اور باقی تین صد روپے اپنے خرچ میں صرف کیا۔ بکر کا بھی انتقال ہو گیا اور ایک لڑکا بکر کا موجود ہے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ مکان عمرو کا ہے یا بکر کے لڑکے کا؟ (سائل نا معلوم الاسم)

جواب (۹۸) زید کا متروکہ مال دونوں بیٹوں بکر و عمرو کے مابین نصفا نصفی تقسیم ہوگا۔ بکر اپنا حصہ ۳ صد روپیہ اپنے خرچ میں لایا باقی مکان تین صد کا جو ہے اس کا بکر کے بیٹے کو اختیار ہے کہ اپنے چچا عمرو کو مکان دے خواہ تین صد روپیہ نقد اپنے پاس سے دے اور مکان اپنے پاس رکھے۔ ہکذا الحکم بالکتاب والسنۃ

سوال (۹۹) باپ نے اپنی کل جائداد کو چار ہزار روپیہ اندازہ لگا کر تین ہزار کی ملکیت اپنے تین بیٹوں کے نام کر دی اور ایک ہزار کی پوتوں کے لئے وصیت کر گیا تو اس صورت میں پوتوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

جواب (۹۹) پوتوں کو حسب وصیت دادا کے ایک ہزار کی جائداد برابر ملے گی متوفی کو ثلث تک وصیت کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔

سوال (۱۰۰) تین بیٹے مذکورہ سوال (۹۹) جو ... باپ متوفی کی کل جائداد جو تخمیناً چار ہزار کی تھی آپس میں تقسیم کر کے کھا گئے اور حسب وصیت پوتوں کو

(جو وہ بھی نام کے مسلمان تھے) حصہ نہ دیا۔ پھر ایک بھائی پکا سچا مسلمان بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی
خَمْسٍ کا پابند ہوگیا۔ باقی دو بھائی اور اُن کی اولاد ایسے ہی نام کے مسلمان رہے۔ دریافت
طلب امر یہ ہے کہ اس سچے مسلمان کے ذمہ اب بھی ان پوتوں کا حصہ ادا کرنا ہے یا
صرف باقی دو نام کے مسلمانوں سے پوتے حصہ لیں گے؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۰) بموجب فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مَا کَانَ مِنْ مِیْرَاثٍ قُسِمَ
فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَهُوَ عَلٰی قِسْمَةِ الْجَاهِلِیَّةِ الخ کے پکے سچے مسلمان کو معاف اور باقی نام کے
مسلمانوں سے پوتے حصہ لے سکتے ہیں (مفتی) ابو محمد عبدالستار

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق جنوری ۱۹۲۶ء جلد ۵ نمبر ۶)

تعاقب بر فتوی نمبر ۹۳ رسالہ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ

مکرمی معظمی مفتی مولوی عبدالستار صاحب السلام علیکم!

صحیفہ بابت ۱۰ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ میں مسئلہ نمبر ۹۳ کا جواب نظر سے گذرا جو کہ ماشاء اللہ
ایک حد تک ٹھیک تھا لیکن اگر زید نے طلاق ثلاثہ دینے کے وقت تین ہی کی نیت کی ہے تو وہ
ہندہ مطلقہ بتہ ہوگئی کما جاء فی ابن ماجہ نظامی صفحہ ۱۴۹ و نسائی مجتبائی صفحہ ۱۰۰ جلد دوم و
ایضاً ترمذی صفحہ ۱۵۲ غرضکہ اسکا انحصار شریعت نے نیت پر رکھا ہے کما جاء فی الترمذی
صفحہ ۱۵۲ المجیدی کانپوری۔ پس اس حالت میں زید و ہندہ رجوع نہیں کر سکتے حَتّٰی تَنْکِحَ
زَوْجًا غَیْرَهٗ۔

نوٹ۔ میں نے آپ پر یہ اعتراض نہیں لکھا بلکہ المسلم مرآۃ المسلم کو مدنظر
رکھتے ہوئے یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں۔ پس لَا تَنْظُرْ
اِلٰی مَنْ قَالَ وَانْظُرْ اِلٰی مَا قَالَ

آپ کا پرانا خادم عاجز محمود حسن از سامرود

جواب الجواب

زید نے اگر طلاق ثلاثہ دینے کے وقت تین ہی کی نیت کی ہے تو ہندہ مطلقہ بتہ
ہو جائے گی لیکن میرے دوست مطلقہ ہونا امر دیگر ہے اور اس سے پھر رجوع کرنا
امر آخر ہے لہٰذا آپ کا یہ کہنا حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ یعنی اب پہلے خاوند سے رجوع نہیں
ہو سکتا یہ بالکل غلط ہے اور خلاف قرآن و حدیث کے ہے بلکہ از روئے شرع سابق خاوند
کو قبل از انقضاء عدت برابر حق رجعت [illegible] ہے [illegible] بعد انقضاء میعاد معینہ کے تجدید نکاح
کی ضرورت ہے جیسا کہ پرچہ سابقہ بابت ۱۰ جمادی الاول میں مندرج ہے کما جاء فی القرآن
والحدیث۔ پس معلوم ہوا کہ مطلقہ ثلاثہ در [illegible] واحدہ کی دو شقیں ہیں۔ شق اول پر وہی حدیث
ابوکانہ کی دال ہے کما جاء فی صحیح ابی داؤد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال طَلَّقَ

اَبُوْ رُکَانَةَ اُمَّ رُکَانَةَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاجِعِ امْرَاَتَكَ فَقَالَ
طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤد) اور مسند احمد میں یہ الفاظ
مروی ہے کہ طَلَّقَ اَبُوْ رُکَانَةَ امْرَاَتَهٗ فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ ثَلَاثًا فَحَزِنَ عَلَیْهَا فَقَالَ لَهٗ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا وَاحِدَةٌ۔ نیز صحیح ابوداؤد میں یہ بھی الفاظ وارد
ہیں کہ اِنَّ اَبَا رُکَانَةَ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ سُهَیْمَةَ الْبَتَّةَ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةً
فَرَدَّهَا اِلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

پس ان جمیع روایات کے جمع کرنے سے یہ امر بالتوضیح و بالتصریح ثابت ہوگیا کہ مطلقہ
ثلاثہ در مجلس واحد [illegible] بتہ کے شوہر کو قبل اختتام عدت حق رجعت حاصل ہے اور
حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ کی ڈگری دینا محض غلط ہے اگرچہ اس نے طلاق دیتے وقت
تین ہی کی نیت کی ہو کیونکہ ابو رکانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈگری دینے پر
بتلایا کہ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا یعنی میں تو تینوں دے چکا۔ پس باوجود اس کے جتلانے کے
آپ نے یہ فرمایا کہ تو رجوع کرے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور شق ثانی پر آیت قرآنی دال
ہے فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ یعنی اے عورت کے
ولی وارثو! اگر عورت بعد انقضاء عدت اپنے پہلے شوہر سے بہ رضامندی طرفین رجوع کرنا چاہتی
ہے تو تم اس کو نہ روکو بلکہ بخوشی رجوع کرنے دو۔ لیجئے سنئے میرے دوست آپ تو ختم عدت
کے قبل ہی حتی تنکح زوجاً غیرہ کی مہر دے رہے تھے لیکن قرآن تو اختتام عدت کے بعد بھی
ڈگری نہیں دیتا بلکہ بخوشی سابق خاوند سے بتجدید نکاح رجوع کی اجازت دیتا ہے۔ پس معلوم
ہوا کہ اگر خاوند نے تین ہی طلاقیں بہ نیت تین کے دی ہیں اور وہ عورت مطلقہ بتہ ہوگئی تو بھی
اس کے رنجیدہ ہونے پر شریعت رجوع کی اجازت دیتی ہے جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا کا جملہ
فَحَزِنَ عَلَیْهَا دلالت کر رہا ہے۔ ہاں قرآن و حدیث قانون محمدی حتی تنکح زوجاً غیرہ کی اس
وقت ڈگری دیتا ہے کہ جب خاوند اپنی عورت کو طلاق سنی دے یعنی ہر مہینہ میں بعد طہر کے
ایک ایک طلاق دے کر تین ماہ میں تینوں طلاقیں پوری کرے تو اس وقت واقعی یہ فتوی ہے
کہ بغیر کسی دوسرے خاوند کے نکاح کے سابق خاوند سے رجوع نہیں کر سکتی چنانچہ فرمایا حَتّٰی
تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ وغیرہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ وغیرہ آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ
اسی پر دال ہیں۔ اگر آپ کے خیال کو تسلیم کر لیا جائے تو بڑی مشکل ہوگی تمام طلاق رجعی دینے والے
ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ و نیز نعوذ باللہ آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ بیکار و معطل ہو جائیں گی
اور طلاق رجعی کا مسئلہ بالکل مفقود ہو جائیگا۔ نیز آپ کے جملہ حوالہ جات پیش کردہ آپ کے
دعوے کے بالکل خلاف ہیں اور نہ ہی آپ کے دعوے کا ان میں ذکر ہے۔ نہ معلوم آپ نے
کیا سوچ کر حوالہ جات پیش کئے ہیں ہاں البتہ ترمذی کانپوری کا حوالہ جس میں نیت پر منحصر ہے یہ

ذکر ہے تو وہ بعض کوفیوں لابوفیوں کا قول ہے ورنہ آپ اگر اسی ترمذی میں اسی ورق اسی صفحہ پر اس باب کو ملاحظہ فرماتے تو کیا اچھا ہوتا۔ آپ نے امام ترمذی کے باب منعقدہ پر توجہ ذکر تے ہوئے کوفیوں کے قول کی جانب میل کیا۔ امام ترمذی بایں الفاظ باب منعقد کرکے بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ وہی ابورکانہ والی حدیث لاتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ بتہ کے واسطے یہ حکم ہرگز نہیں کہ حتی تنکح زوجا غیرہ یعنی بغیر کسی دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کئے اپنے پہلے خاوند سے رجوع نہیں کرسکتی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ ہوجانا علیحدہ مسئلہ ہے اور پھر اس سے رجوع کرنا یہ علیحدہ مسئلہ ہے۔

نوٹ۔ ہذا میں بھی آپ کو اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ تحریر کرتا ہوں۔ اگر آپ کی سمجھ میں یہ مسئلہ آگیا تو مطلع فرمادیں اور اگر اس کے خلاف کوئی دلیل ہو تو پیش کریں۔ بعدہ ان شاء اللہ کافی وافی شافی جواب دیا جاویگا وَإِنْ عُدْتُمْ فَلَنَا مَزِيدٌ، فقط هٰذَا مَا عِنْدِي وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔

سوال (۱۰۱) ایک شخص مسمی بکر کی ایک لڑکی مسماۃ ہندہ جس کی عمر تخمینا پندرہ سال کی ہے اس کے والد نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح بنام زید کردیا لیکن اس نکاح میں ہندہ کی خوشی رضامندی نہ تھی کیونکہ ہندہ اہلحدیث اور پابند شریعت ہے اور زید پابند شریعت نہیں بلکہ ایک صرف نام کا حنفی المذہب اور نماز روزہ کا بالکل تارک ہے اور ہندہ اپنے والدین کے ہاں ہے زید کے گھر جانے سے بالکل انکار کرتی ہے اور زید اس کو طلاق بھی نہیں دیتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ بجز طلاق کسی اہل شریعت مسلمان سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں۔ (ایم عبدالعزیز گجراتی)

جواب (۱۰۱) عند الشرع ہندہ زید کے نکاح فسخ کرکے کسی دیگر شخص موحد متبع سنت صوم وصلوٰۃ کے پابند اہلحدیث سے کرسکتی ہے کیونکہ ہندہ کا شوہر مسمی زید بوجہ ترک صوم وصلوٰۃ کے کافر ومشرک ہے اور کافر شخص سے موحدہ مسلم عورت کا نکاح ہرگز نہیں رہ سکتا لقولہ تعالیٰ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ علاوہ ازیں اور وجہ سے بھی ہندہ کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے [illegible] الکتاب والسنۃ۔

سوال (۱۰۲) ہندہ کا نکاح بزمانہ نابالغی بعمر [illegible] سال ہمراہ زید ہوا تھا اور اسی وقت ہمشیرہ [illegible] کا نکاح ہمراہ [illegible] ہوا تھا اور رخصتانہ وداع بھی ہوگئی تھی اور ہندہ اس وقت تک وداع نہیں ہوئی لیکن [illegible] ہمشیرہ ہندہ کو مبلغ دوصد روپیہ لیکر کسی غیر شخص کے حوالہ کردیا جس سے ہندہ اب بالغ ہونے پر اپنی ہمشیرہ کے واقعہ کی وجہ سے بہت خائف ہے اور اپنے شوہر کے گھر ہرگز جانا نہیں چاہتی بلکہ ہندہ دھمکی دیتی ہے کہ میں عیسائی ہوجاؤں گی اور اس کے والدین اگر وداع کریں گے تو زید کے گھر ہرگز نہ جاؤں گی۔

اب عرض یہ ہے کہ شرعاً ہندہ زید کے نکاح میں ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۰۲) نکاح میں تو ضرور ہے لیکن اگر ہندہ زید کی بیہودہ فروشی سے خائف ہے تو والدین ہندہ کو چاہیے کہ زید سے امام وقت یا اپنی برادری کے چوہدری وغیرہ کی ذمہ واری پختگی کریں اور دو چار آدمی معمر ومعتبر بھم کو بیچ میں ڈال کر ہندہ کو وداع کردیں اِنْ يُّرِيْدَا إِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ورنہ ہندہ کو عیسائی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اس کے لئے فیصلہ محمدی کافی وافی ہے وَهُوَ هٰذَا ہندہ مختار ہے چاہے اس نکاح کو قائم رکھے چاہے فسخ کراکر دیگر کسی موحد متبع سنت سے اپنا عقد کرلے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ لِيَسُوْا وَلَا تَعْتَدُوْا وغیرہ بعمومہا مقدمہ ہذا شاہد اور دال ہیں۔

(مفتی) ابو محمد عبدالستار مہاجری عفی عنہ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رجب ۱۳۴۴ھ جلد ۵ نمبر ۷)

سوال (۱۰۳) زید کی تین منکوحہ ہیں۔ ان منکوحہ [illegible] سے زید کا وہ برتاؤ نہیں جو زید پر شوہر ہونے کی وجہ سے شرعاً عائد ہوتا ہے یعنی باری وغیرہ کچھ مقرر نہیں کر رکھی حتی کہ بعض سے تو ہمیشہ ہمبستر ہوتا ہے اور بعض سے نہ اکم اور تیسری سے بالکل ہی نہیں۔ بایں ہمہ زید کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اپنی منکوحہ سے صحبت کرنے کا کوئی شخص مکلف نہیں بلکہ اس امر میں شوہر مختار ہے اگر وہ چاہے تو یہ کام کرے ورنہ نہیں۔ اور زید کے اپنے خیال کی بموجب آیت اَلْأَيْمٰى حُدُوْدُ اللّٰهِ میں جو قیام بحدود کا تاکید آئی ہے اس میں خوردونوش ہی داخل ہے دیگر حقوق زوجیت صحبت وغیرہ نہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید اپنے اس قول وفعل مذکورہ میں حق بجانب ہے یا غلطی پر؟

سائل مولوی نسیم الدین (صاحب) خریدار رسالہ ہذا

جواب (۱۰۳) صورت مسئولہ بالا میں واضح باد کہ زید غلطی پر ہے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا پس حق زوجیت میں ہمبستر ہونا بھی داخل بلاریب ہے۔ اگر واقعی زید نے اپنی منکوحہ کی رضامندی سے باری مقرر نہیں کی ہوئی تو وہ عند الشرع بڑا ظالم ہے۔ اسی واسطے اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ہاں اگر سودہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی طرح بخوشی باری مقرر نہیں تو کوئی قباحت نہیں۔ غرض کہ ان جملہ امور میں شوہر مکلف ہے ایک سے مجامعت کرنا اور ایک سے نہ کرنا سخت عیب اور عین ظلم ہے۔ ہاں اگر جماع کو حق زوجیت اپنے اوپر سمجھتے ہوئے ایک کی باری میں طبیعت چاہتی اور دوسری کی باری میں بعض وقت طبیعت نہیں چاہتی اور انتشار نہیں ہوتا تو ایسی صورت شوہر پر عند اللہ کوئی مواخذہ نہیں لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وَلَا تَلُمْنِي فِيمَا لَا أَمْلِكُ الحدیث۔

سوال (۱۰۴) جمعہ کے روز امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد جو اذان دیجاتی ہے وہ خارج مسجد دینی چاہیے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۰۴) نہیں، خارج مسجد تو وہ اذان بروقت ضرورت دینی چاہیے جو امام کے آنے کے قبل لوگوں کی آگاہی کے واسطے پہاڑی زوراء پر عہد خلافت عثمانیہ میں دیجاتی تھی۔ یہ اذان مسجد کے اندر دینی جائز نہیں۔ ہاں جو اذان امام کے آنے کے بعد دیجاتی ہے وہ امام کے سامنے کھڑے ہو کر دینی چاہیے کذا فی کتب الحدیث فقط

مفتی ابو محمد عبدالستار غفرلہ الغفار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ مطابق مارچ ۱۹۲۷ء جلد ۸ نمبر ۵)

سوال (۱۰۵) میرا خاوند مسمی عیسیٰ فوت ہو گیا اس نے دو لڑکے اور ایک لڑکی جو میرے پیٹ سے ہیں چھوڑے اور اس کا کل ترکہ ۱۶۰ ایکڑ اور ۹۰۰ روپے ہیں اور ہماری قوم میں نہ تو بیوہ کا دوسرا نکاح کرتے ہیں اور نہ اس کو ورثہ دیتے ہیں بلکہ اگر کوئی بیوہ عورت دوسرا نکاح کر بھی لے تو اس سے سات سو روپے جرمانہ لیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور کل ترکہ مذکور کس طرح تقسیم کیا جائے

(سائلہ مسمات نور ال قوم اوڈھ ساکنہ [illegible])

جواب (۱۰۵) بیوہ عورت کا دوسرا نکاح نہ کرنا اور اس کو ورثہ نہ دینا رسم جاہلیت ہے۔ شرعاً وہ ورثہ اور نکاح ثانی کی مستحق ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ازواج مطہرات بیوہ تھیں۔ نکاح ثانی پر جرمانہ لینے والے لوگ عند اللہ سخت مجرم ہیں ان کو اپنے فعل سے تائب ہونا چاہیے۔ سائلہ مذکورہ کا حق اس کے خاوند کے ترکہ میں آٹھواں حصہ ہے اور بموجب آیت لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ لڑکی سے دوگنا لڑکے کو دیا جائے۔

سوال (۱۰۶) کیا شرعاً مصلی کیلئے ایک سلام پھیرنا جائز ہے؟ اگر ہے تو اس کے عامل کو فسادی کہنا کیسا ہے؟ اور اگر نہیں تو ایک سلام پھیرنے والے کی نماز ہوتی یا نہیں

سائل رحیم بخش ساکن کوٹ سندر سنگھ ضلع لاہور

جواب (۱۰۶) جائز کیا بلکہ سنت ہے۔ جو شخص اس کے عامل کو فسادی وغیرہ کہے وہ خود فسادی ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق ہمارے دفتر میں ایک مستقل رسالہ المعروف بہ ایک سلام پھیرنے کا رسالہ موجود ہے۔ اگر مدلل اور مکمل تحقیق منظور ہو تو رسالہ مذکورہ ملاحظہ ہو۔

مفتی ابو محمد عبدالستار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ مطابق جولائی ۱۹۲۷ء جلد [illegible] نمبر ۱)

سوال (۱۰۷) ایک گائے میں بمطابق قربانی کے سات حصے مقرر کر کے تین حصے تین لڑکوں کی طرف سے اور ایک حصہ ایک لڑکی کی طرف سے عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل (مولوی محمد موسیٰ مالدھی)

جواب (۱۰۷) اس کے متعلق کوئی صریح نص فعلی یا قولی تو کتاب و سنت میں معلوم نہیں ہوتی مگر ہاں بلحاظ دیگر احکام شرعیہ کے و بلحاظ حدیث الدِّينُ يُسْرٌ و آیت مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ الآية کے برابر جائز و درست ہے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمار کے متعلق آیت وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ الآية کے عموم سے استدلال کیا تھا۔

سوال (۱۰۸) جو غلہ آجکل بازار میں چار روپیہ من بکتا ہے وہی غلہ ادھار روپیہ وصول کرنے کی تاریخ معین کر کے زید چھ روپے من فروخت کرتا ہے بعض الناس زید کو سود خوار حرام خور ملعون اور اس بیع کے جائز بتلانے والے کو رشوت خوار دنیا دار تن پرور بتلاتے ہیں۔ اب آیا یہ بیع جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو اس بائع کو حرام خور وغیرہ اور اس کے جواز کے قائل کو تن پرور وغیرہ کہنے والا کیسا ہے بینوا توجروا

سائل مذکور

جواب (۱۰۸) برابر جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک بیع سے دو بیعوں میں منع فرمایا ہے وہ نہی اس وقت ہے جب کہ بیع مہمل و مجمل ہو اور بائع و مشتری کے درمیان ایک بات نقد یا ادھار کی مقرر نہ ہو اور اگر ایک بات طے ہو جائے مثلاً بائع نے کہا کہ میں فلاں چیز نقد دو روپے کی اور ادھار چار روپے کی فروخت کرتا ہوں اور مشتری نے وہ چیز چار روپے کی ادھار کی شرط پر لے لی تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اگر کوئی شخص صرف اسی وجہ سے بائع یا دیگر کسی کو سود خوار رشوت خوار وغیرہ وغیرہ کہے تو یہ اس کی سخت غلطی اور کتاب و سنت سے ناواقفی اور جہالت ہے اس کو چاہیے کہ توبہ کرے اور اپنے کلمات کو واپس لے۔ جامع ترمذی میں ہے فَإِذَا فَارَقَهُ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا (ترمذی شریف)

حررہ العاجز ابو محمد عبدالستار غفرلہ الغفار

الجواب۔ ادھار اور نقد میں کم و بیش نرخ جائز ہے۔ ممانعت کی وجہ سود بتلائی جاتی ہے مگر یہ سود نہیں کیونکہ گندم کا نرخ کم و بیش ہوتا رہتا ہے اس لئے پتہ نہیں کہ آئندہ نفع کس کو ہوگا اور نقصان کس کو۔ تفصیل کے لئے نیل الاوطار جلد ۴ کتاب البیوع دیکھیے

عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی ۱۱۹

مورخہ ۲/۱۳۷۸ بروز جمعرات

الجواب۔ دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ تعیین نقد و ادھار کی ہو جائے مبہم نہ رہے

ابو محمد عبدالجبار سلفی بقلم خود کھنڈیلوی شیخ الحدیث اوکاڑہ ۲۳ راگست [illegible]

الجواب۔ زیادتی ثمن بوجہ اجل فی الثمن کے جائز ہے اس لئے کہ اجل حکم میں مبیع کے ہے قَالَ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ لِاَنَّ لِلْاَجَلِ شَبَهًا بِالْمَبِيْعِ اَلَا يُرٰى اَنَّهٗ يُزَادُ فِى الثَّمَنِ لِاَجْلِ الْاَجَلِ جلد ثالث صفحہ ۵۸ فقط

محمد عبد الحنان عفی عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم عثمانیہ۔ اوکاڑہ۔

سوال (۱۰۹) قرآن شریف کی آیات پڑھ کر دھاگے میں دم کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے، تو حدیث مَنْ عَقَدَ فَقَدْ سَحَرَ اَوْ كَمَا قَالَ کا کیا مطلب ہے؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۰۹) جو لوگ بت اگوں میں گرہ دے دے کر پڑھتے اور ٹوٹکے کرتے ہیں ان کے متعلق قرآنی تعلیم ہے وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ ۔ اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے ایسے کاموں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ قرآنی آیات کو بھی اسی طرح استعمال کرنا چاہئے جس طرح سلف سے منقول ہو دَ ذٰلِكَ فَلَيْسَ فقط

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ صفر ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۷ء جلد ۲ نمبر ۲)

سوال (۱۱۰) اگر کوئی شخص مقام مولوی جماعت کرا رہا ہو اور رکوع سجود قومہ جلسہ وغیرہ شریعت کے خلاف کرتا ہو یعنی رکوع سجود کو موافق شریعت باطمینان دیر لگا کر نہ ادا کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ سائل مولوی گل محمد صاحب از ابوہر منڈی

جواب (۱۱۰) ایسے شخص کے پیچھے عند اللہ وعند الرسول ہرگز نماز نہیں ہوتی جو رکوع و سجود وغیرہ ارکان صلوٰۃ کو شریعت کے مطابق نہ ادا کرتا ہو اصطلاح شرعیہ میں رکوع صرف الخشار (جھکنے) کو نہیں کہتے تا وقتیکہ باطمینان کمر کو توڑ کر ہموار کر کے رکوع نہ ادا کرے کما یدل علیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم ارکع حتی تطمئن راکعا والقائل تجزئ صلوٰۃ الرجل لا یقیم فیہا صلبہ الحدیث او کما قال فقط

سوال (۱۱۱) عند اللہ وعند الرسول نکاح کس بات سے ٹوٹ جاتا ہے (سائل مذکور)

جواب (۱۱۱) عورت موحدہ مسلمہ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہو اور خاوند مشرک بدعتی مولود پرست گیارھویں پرست تعزیہ پرست وغیرہ وغیرہ یا تارک صوم وصلوٰۃ ہو وغیرہ وغیرہ یا اس کے برعکس تب نکاح ٹوٹ گیا لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ الآیۃ

سوال (۱۱۲) ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک شخص سے کر دیا۔ کئی برس اس کے گھر بھی ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ اب اس شخص نے دوسری جگہ نکاح کر لیا عرصہ تخمیناً دو سال کا ہو گیا کہ پہلی بیوی مع لڑکی کے اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی ہے۔ اس کو نہ بساتا ہے نہ روٹی کپڑا دیتا ہے بلکہ منہ تک بھی کبھی نہیں دکھایا اور جو زیور وغیرہ پارچہ جات والدین کے دیئے ہوئے تھے سب چیز اپنے قبضہ میں کر لی ہے۔ اب آیا لڑکی مذکورہ نکاح ثانی کرے یا کیا کرے؟

سائل خاکسار شیخ خدا بخش امام جامع مسجد بھاول پور خریدار صحیفہ اہلحدیث

جواب (۱۱۲) اگر واقعی لڑکی مذکورہ اپنے خاوند کے گھر بسنے کے لئے تیار ہے اس کی جانب سے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں اور خاوند نہ بساتا ہے نہ نان و نفقہ دیتا ہے تو یہ سراسر ظلم ہے شریعت میں ہے کہ اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو اِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ الآیۃ وغیرہ وغیرہ ایسی صورت میں عورت مختار ہے مسلمانوں کے چوہدری یا امام وقت کے پاس جا کر اپنا عقد اول فسخ کر کے عقد ثانی کر سکتی ہے فقط

مفتی ابو محمد عبد الستار المہاجری جعلہ اللہ خادم الشریعۃ المحمدیۃ آمین

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۲۷ء جلد ۲ نمبر

سوال (۱۱۳) اگر کسی شخص کو وضو کر کے دیوار وغیرہ سے ٹیکا لگا کر نیند آ جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہ؟ سائل محمد عمر از جودھپور

جواب (۱۱۳) ٹیکا لگانے سے وضو ٹوٹنے کی کوئی صریح دلیل نہیں لیٹ کر سو جانے سے وضو کا ٹوٹنا حدیث سے ثابت ہے۔

سوال (۱۱۴) مصلی کے آگے سے گذرنے والا کتنی دور سے گذر سکتا ہے؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۱۴) اگر مصلی کے آگے سترہ ہے تب تو سترہ کے پرے سے اور اگر سترہ نہیں تو بقدر پھینکنے ایک کنکری کے گذر سکتا ہے (ابوداؤد)

مفتی ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۷ء جلد ۲ نمبر ۶)

سوال (۱۱۵) مقیم کے پیچھے مسافر نماز قصر کر سکتا ہے یا نہیں؟

سائل یکے از خریدار صحیفہ اہلحدیث جودھپوری۔

جواب (۱۱۵) نہیں، کیونکہ اس وقت اس پر امام کی متابعت فرض ہے (مشکوٰۃ)

سوال (۱۱۶) بھیڑوں، دنبوں کی پشت پر اون بغیر کترے فروخت کرنی جائز ہے یا نہیں؟ (مولوی ابو عبد الرحمن صاحب امیر فاضلکا)

جواب (۱۱۶) ہرگز جائز نہیں عدالت نبویہ سے حکم امتناعی آ چکا ہے وَلَا يُبَاعُ صُوْفٌ عَلٰى ظَهْرٍ وَلَا لَبَنٌ فِى ضَرْعٍ تھنوں میں بھرا ہوا دودھ بھی فروخت کرنا منع ہے تاوقتیکہ نکالا نہ جائے۔ (طبرانی، دارقطنی، ابوداؤد، بیہقی)

سوال (۱۱۷) تجارتی جانور جنکو سال گذرتا ہے اور وہ بکے نہیں انکی زکوٰۃ انکی قیمت پر آئیگی یا جانوروں پر جیسا کہ غیر تجارتی جانوروں پر آتی ہے (سائل مذکور)

جواب (۱۱۷) اختیار ہے چاہے قیمت میں سے دے چاہے جانوروں میں سے ہاں جن جانوروں کی جنس پر زکوٰۃ نہیں ہے اُن کی تو قیمت ہی پر آئے گی جیسے گھوڑے

وغیرہ۔

سوال (۱۱۸) اگر مؤذن بغیر وضو اذان دیدے تو جائز ہے یا نہیں؟
سائل عبد الغفار از باؤل محلہ حسن پور

جواب (۱۱۸) جائز ہے مگر افضل نہیں جیسا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے مگر افضل بیٹھ کر ہے۔

سوال (۱۱۹) افضل رتبہ والا آدمی ہوتے ہوئے کم رتبہ والا ڈاڑھی منڈا آتش باز کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۱۹) نہیں، جو قرآن زیادہ جانتا ہو اور متقی پرہیزگار بھی ہو اس کو امام بنانا چاہئے یَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ۔ اِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ۔

سوال (۱۲۰) جمعہ کے روز پہلی اذان مسجد کے دروازہ میں دوسری وقت خطبہ اور تیسری یعنی تکبیر یہ تینوں اذانیں مسجد میں دینی جائز ہیں یا نہیں؟ (سائل مذکور بالا)

جواب (۱۲۰) یہ مروانیوں کی بدعت جاری کردہ ہے بہیئت کذائیہ کے ساتھ عہدِ نبوی و عہد صحابہ و تابعین وغیرہ سے اسکا کوئی ثبوت نہیں فالحذر الحذر۔ ہاں مسجد سے کچھ مسافت دور کسی بہاڑی یا مکان پر بوقت ضرورت پہلی اذان بعض صحابہ سے ثابت ہے۔

سوال (۱۲۱) بڑھیا عورت جس کی عمر ۸۰ یا ۷۰ سے زائد ہے وہ غیر محرم کے ساتھ حج کر سکتی ہے یا نہیں؟
بشیر الدین خریدار صحیفہ اہلحدیث

جواب (۱۲۱) عورت کو غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا منع ہے۔ ہاں اگر بوقت ضرورت والاچاری کہ کوئی محرم شخص ساتھ جانے والا نہیں میسر ہوتا چلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ راستہ با امن ہو۔ ساتھ جانے والا نہایت امین اور دیانت دار موحد مسلم ہو جیسا کہ نجاشی بادشاہ حبش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کر کے آپ کی زوجہ محترمہ کو غیر محرم کے ہمراہ آپ کے پاس پہنچا دیا تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا بل سکت و قرر وغیرہ وغیرہ۔ یہ علی العموم نہیں بلکہ وقت ضرورت والاچاری کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غیر محرم کے ساتھ آئی تھیں ملاحظہ ہو حدیث الافک (صحیح بخاری) اس لئے اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ مگر معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے بعض ناعاقبت اندیش حاسد قدیم نئی روشنی کے ملا صاحب نے خطبہ جمعہ وغیرہ میں زنانہ کہ اب تو عورت کو غیر محرم کے ساتھ سفر بھی جائز کر دیا وغیرہ وغیرہ اور افترا خفیہ ہے۔ میرا یہی عقیدہ اور فتویٰ ہے کہ عورت کو غیر محرم کے ساتھ علی الاطلاق سفر کرنا ناجائز اور حرام ہے فلہذا ناظرین کرام کی تشفی کے لئے مکرر اطلاع دیجاتی ہے کہ ایسے بددیانت اور علم سے کورے ملاؤں کی تحریر و تقریر کا ہرگز اعتبار نہ کریں اور ہم کتاب وسنت پر قائم ہیں وباللہ التوفیق۔

سوال (۱۲۲) حقہ کا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ کپڑے میں لگ جانے سے نماز ہوگی یا نہیں؟
سائل فوق الذکر

جواب (۱۲۲) اگر اوصافِ ثلاثہ بوجہ نجاست کے متغیر ہو گئے ہیں تو ناپاک ہے۔ ناپاک کپڑے میں نماز نہیں ہوتی۔ (مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار المہاجری
صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رجب ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۲۹ء جلد، نمبر،

سوال (۱۲۳) شئے مرہونہ سے نفع اٹھانا خصوصاً زمین مرہونہ سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟
سائل (مولوی) عبد الرؤف (صاحب) مرشد آبادی

جواب (۱۲۳) شئے مرہونہ سے بشرط نفقہ نفع اٹھانا جائز ہے۔ زمین مرہونہ سے بھی بصورت عدم استعمال بخوف خراب ہو جانے کے اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے جیسا کہ حدیث اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا سے معلوم ہوتا ہے فافہم۔

نیز مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری گروی زمین کے نفع اٹھانے کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس کے جواز کے بارے میں آپ کے پاس مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کا قلمی فتویٰ بھی موجود تھا جیسا کہ اخبار اہلحدیث امرتسر مجریہ ۳۰ رمضان ۱۳۴۶ھ میں لکھا ہوا ہے۔

سوال (۱۲۴) کچھ جانور بک گئے ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ جو بک گئے ان کی زکوٰۃ تو روپیہ پر آئے گی لیکن جو باقی جانور ہیں ان کی قیمت کر کے روپے میں سے زکوٰۃ دے یا خود جانوروں میں سے دے جیسا کہ غیر تجارتی جانوروں میں سے دیجاتی ہے۔
مولوی عبد اللہ صاحب امیر فاضلکا

جواب (۱۲۴) باقی ماندہ جانور اگر نصاب کے موافق ہیں تو جانوروں میں سے دیدے ورنہ قیمت کر کے ادا کر دے کیونکہ تجارتی مال میں قیمت ہی پر زکوٰۃ آتی ہے۔

سوال (۱۲۵) زید کہتا ہے اگر کوئی آدمی جمعہ کے اخیر التحیات میں شامل ہو تو وہ نماز ظہر ادا کرے لیکن بکر کہتا ہے کہ جمعہ کی صرف دو ہی رکعت ادا کرے۔ ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے
مولوی عبد الرحمٰن صاحب حصاروی خریدار صحیفہ اہلحدیث

جواب (۱۲۵) از روئے حدیث زید کا قول صحیح ہے۔ ہاں اگر دوسری رکعت کے رکوع میں کوئی شخص آکر شامل ہو گیا تو فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرٰى ایک رکعت اور پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی کیونکہ جمعہ کا ثواب تو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی جاتا رہا اور فرشتوں نے کاغذات لپیٹ لئے۔

سوال (۱۲۶) اہل ہنود کی بنی ہوئی مٹھائی اور روٹی کھانی جائز ہے یا نہیں؟

(سائل مذکور)

جواب (۱۲۶) اہل ہنود وغیرہ کفار کی تیار کردہ شئے صرف کافر ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس پر غیر اللہ کا نام نہ آئے لہذا جائز ودرست ہے۔

سوال (۱۲۷) ایک عورت (یعنی چوڑی) نے ایک بکرا خرید کر ملیر کوٹلے والے پیر کی نیاز کر دیا اور پھر اس کی پرورش کرتی رہی کہ جب اس خانقاہ پر جاؤں گی تو اسے لے جاکر چڑھادوں گی۔ جب وہ بکرا بڑا ہو گیا تو وہ اسے وہاں غربت کی وجہ سے سفر ریل طے کرکے نہ لیجاسکی اور یہ خیال کیا کہ اب اسے فروخت کردوں۔ جب میں ملیر کوٹلے کی خانقاہ پر جاؤں گی تو اسی قیمت کا ایک اور بکرا خرید کر چڑھادونگی چنانچہ اس سے ایک دو معتبر آدمیوں نے جاکر دریافت کیا کہ اس بکرے کی قیمت تو کیا اپنے کام میں لے آئی تو اس نے جواب دیا کہ ہم تو اسے ایسا سمجھتے ہیں جیسا مسلمانوں کے نزدیک خنزیر اور ہندوؤں کے نزدیک گئو ماتا۔ میں نے تو وہ روپے علیحدہ رکھے ہوئے ہیں۔ جب وہاں جاؤں گی تو ان ہی روپوں کا دوسرا بکرا خرید کر چڑھاؤں گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ بکرا ایک مسلمان نے خرید کر خود بھی کھایا اور اوروں کو بھی کھلایا جب اسے منع کیا گیا تو جواب دیا کہ اس کے فروخت کر دینے کی وجہ سے یہ غیر اللہ کا نہ رہا تو آیا یہ بکرا حلال ہے یا حرام؟

(سائل یکے از خیر خواہ مسلمین پنجابی)

جواب (۱۲۷) بکرا مذکور قطعاً حرام اور ما اہل لغیر اللہ میں داخل ہے۔ اللہ پاک رب العالمین نے اہلال یعنی رفع الصوت لغیر اللہ کی قید لگائی ہے فروخت کرنے نہ کرنے کی کوئی شرط نہیں۔ جب وہ عورت خود اقراری ہے کہ یہ بکرا فلاں پیر کی نیاز کا تھا میں نے مجبوراً اسے بیچا ہے۔ اور جب کبھی جانا ہوا تو اسی قیمت کا دوسرا بکرا چڑھاؤں گی تو پھر کس طرح حلال ہو سکتا ہے۔ کھانے والے اور کھلانے والے کو تائب ہونا چاہیئے اور آیندہ کے لئے اجتناب چاہیئے۔ ہاں اگر وہ عورت اپنے سابقہ عقیدہ سے تائبہ ہو کر اسے شرک سمجھ کر فروخت کرتی کہ بجز ذات واحد کے کسی کے نام کی نذر ونیاز کرنا شرک اور حرام ہے تو البتہ حلال ہو سکتا و اذلیس فلیس فقط

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شعبان ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۶ء جلد ۸، نمبر ۹)

سوال (۱۲۸) زمین رہن یعنی گروی رکھنا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

(سائل رحمت خاں درزی از منڈی گیدڑبہا)

جواب (۱۲۸) صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شعبان ۱۳۴۶ھ کی جلد ۸ نمبر ۸ میں سوال ۱۳۳ کا جواب ملاحظہ ہو۔

سوال (۱۲۹) زید خود صوم وصلوۃ کا پابند ہے پیشہ اسکا طعام فروشی ہے رمضان شریف کے مہینہ میں نام کے مسلمان بے روزہ داروں کے ہاتھ روٹی وغیرہ فروخت کرتا ہے آیا ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟

(سائل خریدار صحیفہ اہلحدیث فوق الذکر)

جواب (۱۲۹) رمضان شریف میں غیر صاحب عذر بے روزہ دار مسلمان کے ہاتھ روٹی وغیرہ فروخت کرنا معصیت الہی پر ایک قسم کی اعانت اور مدد کرنا ہے جو ایسا نہ چاہیئے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان الآیۃ ہاں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں بھی کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ رکوع سجود قومہ باطمینان موافق شریعت کے کرتا ہو۔

سوال (۱۳۰) تحصیلدار کو کوئی صاحب زکوۃ سوائے سرکاری مال کے اگر کچھ خاص طور سے دیدے تو اسے لے لینا اور امیر یا امام کے پاس جمع کرانا اور یہ کہدینا کہ یہ مجھ کو الگ ملا ہے جائز ہے یا نہیں؟

(سائل ابو عبد الحفیظ خریدار صحیفہ از جودھپور)

جواب (۱۳۰) ہرگز جائز نہیں کیونکہ عامل یا تحصیلدار کو جو بیت المال سے تنخواہ ملتی ہے بس اسکا وہی حق ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تحصیلدار زکوۃ اگاکر لایا اور کہا کہ یہ تو سرکاری مال ہے اور یہ اس نے مجھ کو خاص طور سے دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کچھ سخت ترش الفاظ بولے اور آپ بہت ناراض ہوئے وغیرہ (کتب حدیث)

سوال (۱۳۱) صدقہ فطر قبل نماز عید کے نکال کر رکھ لیا پھر بسبب بھول کے تحصیلدار کے نہ پہنچنے کے بعد نماز عید کے دیا تو صدقہ فطر ادا ہوا یا نہیں۔ (سائل مذکور)

جواب (۱۳۱) مسئلہ تو یہی ہے کہ نماز عید کے قبل ہی ادا کر دینا چاہیئے اگر بھول چوک معاف ہے ایسی حالت میں بعد بھی ادا کریگا تو درست ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے کام کی نسبت دریافت کیا گیا جو کہ پہلے کرنا تھا مگر وہ بھول کے پیچھے کیا گیا تو آپ نے فرمایا لاحرج کوئی حرج نہیں۔ آئندہ کے واسطے خیال رکھنا چاہیئے۔

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۷ء جلد ۸، نمبر ۱)

سوال (۱۳۲) زیر زبر والا قرآن مجید یعنی معرب کی تلاوت کرنا بدعت ہے یا جائز؟

مستفتی ابو سعید محمد محی الدین صاحب ضلع ڈھاکہ

جواب (۱۳۲) جو شخص بدعت کہے اس کا قول خود بدعت ہے۔ معرب قرآن شریف کی تلاوت کرنا برابر جائز ودرست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اعربوا القرآن الحدیث یعنی قرآن پر (اعراب) زیر زبر لگاؤ۔ ملاحظہ ہو کتب حدیث

سوال (۱۳۳) بیٹا بیٹی کی طرف سے پوتی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے یا جائز؟

(سائل فوق الذکر)

جواب (۱۳۳) مطلقاً حرام اور ناجائز ہے قرآن مجید میں صریح الفاظ موجود ہیں حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ الآیۃ جیسے لفظ اُمہات میں سوتیلی ماں اور نانی دادی داخل ہیں اور ان کی حرمت اس سے بالوضاحت ثابت ہوتی ہے ایسے ہی لفظ بنات میں پوتی اور نواسی بھی داخل اور شامل ہے کذا فی موضح القرآن لمولانا شاہ عبد القادر الدہلوی رح

سوال (۱۳۴) ریل گاڑی میں نماز پڑھنا بدعت ہے یا جائز؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۳۴) ریل گاڑی کی کوئی تخصیص نہیں عام سواری پر جو اپنے قبضہ و قدرت کی ہو نفلی نماز پڑھنی جائز درست ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر حسب ضرورت پڑھ لیا کرتے تھے اور جو اپنے قبضہ و قدرت کی نہ ہو اس پر فرض و نفل دونوں پڑھنے جائز درست ہیں لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الدِّينُ يُسْرٌ وایضاً حَيْثُمَا أَدْرَكَتْ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ الحدیث۔

سوال (۱۳۵) زید کہتا ہے کہ جس وقت کوئی مسلمان مسجد میں وضو کر کے آئے تو بغیر پڑھے دو رکعت کے نہ بیٹھے۔ بکر کہتا ہے کہ بیشک افضل بہتر یہی ہے لیکن اگر بغیر پڑھے دو رکعت کے بیٹھ جائے تو اس کے لئے کوئی جرم یا وعید نہیں ہے۔ ہاں اگر جمعہ کے دن آئے تو بغیر پڑھے دو رکعت کے نہیں بیٹھ سکتا گو امام خطبہ ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ الغرض زید اسکا مخالف ہے اب آیا زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

سائل ابراہیم جیوری از بنگلہ فاضلکا

جواب (۱۳۵) دونوں میں سے بکر کا قول صحیح ہے۔

مفتی ابو محمد عبد الستار غفرلہ الغفار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۸ء جلد ۷، نمبر ۱۱)

سوال (۱۳۶) ناٹک اور تھیٹر، بائسکوپ میں جانا مسلمان کے لئے کیسا ہے۔ اگر اس نیت سے جائے کہ بادشاہ وغیرہ کے قصے دیکھنے سے کچھ فائدہ پہنچے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مستری محمد عمر صاحب ٹھیکیدار رائے سینہ دہلی خریدار صحیفہ اہلحدیث۔

جواب (۱۳۶) ہمارے نزدیک ایسے کل مقامات میں جانا تضیع اوقات اور لغو میں داخل ہے خدا رب العزت نے لغو بیہودہ جگہوں اور فعلوں سے منع کیا ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ روز محشر میں جب مالک الملک کی جانب سے سوال ہوگا کہ بتاؤ تم نے اپنی عمر اور اپنا وقت کہاں صرف کیا تو کیا یہی جواب دو گے کہ بائسکوپ اور ناٹکوں میں جہاں عورتوں مردوں کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں جہاں سے رحمت کا

فرشتہ کوسوں دور بھاگتا ہو جہاں دیگر فحش کام ہوتے ہوں وہاں صرف کی؟ شرم شرم شرم۔ ہاں بادشاہوں کے قصے قصائص دیکھنے کے لئے بھی کتاب و سنت کافی ہے۔ سورۂ قصص وغیرہ پڑھو اور آخرت کا فائدہ حاصل کرو۔

سوال (۱۳۷) کسی مسلمان موحد کی عورت بھاگ کر گھر سے نکل جاوے اور عرصہ تک حرام کراتی رہے اور اس کا خاوند غیر مردوں کے پاس اس کو اپنی آنکھ سے دیکھتا بھی رہے تو کیا اب بھی وہ مرد اس کو طلاق نہیں دے سکتا۔ اس عورت کو طلاق دینا لازم ہے یا گھر میں رکھ لینا مناسب ہے کیا وہ عورت شریعت سے الگ نہیں ہوئی؟ (سائل مذکور بالا)

جواب (۱۳۷) اگر عورت مذکورہ اپنے فعل قبیح سے توبہ کرے اور باز آ جائے تو مرد مذکور اسے اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ عورت عند اللہ صرف بوجہ حرامکاری کے اسلام سے خارج نہیں ہوئی مرتکبہ کبیرہ ہے۔ قرآن میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ جب عند اللہ مشرک اور کافر کی توبہ قبول ہے تو زانی اور زانیہ کی کیوں نہیں۔ ہاں اگر شخص مذکور کی غیرت تقاضا کرے اور وہ نہ رکھے تو یہ امر دیگر ہے اسے طلاق دیکر جدا کر دے۔ (مفتی ابو محمد عبد الستار غفرلہ الغفار المہاجری)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۸ء جلد ۷، نمبر ۱۲)

سوال (۱۳۸) زید لاولد تین ہمشیرہ اور دو چچا چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ زید کے پاس کچھ جائداد ہے۔ عرض یہ ہے کہ زید کے ہر دو چچا اور ہر سہ ہمشیرہ کو کتنا ورثہ ملے گا۔ بینوا توجروا۔

(سائل مولوی عبد الصمد صاحب خریدار صحیفہ)

جواب (۱۳۸) زید متوفی کا کل ترکہ بعد ادائیگی دین وما تقدم علی الارث کے ۳ سہام پر منقسم کر کے ثلثین ہر سہ اخوات اور ایک ثلث (مابقی) کے دو حصے کر کے ہر دو اعمام کو نصف نصف ملے گا بدلیل آیت کلام اللہ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ الآیۃ تفسیر جامع البیان میں تحت آیت مذکورہ مسطور ہے فَإِن كَانَتَا أَيِ الأُخْتَانِ اثْنَتَيْنِ فَصَاعِدًا فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ الأَخُ الخ

مسئلہ ۳ زید

میت

اخوات ۳ — ثلثین

اعمام ۲ — ثلث

سوال (۱۳۹) ایک عورت کو اس کے خاوند نے عرصہ تین سال سے خرچ نہیں دیا وہ ہر چند طلب کرتی رہی مگر اس نے کچھ توجہ نہیں کی جس کا شاہد ایک محلہ ہے اب وہ خاوند کرنا چاہتی ہے جہاں ارادہ کرنے کا ہوتا ہے وہاں فوراً اسکا خاوند مذکور یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو میری بیوی ہے میں نے طلاق نہیں دی۔ الغرض نہ تو آپ بساتا ہے نہ کسی دوسری

جگہ نکاح کرنے دیتا ہے۔ عورت مذکورہ نان ونفقہ وغیرہ حوائج انسانیہ سے نہایت تنگ اور محتاج ہے لہٰذا عرض ہے کہ عورت مذکورہ دوسری جگہ اپنا عقد کر سکتی ہے یا نہیں اور خاوند مذکور کے لئے کیا حکم ہے؟ (سائل حکیم برکت علی صاحب پنجاب)

جواب (۳۹) خاوند مذکور ازروئے قرآن وحدیث ظالم اور گنہگار ہے کہ صریح آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ کے خلاف کرتا ہے۔ عورت کا نان ونفقہ وغیرہ بذمہ خاوند واجب الاداء ہے جب اس وجوب کا وہ تارک ہے تو ازروئے شریعتِ محمدیہ عورت مذکورہ اپنا عقد اول فسخ کرا کے عقد ثانی بلا ریب کر سکتی ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ الآية

سوال (۴۰) بستیوں اور گاؤں میں جمعہ کی نسبت کیا حکم ہے کیونکہ اکثر لوگ جمعہ کیلئے شہر اور تجارت وغیرہ کی شرط لگاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کے وقت میں بستیوں اور گاؤں میں جمعہ پڑھا گیا ہو تو اس بستی کا نام معہ حوالہ کتاب وصفحہ تحریر فرماویں (سائل صدر الدین وابراہیم جھنیبہ صاحبان از پنجاب ریاست فریدکوٹ)

جواب (۴۰) بستیوں اور دیہاتوں میں جمعہ پڑھنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِ امْرَأَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ (ابوداؤد) حدیث ہذا سے اس امر کی بخوبی توضیح وتشریح ہو گئی کہ باستثنائے چار اشخاص (غلام، عورت، بچہ، بیمار) ہر مسلمان شخص پر جمعہ واجب اور فرض عین ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو بقیود محدثہ وشروط مخترعہ غیر معتبرہ (مثل سلطان ومصر وتعداد اشخاص وغیرہ) مقید ومشروط نہیں فرمایا بلکہ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ کا ایک واضح اور غیر مؤول لفظ فرما کر مؤولین ومخالفین کی تاویلات باطلہ کو یکدم رفع دفع کر دیا۔ ہاں جن لوگوں کے نزدیک دیہاتوں اور گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔ ان کے عندیہ میں اگر دیہات اور گاؤں میں کوئی مسلمان ہی نہیں رہا تو یہ امر دیگر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ مراد سعی فَاسْعَوْا سے دوڑنا نہیں بلکہ مطلق چلنا مراد ہے علامہ مصنف نے اسی لئے یہ تفسیر کردی کہ حدیث میں نماز کی طرف دوڑ کر آنا منع ہے کتاب التفسیر میں انشاء اللہ آئے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فَاسْعَوْا کی جگہ فَامْضُوْا پڑھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ قرات امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تفسیر کی مؤید ہے۔ اللہ کے ذکر (یاد) سے مراد امام کا وعظ وخطبہ ہے عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ اِلٰى مَوْعِظَةِ الْاِمَامِ آیت پارہ ۲۸ سورہ جمعہ میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے جمعہ کی فرضیت پر استدلال کیا ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت جب اذان ہو تو نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہونا اور چلنا فرض ہے کیونکہ اذان

فرض نمازوں کے لئے شروع ہوئی ہے لہٰذا جمعہ کی نماز بھی فرض ہے اور عہد نبوی میں بھی ایک اذان ہوتی تھی۔ آج کل جو لوگ مسجد میں دو اذانیں کہلواتے ہیں یہ ثابت نہیں۔ امام شافعی رحمہ نے اپنی کتاب الام میں جمعہ کی فرضیت پر آیت ہذا سے استدلال کیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت حرام ہے تو مباح چیز کا حرام ہونا نہیں ہوتا مگر واجب کے لئے۔ اور یہ آیت مدنی ہے لہٰذا جمعہ مدینہ میں فرض ہوا (فتح وقس وغ)

جمعہ کی فرضیت فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین ہے۔ جملہ فہدانا اللہ اس فرضیت وتعمیم پر دال ہے یعنی جمعہ یہود ونصاریٰ پر فرض تھا وہ بہک گئے۔ یہود نے ہفتہ کا دن مقرر کیا نصاریٰ نے اتوار کا۔ ہمیں اللہ نے ہدایت کی ہم جمعہ کی فرضیت پر قائم ہو گئے۔ مصنف عبدالرزاق میں بسند صحیح آیا ہے کہ آپ کے مدینہ تشریف لانے اور جمعہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے اور کہنے لگے یہود کے ہاں ایک دن ہفتہ ہے جس میں وہ جمع ہوتے ہیں اور عیسائیوں کے ہاں اتوار ہے۔ آؤ ہم بھی ایک دن ٹھہرا لیں جس میں اللہ کو یاد کریں۔ پس انہوں نے عروبہ کا دن ٹھہرایا اور اسعد بن زرارہ نے ان کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ الآية اس کی شاہد مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ کی روایت ہے۔ کعب بن مالک نے کہا مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے جس نے ہمیں جمعہ پڑھایا وہ اسعد بن زرارہ تھا الحدیث۔

معلوم ہوا کہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمعہ کا دن اجتہاد سے اختیار کیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجکر فرض کر دیا مسلم کی روایت میں ابوالزناد رضی سے آیا ہے كُتِبَ عَلَيْنَا یعنی اللہ نے ہم پر جمعہ فرض کر دیا۔ جمعہ کی فرضیت پر تمام امت کا اجماع ہے۔ بیہقی میں بروایت جابر وابی سعید رضی مرفوعاً آیا ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةَ الْجُمُعَةِ ابوداؤد میں ہے اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ نسائی میں ہے رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ عینی شرح بخاری میں ہے فَدَلَّ عَلٰى اَنَّ الْجُمُعَةَ اٰكَدُ مِنَ الظُّهْرِ الْفَرِيْضَةِ فَصَارَتِ الْجُمُعَةُ فَرْضَ عَيْنٍ یعنی جمعہ فرض عین ہے اور اس کی فرضیت ظہر کی فرضیت سے بھی زیادہ مؤکد ہے۔

ابن قدامہ رح نے مغنی میں کہا مسلمانوں نے جمعہ کے واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے اب جو لوگ اپنی نوکری، مزدوری، تجارت، سوداگری، کاشتکاری، زمینداری وغیرہ کی وجہ سے جمعہ چھوڑ دیتے ہیں یہ سب تارکِ فرض اور خدا کے چور ہیں۔ مسند احمد ومسلم میں مرفوعاً آیا ہے کہ جو جمعہ میں نہیں آتے میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے گھر جلا دوں۔ ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ یا تو لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر کر دیگا

پھر وہ غافلوں میں ہو جائیں گے۔ نسائی میں ہے جس نے تین جمعے بلا عذر شرعی چھوڑ دیئے اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ طبرانی کبیر میں ہے کہ وہ منافقوں میں لکھ دیا جاتا ہے ابن ماجہ میں ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ مسند ابویعلےٰ میں ہے اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ ابوداؤد و نسائی میں ہے جس نے بلا عذر شرعی جمعہ چھوڑا وہ ایک دینار (اشرفی) کفارہ ادا کرے یا نصف دینار (اگر غریب ہے) وغیرہ وغیرہ۔ فتح۔ قس ک۔ ع۔

امام نووی رح نے کہا یہ صحیح حدیثیں جن میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور متعدد طرق سے مروی ہیں امام مالک وغیرہ پر حجت ہیں۔ امام مالک رح وغیرہ کی رائے پر حدیث مقدم ہے حنفیہ کے نزدیک کسی سورت کو نماز میں مخصوص کرنا اور مالکیہ و بعض حنابلہ کے نزدیک نماز میں سجدہ والی سورت پڑھنا مکروہ ہے حالانکہ یہ دونوں فعل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام و صحابہ کرام رض و تابعین رح عظام سے ثابت ہیں دیکھو نووی شرح مسلم جلد اول ص ۳۶۱ قیام اللیل مروزی ص۳۔ ابوداؤد طیالسی ص۲۵۰ ج ۲۔ بیہقی ج ۲ کتاب الجمعہ ص۲۰۱ و نیز جلد ۲ ص۳۱۹ کتاب الصلوٰۃ۔ نیل الاوطار ج ۳ ص۱۵۵۔ تفسیر ابن کثیر۔ فتح البیان، در منثور، مشکوٰۃ و کتب صحاح ستہ۔ یہ کیسے مسلمان ہیں جو اپنے نبی کے فعل اور سنت کو مکروہ کہتے ہیں العیاذ باللہ۔

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا رد کیا ہے جو جمعہ کے لئے شہر وغیرہ کی شرط لگاتے ہیں۔ الحد۔ جب یہ ہے کہ جمعہ کی شرطیں جو برادران احناف نے لگائی ہیں وہ سب بے دلیل ہیں۔ اور جمعہ کی نماز دوسری نمازوں کی طرح ہے صرف جماعت کی اس میں شرط ہے یعنی امام کے سوا کم از کم ایک آدمی اور ہونا اور نماز سے پہلے دو خطبے پڑھنا۔ جو مسلمان گاؤں گوٹ یا کسی بستی میں رہتے ہوں دار الحرب ہو یا دار الاسلام جیسے اور وقتوں کی نماز ان پر فرض ہے ویسے ہی جمعہ بھی فرض ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بحرین کو لکھا تھا جَمِّعُوْا حَيْثُ مَا كُنْتُمْ تم جہاں کہیں بھی ہو جمعہ ضرور پڑھا کرو (ابن ابی شیبہ و صحیح ابن خزیمہ) بیہقی میں ہے کہ ہر شہر و ہر گاؤں جس میں جماعت ہو وہ جمعہ پڑھنے کا حکم دیئے جائیں کیونکہ مصر اور مصر کے آس پاس والے گاؤں گوٹ کے لوگ حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافت میں ان کے حکم سے جمعہ پڑھتے تھے۔ مسند عبد الرزاق میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح آیا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کے جھیٹر پر رہنے والے لوگ جمعہ پڑھتے تھے (فتح)

وکیع کی روایت میں ہے کہ جواثی بحرین کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ حافظ رح نے کہا ظاہر یہ ہے کہ قبیلہ عبد القیس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے بغیر اپنے گاؤں

میں جمعہ کی نماز قائم نہیں کی کیونکہ صحابہ کرام رض کی عادت تھی کہ زمانہ نزول وحی میں امور شرعیہ کیساتھ منفرد ہونے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ اگر گاؤں گوٹ میں جمعہ پڑھنا منع ہوتا تو ضرور اس کی ممانعت میں قرآن نازل ہو جاتا۔ اور جوہری و زمخشری وغیرہ نے جواثی کو جو قلعہ لکھا ہے تو یہ اس کے گاؤں ہونے کے منافی نہیں کیونکہ عہد نبوی میں یہ گاؤں تھا پھر آبادی بڑھتے بڑھتے شہر ہو گیا جیسے پنجاب میں امرتسر ایک پانی کا نام تھا اور اس پر ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ اب وہی گاؤں شہر ہو گیا۔ (فتح و تسہیل)

وادیٔ قریٰ مدینہ طیبہ کے ضلع میں ایک گاؤں ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو جمادی الثانیہ ۷ھ میں خیبر سے واپس آتے ہوئے فتح کیا تھا (فتح)

ایلہ ایک مشہور شہر ہے۔ شام کے راستہ میں مدینہ اور مصر کے درمیان سمندر کے کنارے پر اور رزیق عمر بن عبد العزیز رح کی طرف سے ایلہ کے مقامی امیر تھے اور ضلع ایلہ کے جنگل میں شہر سے باہر ان کی اپنی زمین تھی وہاں کاشت کراتے تھے، وہاں ان کے مزارع، نوکر چاکر اور کچھ حبشی رہتے تھے۔ زریق رح نے ابن شہاب زہری تابعی رح سے دریافت کیا کہ میں یہاں جمعہ قائم کروں؟ ابن شہاب رح نے حدیث پیش کر کے جواب لکھا کہ ہاں اس گاؤں و دیہات میں بھی ضرور جمعہ قائم کرو ورنہ قیامت کے دن پوچھے جاؤ گے۔ جس طرح ایک بادشاہ کے ذمہ اپنی رعیت کی نگہبانی دیکھ بھال لازم و ضروری ہے اسی طرح تمہارے ذمہ واجب ہے اپنے ماتحتوں میں جمعہ جماعت اعیاد وغیرہ احکام شرع قائم کرو۔

ابن منیر رح نے کہا اس حدیث میں دلیل ہے گاؤں گوٹ میں جمعہ قائم کرنے کی بخلاف حنفیہ کے جو شہر وغیرہ کی شرط لگاتے ہیں۔ اہلحدیث کے نزدیک جمعہ مثل دیگر نمازوں کے فرض ہے اگر کسی جگہ دو آدمی ہوں اور جمعہ پڑھیں تو جمعہ ادا ہو جائے گا۔ شہر یا بادشاہ یا مخصوص عدد کی شرط قرآن و حدیث میں نہیں آئی۔ البتہ امام ابن تیمیہ رح نے منتقیٰ میں جمعہ کی نماز چالیس آدمیوں کے ساتھ قائم کرنے اور گاؤں گوٹ بستیوں میں پڑھنے پر باب باندھا ہے۔ ابوداؤد و ابن ماجہ میں کعب بن مالک سے ہے کہ ہم مدینہ کے گاؤں گوٹ میں چالیس آدمی تھے اور اسعد بن زرارہ ہمیں جمعہ پڑھاتے تھے۔ یہ واقعہ ۴۰ آدمیوں کے شرط ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ یہ ایک خاص واقعہ ہے اس وقت اتفاقاً وہاں ۴۰ ہی آدمی تھے۔ اصول کا مسئلہ ہے وَاقِعَةُ عَيْنٍ لَا عُمُوْمَ لَهَا اس سے کم عدد بھی ثابت ہے طبرانی نے ابومسعود انصاری سے نقل کیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے کے پہلے جب شروع شروع مہاجرین مدینہ میں آئے تو مصعب بن عمیر رض نے ان کو جمعہ پڑھایا اور وہ سب بارہ آدمی تھے طبرانی و ابن عدی میں مرفوعاً آیا ہے کہ جمعہ ہر بستی میں واجب ہے اگرچہ وہ تین ہوں اور چوتھا ان کا امام ہو۔ یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رح کا اور ابویوسف رح و امام محمد رح کے نزدیک یہ شرط ہے کہ دو مقتدی ہوں

تیسرا امام۔ امام سیوطیؒ نے کہا جمعہ کے لئے کسی حدیث سے مخصوص عدد کی تعیین ثابت نہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو اور دو سے زیادہ کو جماعت فرمایا ہے۔ باقی نمازیں دو سے قائم ہو سکتی ہیں تو جمعہ کیوں نہیں قائم ہو سکتا (فتح وذیل)

مفتی ابو محمد عبدالستار غفرلہ الغفار المہاجری

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق نومبر ۱۹۲۷ء جلد ۸ نمبر ۶

سوال (۱۴۱) ماہ شعبان میں دو روزہ سے کم ہیں یا نہیں؟

(سائل محمد ادریس ساکن باہور ڈاک خانہ جنگی پور)

جواب (۱۴۱) ماہ شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے کم سے کم دو روزے ضرور رکھے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ آپ نے ایک صحابی کو شعبان کے روزے نہ رکھنے پر رمضان کے بعد دو روزے رکھنے کا حکم فرمایا فقط واللہ اعلم

سوال (۱۴۲) زید نے اپنی بی بی ہندہ کو ایک مجلس میں تین طلاق دیں۔ بعد چار مہینے کے زید رجعت کرنی چاہتا ہے۔ از روئے قرآن وحدیث کے زید کیلئے رجعت ہے یا نکاح ثانی۔ اگر نکاح ثانی ہے تو کس دلیل سے۔ بینوا توجروا! (سائل فوق الذکر)

جواب (۱۴۲) زید کی زوجہ مطلقاً نہیں رہی کیونکہ چار مہینے ہو چکے۔ زید کو چاہئے تھا عدت کے اندر رجعت کرتا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ اب بائنہ ہو چکی تو رجوع کیسا؟ ہاں تجدید نکاح کر سکتا ہے لقولہ تعالیٰ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ فقط واللہ اعلم

سوال (۱۴۳) کیا قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (سائل رفیق کرتالوی)

جواب (۱۴۳) عمداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ہاں البتہ اگر مجبوری سے قے ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

سوال (۱۴۴) زید برائے ادائے فریضہ حج مع اپنی بیوی وہمشیرہ جاتا ہے۔ زید کی سگی مامی بعمر اسی سالہ وزید کی ماموں زاد بہن بعمر ۴۴ سالہ ودیگر دو تین مستورات اہل محلہ واقم بھی زید کی ہی معیت میں ادائے فریضہ حج جانا چاہتی ہے۔ اندریں صورت زید کی حقیقی مامی و ماموں زاد بہن ودیگر مستورات از روئے شرع شریف زید کے ساتھ جا سکتی ہیں یا کہ نہیں۔ بینوا توجروا

سائل محمد اکرم از پٹیالہ سڑک توپ خانہ محلہ نندہ گراں

ہے مزید تفصیل کیلئے نصرۃ الباری شرح صحیح بخاری مترجم بین السطور بارہ چار مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱ سے منگا کر پڑھئے۔ قیمت مجلد تین روپے -/۳

جواب (۱۴۴) زید کی حقیقی مامی و ماموں زاد بہن حج بیت اللہ جا سکتی ہیں اور دیگر مستورات بھی جا سکتی ہیں کیونکہ آیت عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ عام ہے ونیز حدیث بخاری میں وارد ہے کہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ہاں اگر راستہ میں فتنہ فساد ہو تو امر دیگر ہے ورنہ امن میں کسی نیک صالح کے ہمراہی میں بغرض فریضہ کچھ جرم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (مفتی) عاجز الی اشفاق محمد اسحاق قائم مقام مفتی عبدالستار صاحب

نوٹ۔ فتووں کی غلطی پر ہر اہل علم اطلاع دے سکتے ہیں (مفتی)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۴۷ھ مطابق مارچ ۱۹۲۹ء جلد ۸ نمبر ۱۰)

سوال (۱۴۵) رمضان شریف میں جو حفاظ بوقت ختم قرآن شریف اخیر رکعت میں سورۂ بقرہ کو مفلحون تک پڑھ کر آیات دعائیہ پڑھتے ہیں۔ آپ صاحبان کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

دعا گو خدا بخش از نیکو کارہ (مورخہ ۴ شوال)

جواب (۱۴۵) اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ رمضان المبارک میں قرآن مجید اثنائے تراویح یا دیگر کسی وقت اور کسی حالت میں ختم کر کے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ از اول تا مفلحون پڑھنی شریعت اسلامیہ سے ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور زرارہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ ہر دو صحابی سے مروی ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ خدائے بزرگ وبرتر کے نزدیک کونسا عمل زیادہ بہتر اور محبوب تر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا! اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قِيْلَ وَمَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قَالَ صَاحِبُ الْقُرْاٰنِ يَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْاٰنِ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَمِنْ اٰخِرِهٖ اِلٰى اَوَّلِهٖ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ یعنی افضل ومحبوب ترعمل اُترنا اور کوچ کرنا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اُترنے اور کوچ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا وہ صاحب قرآن جو اول قرآن مجید سے پڑھنا شروع کرتا ہے اور آخر تک مسافر کی مانند منزلیں طے کرتا ہوا پہنچتا ہے اور آخر کی طرف سے ختم کر کے پھر اول کی طرف سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے الخ

اس حدیث کو حضرت امام الحجۃ الاوحد الثقۃ الحافظ المتقن ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی کتاب جامع ترمذی کے ابواب القراءت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور جناب الامام الحافظ شیخ الاسلام قدوۃ الجہابذۃ النقاد الاعلام ابو محمد عبدالرحمٰن دارمی سمرقندی اپنی کتاب "مسند دارمی" کے باب فی ختم القرآن میں اور جناب السید المجتہد المحقق الہمام المؤید من مولاہ القدیر الباری ابو الطیب صدیق بن حسن (قنوجی بخاری) والی ریاست بھوپال تفسیر فتح البیان میں لائے ہیں۔

حضرت الافضل الورع الماہر شمس المفاخر مولانا محمد طاہر صاحب مجمع بحار الانوار میں حدیث مذکور کی مزید تشریح وتوضیح یوں فرماتے ہیں اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ فِیْ جَوَابِ

جنازہ کی دعائیں مقتدی کیلئے ضروری ہیں یا نہیں

ای الاعمال افضل وفسرہ بالحال المرتحل وهو من یختم القرآن بتلاوته ثم یفتتح التلاوة من اوله شبهه بالمسافر یبلغ المنزل فیحل فیه ثم یفتتح سیره ای یبتدئ به وکذا قرأء مکة اذا ختموا القرآن ابتدأوا وقرءوا الفاتحة وخمس آیات من اول البقرة الی المفلحون یعنی کونسا عمل افضل ہے کے جواب میں آپ نے اترنا اور کوچ کرنا فرمایا ہے اور اس کی تفسیر فرمائی ختم کرنے والا اور شروع کرنے والا بایں طور کہ قرآن شریف کو ختم کرکے پھر اول سے تلاوت شروع کردے جیسا کہ مسافر ایک منزل طے کرکے دوسری شروع کردیتا ہے۔ اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے حفاظ مکہ مکرمہ قرآن مجید ختم کرکے پھر سورۂ فاتحہ اور پانچ آیتیں سورۂ بقرہ کی مفلحون تک پڑھتے ہیں۔

پس علامہ موصوف کی اس تشریح اور مکہ معظمہ کے قراء کے عمل سے بالوضاحت ثابت ہوا کہ قرآن مجید ختم کرکے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ مفلحون تک پڑھنی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور حفاظ قرآن شریف عمل درآمد کرتے آئے ہیں۔

سوال (۱۴۶) ادعیہ جنازہ مقتدی کے واسطے پڑھنی ضروری ہیں یا نہیں۔ جس شخص کو ادعیہ جنازہ یاد نہ ہو وہ شامل جنازہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ (سائل مذکور)

جواب (۱۴۶) جنازہ کی نماز میں مقتدی بھی ضرور ادعیہ مسنونہ پڑھیں کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مخاطب ہوکر مقتدیوں سے حکماً فرماتے ہیں اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء یعنی جب کبھی جنازہ کی نماز پر کھڑے ہو تو نہایت خلوص و انکساری کے ساتھ میت کے لئے دعا کرو۔

یہ حدیث ابن ماجہ، ابوداؤد، منتقی الاخبار، ابن حبان، بیہقی، تلخیص الحبیر وغیرہ میں ہے ... تلخیص الحبیر عون المعبود وغیرہ میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں والسنة ان یفعل من وراءه مثل ما فعل امامه یعنی جیسا کہ امام تکبیریں اور دعائیں وغیرہ پڑھے ویسے ہی مقتدی پڑھے۔

موطا امام مالک میں ہے عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم انها امرت ان یمر علیها بسعد ابن ابی وقاص فی المسجد حین مات لتدعو له الخ یعنی جب سعد بن ابی وقاص صحابی رسول اللہ کا انتقال ہوگیا تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جنازہ مسجد میں لاؤ تاکہ میں بھی جنازہ کی نماز میں شریک ہوکر اس کے لئے دعا کروں۔ پس اس حدیث سے بالوضاحت ثابت ہوا کہ عورتیں تک بھی مقتدی میت کے لئے دعا کریں۔

نیز ابوداؤد کی شرح عون المعبود میں باسناد ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ

کان ابن مسعود اذا اتی بجنازة استقبل الناس وقال یا ایها الناس سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لم یجتمع مائة یجتهدون له فی الدعاء الا وهب الله ذنبه وانکم جئتم شفعاء لاخیکم فاجتهدوا فی الدعاء الخ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب جنازہ کی نماز پڑھانے کھڑے ہوتے تو مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے کہ لوگو! میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنازہ کی نماز کے لئے سو آدمی جمع ہوجائیں اور وہ نہایت گڑگڑا کر میت کے لئے دعا کریں تو ضرور اللہ تعالیٰ ان کی دعا اس میت کے حق میں قبول فرماتا ہے اور تم اس وقت اپنے بھائی کی سفارش کے واسطے حاضر ہوئے ہو لہذا نہایت جدوجہد کے ساتھ اپنے بھائی کے حق میں دعا کرو

پس اس حدیث سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مقتدی میت کے لئے ضرور دعا کریں۔ باقی رہا یہ عذر کہ کسی مرد یا عورت کو کند ذہنی یا بڑھاپے یا اور کسی وجہ سے دعائیں یاد ہونی ناممکن ہوں تو اس مشکل کو بھی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھول دیا ہے چنانچہ مسند امام احمد۔ ابوداؤد و نسائی۔ ابن حبان۔ دارقطنی، مستدرک حاکم وغیرہ میں

عن عبد الله ابن ابی اوفی قال جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال انی لا استطیع ان آخذ من القرآن شیئا فعلمنی ما یجزئنی فقال قل سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم ایضا فان کان معک قرآن فاقرأ والا فاحمد الله وکبره وهلله

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کی اے اللہ کے رسول میں کلام اللہ کی سورت یا آیت پڑھنے سے عاجز ہوں۔ آپ مجھے کوئی ایسی مختصر اور آسان سی دعا سکھلائیے جو قرآن مجید کے بجائے اسکو پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ لیا کر۔ ایک اور شخص سے آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے قرآن شریف پڑھنا آتا ہے تو پڑھ ورنہ الحمد للہ۔ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پڑھ لیا کر۔

مذکورہ بالا ہر دو حدیث سے یہ سمجھا گیا کہ جب فرض عین نماز میں مختصر الفاظ کی تعلیم دی گئی تو سنن نوافل اور فرض کفایہ نماز میں بالاولیٰ درجہ مختصر طور پر اکتفا ہوسکتا ہے لہذا ہر دو حدیث مذکورہ کی بنا پر مسلمان و متبع سنت بنی الاسلام علی خمس کے پابند کی نماز جنازہ میں موحد متبع سنت شخص کو ضرور شامل ہونا چاہیئے اور یہ چھوٹی سی دعا یعنی اللهم اغفر له وارحمه فقط اللهم اغفر له پڑھتا رہے اور واعفه من عذاب القبر وعذاب النار

یہ دعا منقول ہے

سوال (۱۴۷) اگر مؤذن امام ہو تو وہ خود تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں بمع ثبوت تحریر فرمائیں
سائل مذکور

جواب (۱۴۷) جواب والا صحیفہ باوجود تلاش و کوشش بسیار دستیاب نہ ہو سکا
مفتی ابو محمد عبدالستار غفرلہ الغفار المہاجری

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۸ء جلد ۷ نمبر ۱۲
ماہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۶ء جلد ۸ نمبر ۳

سوال (۱۴۸) ایک امام نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ اول رکعت میں بعد فاتحہ کے سورۃ لھب پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی۔ جب امام نماز سے فارغ ہوا تو ایک مقتدی جو دیوبند کے تعلیم یافتہ ہیں کہا کہ نماز نہیں ہوئی۔ نماز پھر سے دہراؤ کیونکہ شامی میں لکھا ہے کہ اگر چھوٹی سی سورت بیچ میں چھوڑ دی جاوے تو نماز فاسد ہے۔ امام نے کہا نماز ہوگئی دوہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ نماز دوہرانی چاہیئے یا نہیں؟
(سائل محمد زکریا)

جواب (۱۴۸) نماز دوہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ امام مذکور حق بجانب ہے عندالشرع (یعنی قرآن وحدیث) ایک یا زیادہ سورتیں چھوٹی ہوں یا بڑی درمیان میں چھوڑ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ سورتوں کی تقدیم وتاخیر وتعیین سے نماز میں عندالشرع کچھ نقص آتا ہے یہ مذہبی لوگوں کی من گھڑت ہے۔ شامی کوئی دین اسلام کی کتاب نہیں جو قابل حجت ہو سکے۔

سوال (۱۴۹) زید ڈاڑھی صفاچٹ کراتا ہے۔ امام مسجد نے زید سے کہا کہ ڈاڑھی منڈوانا حرام اور نصاریٰ کی مشابہت ہے۔ پس زید نے کہا کہ ڈاڑھی منڈوانا اپنی خوشی کی بات ہے خواہ منڈواوے خواہ رکھے۔ ہم نے کابل و مصر وغیرہ میں دیکھا ہے وہ منڈواتے ہیں۔ اگر حرام ہوتا تو وہ لوگ کیوں منڈواتے۔ سوال یہ ہے کہ ڈاڑھی منڈوانا کیسا ہے اور منڈوانے والے کے واسطے کیا حکم ہے؟
(سائل مذکور)

جواب (۱۴۹) ڈاڑھی منڈوانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور منڈوانے والا مرتکب کبیرہ کا ہے اگر اپنے اس فعل پر شرمندہ ہو تو مسلمان ہے اور اگر مقابلہ کرے اور گناہ کبیرہ حرام نہ سمجھے بلکہ جائز و درست جانے اور حدیث رسول کے مقابلہ میں عوام الناس کی مثال پیش کرے تو کافر ہے۔ یوں تو انگریز خنزیر کھاتے ہیں تو کیا ان کے کھانے سے وہ حلال ہے اور اس کا کھانا درست ہرگز نہیں کسی کے کرنے نہ کرنے پر مسئلہ شرعی کا دارومدار نہیں ہے وقس علیٰ ہذا

سوال (۱۵۰) زید نے امام مسجد سے کہا کہ خطبہ مترجم پڑھنا بند کردو کیونکہ مترجم پڑھنے کو

علمائے دیوبند نے مکروہ لکھا ہے لہذا حرام ہے اور ہم سب کی نماز خراب ہوجاتی ہے۔ امام نے کہا کہ خطبہ مترجم پڑھنا جائز ہے اور نماز خراب نہیں ہوتی۔ آیا امام کا قول صحیح ہے یا زید کا؟ نیز خطبہ مترجم بند کردیں یا نہیں؟
(سائل مذکور)

جواب (۱۵۰) امام کا قول صحیح اور زید کا قول غلط ہے۔ نیز خطبہ مترجم پڑھنا جائز و درست ہے۔ علمائے دیوبند کا قول قابل سند نہیں تاوقتیکہ کوئی آیات قرآنی یا حدیث نبوی ماثلت میں نہ ہو کما لا یخفی علیٰ ماہر الکتاب والسنہ۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ الآیۃ یعنی ہر نبی کو ہم نے اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے تاکہ وہ ان کی مادری زبان میں ہمارا کلام سمجھا سکے۔ اب اگر صرف عربی میں خطبہ دیا جائے تو کون سمجھے گا خطبہ کا مقصد بھی فوت ہوجائے گا۔
(مفتی ابو محمد عبدالستار غفرلہ الغفار المہاجری)

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شعبان ۱۳۴۴ھ مطابق فروری ۱۹۲۶ء جلد ۸ نمبر ۸

سوال (۱۵۱) زید کا نکاح ایک نابالغہ لڑکی سے آگرہ میں ہوا اور زید اس کو اجمیر لے گیا وہاں لاکر اس کو تکلیفیں دیں اور زدوکوب کی اکثر نوبت ہوتی رہی۔ اب اسی وجہ سے لڑکی مجبور ہوکر اس کے نکاح میں رہنا نہیں چاہتی اور زید بھی اس کو طلاق دینا چاہتا ہے مگر اس کا مہر ادا کرنا نہیں چاہتا۔ اب لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہے اور زید اس سے جماع و خلوت صحیحہ کرچکا ہے۔ کیا ایسی صورت میں لڑکی زر مہر حاصل کرنے کی مستحق ہے یا نہیں؟
(سائل حافظ محمد عمر ساکن آگرہ)

جواب (۱۵۱) برابر مستحق ہے جب کہ زید اپنی منکوحہ سے جماع کرچکا ہے تو مہر اسکا واجب الادا ہے۔ زید پر فرض ہے کہ مہر ادا کرے کیونکہ اسی مہر کی وجہ سے ہی وہ اس کے لیے حلال ہوئی تھی لقول النبی صلے اللہ علیہ وسلم فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا حالت عدم ادائی میں زید عنداللہ سخت مجرم اور زانی ہے۔ ہاں اگر منکوحہ زید بخوشی خاطر زید کے لئے کچھ یا سب معاف کردے تو یہ امر دیگر ہے پھر کچھ جرم نہیں فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ الآیۃ

سوال (۱۵۲) میری بہن چار برس کی تھی جب میری والدہ نے میری ہمشیرہ کی شادی کردی تھی اور اب میری بہن کی عمر سولہ سال کی ہے اور اس کا شوہر دیوانہ و مجنون ہوگیا ہے کچھ سنتا سمجھتا نہیں اور نہ اس کے نان ونفقہ کا کفیل ہوتا ہے نہ طلاق دیتا ہے اور میری بہن مجبور ہے۔ اب شریعت کیا فیصلہ دیتی ہے؟
(سائل سید علی ساکن شہر مرزاپور)

جواب (۱۵۲) اگر واقعی لڑکی مذکورہ بالغہ کا شوہر مختل الحواس ہوگیا ہے اور علاج معالجہ کچھ نہیں ہوسکتا اور لڑکی مجبور ہے تو شریعت محمدی تفریق کا حکم دیتی ہے ان دونوں کا نکاح فسخ کرادیا جائے

کردیا جائے جب وہ اس کے نان ونفقہ وغیرہ کا کفیل نہیں تو کیونکر نکاح رد سکتا ہے۔

سوال (۱۵۳) زکوٰۃ الفطر کس جگہ جمع کرنا چاہئے۔ زید کا قول ہے کہ ہر شخص تقسیم کرسکتا ہے اور بکر کا قول یہ ہے کہ امام کے پاس جمع کرے۔ امام جس طرح چاہے تقسیم کرے اب صورت مسئولہ میں کس کا قول صحیح ہے؟

(سائل مولوی عبدالرزاق صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ کالیدھر گھاٹ)

جواب (۱۵۳) واضح باد کہ قولیں میں سے زید کا قول غلط اور بکر کا قول صحیح موافق کتاب وسنت کے ہے۔ واقعی زکوٰۃ فرض وزکوٰۃ الفطر وغیرہ امام کے حوالہ کرنا چاہئے۔ اسکے متعلق متعدد احادیث واضحہ مروی ہیں چنانچہ موطا امام مالک میں ہے کہ ابن عمر صدقہ فطر عید کے دو دن پہلے اس شخص کے پاس بھیجدیا کرتے تھے جس کے پاس فطرہ جمع کیا جاتا تھا اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ صَدَقَةَ الْفِطْرِ اِلَى الَّذِيْ تَجْمَعُ عِنْدَهٗ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ

نیز فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۹۸ میں ہے کہ ابن عمر صدقہ فطر اس شخص کے حوالہ کردیا کرتے تھے جس کو امام نے فطرہ تحصیلنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ نیز مولانا عبداللہ صاحب غازی پوری مرحوم بھی اپنے فتوے میں بایں الفاظ رقمطراز ہیں کہ کل قسم کے صدقات (یعنی زکوٰۃ وصدقۃ الفطر وغیرہ وغیرہ) سب امام کے حوالے کردینے واجب ہیں۔

مفتی ابو محمد عبدالستار غفرلہ الغفار المہاجری

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان المبارک مطابق مارچ ۱۹۲۶ء جلد ۹ نمبر ۹)

سوال (۱۵۴) ہندہ بالغ ہو یا نابالغ بغیر اپنے ولی جائز باپ کے غیر کفو میں نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

(سائل عمرالدین جوتہ فروش)

جواب (۱۵۴) ہندہ اگر مسلمہ وموحدہ ہے اور ولی ہندہ گور پرست وتعزیہ پرست مشرک بے دین ہے اور وہ اپنے ہی جیسے شخص بے دین تارک صوم وصلوٰۃ سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور ہندہ کسی مسلم شخص خواہ برادری کا ہو یا غیر برادری کا سے کرنا چاہتی ہے تو ہندہ اپنا عقد بولایت امام وقت یا دیگر کسی مسلم شخص کے کرسکتی ہے خواہ ولی جائز کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر ہندہ کسی بے دین سے کرنا چاہتی ہے بوجہ اس کے مال یا خاندان وغیرہ کے اور اس کا ولی دیندار سے کرنا چاہتا ہے تو ہندہ اپنا نکاح بغیر ولی کے ہرگز نہیں کرسکتی لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ الغرض دین بہر صورت مقدم ہے اور شریعت میں دین ہی کا نام کفو ہے۔

۱؎ اگر مسئلہ ہذا کی مزید تفصیل درکار ہو تو مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی سے کتاب بنام زکوٰۃ پر فتوی قیمتاً منگا کر ملاحظہ فرمائیں۔

سوال (۱۵۵) زید کہتا ہے کہ آج کل امام وقت مولانا مولوی عبدالوہاب صاحب دہلی ہیں جو کوئی ان کی بیعت نہ کرے گا اس کا کوئی عمل مقبول نہیں وہ شخص کافر ہے۔

(سائل حافظ غوث محمد نہاری)

جواب (۱۵۵) زید کا یہ کہنا کہ آج کل امام وقت مولانا وامامنا مولوی عبدالوہاب صاحب اطال اللہ عمرہ ہیں بالکل درست اور بجا ہے کیونکہ مولانا صاحب موصوف کو ایک جماعت کثیر اہلحدیثوں کی اپنا امام مان چکی ہے اور وقتاً فوقتاً ان سے اپنے امور دینیہ کی اصلاح کرتی رہتی ہے اللھم زد فزد۔ امام وقت کی سب سے بڑی شناخت دوسرے الفاظ میں شرط یہی کہ وہ داعی الی اللہ ہو چنانچہ مولانا شہید دہلوی اپنے منصب امامت میں رقمطراز ہیں لہذا مولانا موصوف سلمہ اللہ ہیں بفضلہ تعالیٰ علاوہ اس کے اور بھی شرائط موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ امام ہیں۔ رہا یہ کہ جو شخص ان کی بیعت نہ کرے گا وہ کافر ہے وغیرہ وغیرہ سب اتہامات ہیں۔ بلکہ حدیث میں تو یوں آیا ہے کہ جو شخص امام وقت کی بیعت نہ کرے گا وہ جہالت کی موت مرے گا جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے۔ زید کا یہ قول غلط اور خلاف حدیث ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بیعت کرنے والے اشخاص پر لعنت طعنہ واستہزا کرے اور حدیث رسول اللہ کو بوجہ تاویلات باطلہ کے نہ مانے تو وہ شخص بیشک کافر ہے۔

سوال (۱۵۶) کیا جناب کا بھی یہی حکم ہے کہ جو شخص جناب کی بیعت نہ کرے وہ کافر ہے اگر ہے تو اس کا کیا ثبوت اور اگر نہیں تو ایسے قائل کو کیا کہا جائے (سائل مذکور)

جواب (۱۵۶) مولانا صاحب کا یہ حکم نہیں کہ جو میری بیعت نہ کرے وہ کافر ہے بلکہ مولانا موصوف کا وہی حکم ہے جو حدیث رسول اللہ صلعم کا ہے یعنی مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً پس جو کوئی یہ کہے کہ مولانا صاحب بیعت نہ کرنے والے کو کافر کہتے ہیں تو وہ دروغ گو اور کاذب ہے۔

نوٹ: سائل صاحب مطلع رہیں کہ آپ کا یہ نام غوث محمد ٹھیک نہیں۔ اگر پہلا لفظ اڑا کر صرف محمد رکھ لیں تو کیا ہی خوب ہو فقط

مفتی ابو محمد عبدالستار حنفی عنہ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۴۴ھ مطابق اپریل ۱۹۲۶ء جلد ۹ نمبر)

سوال (۱۵۷) جس جانور کے ساتھ زنا کیا جائے اس جانور کا دودھ پینا یا اس کا گوشت کھانا یا اس کی قیمت استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے (سائل عظیم علی ضلع رہتک)

جواب (۱۵۷) ایسے جانور کا دودھ پینا یا اس کا گوشت وغیرہ استعمال کرنا عند الشرع جائز نہیں ہے۔ شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس جانور کو قتل کردیا جائے (کتب حدیث)

سوال (۱۵۸) زید ننگے سر نماز پڑھتا ہے اور اس کے پاس ٹوپی یا پگڑی

موجود ہے اور اس فعل کو سنت سمجھ کر دوسروں کو رغبت دلاتا ہے اور اس فعل پر عمرو لعن طعن کرتا اور برا بھلا کہتا ہے حتیٰ کہ فعل مذکور کے مرتکب کو بدعتی مفسد بے دین گمراہ وغیرہ الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ کیا اس فعل کا ثبوت قرآن و حدیث میں پایا جاتا ہے یا نہیں؟ (سائل محمد اسمٰعیل ضلع مالدہ ڈاک خانہ بمن گولہ)

جواب (۱۵۸) فعل مذکور کا ثبوت بڑے وثوق کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ بیشک ننگے سر نماز پڑھنا بھی مسنون طریقہ ہے۔ اس کو بدعت کہنے والا شخص خود بدعتی وغیرہ وغیرہ ہے۔ یہ فعل عہد نبوی کے بعد بھی تعامل صحابہ سے ثابت ہے چنانچہ ایک صحابی نے نماز پڑھائی اور اپنی ٹوپی وغیرہ اتار کر کھونٹی پر رکھدی اور ننگے سر نماز پڑھائی بعد از فراغت نماز کسی معترض نے اعتراض کیا کہ یہ فعل آپ نے کیوں کیا تو صحابی نے جواباً فرمایا کہ (لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ) اس لئے کہ تجھ جیسے احمق نبی کی سنتوں کو بدعتی کہنے والے معلوم کرلیں کہ یہ بھی سنت ہے۔ الغرض زید بجانب حق و ہدایت اور عمرو مفسد بجانب ناحق و ضلالت ہے۔

سوال (۱۵۹) بعد نماز فرض کے اگر کوئی شخص دعا کرے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور دعا کر کے منہ پر ہاتھ ملنے کے وقت کیا کہنا چاہئے یا صرف لا الہ الا اللہ کہے یا اسکے ساتھ محمد رسول اللہ بھی کہے قرآن حدیث سے مدلل ثبوت ہو۔ بینوا توجروا (سائل فوق الذکر)

جواب (۱۵۹) بعد نماز کے دعا کر سکتا ہے اور دعا کر کے منہ پر ہاتھ ملنے کے وقت نہ لا الہ الا اللہ کہے اور نہ محمد رسول اللہ کہے بلکہ قرآنی تعلیم کے مطابق آخر میں یوں پڑھے سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قرآن مجید پ سورہ یونس میں خدائے رب العزت نے یہی فرمایا ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سوال (۱۶۰) ہندہ موحدہ اہلحدیث کا نکاح زید حنفی مشرک بدعتی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (سائل محمد حسن از جھتری پانی ضلع ڈیرہ دون)

جواب (۱۶۰) حنفی جسمیں اہلحدیث جس میں شرک کفر بدعت پایا جاوے اس سے بیٹا بیٹی اور تحفہ تحائف حصہ بخرا بھاجی وغیرہ موالات کا لین دین کرنا حرام ہے لقولہ تعالیٰ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۔ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (پ ۲ س بقرہ) اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهٖ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (پ س الممتحنہ) لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۔

مفتی ابو محمد عبدالستار عفی عنہ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۸ء جلد ۵ نمبر ۱۱)

سوال (۱۶۱) زید قبروں پر شیرینی اور روپیہ بانٹتا ہے اور آگ روشن کرتا ہے اور میت کے ساتھ بھی آگ لیجاتا ہے اور قبروں میں خود روپیہ دیکر مکان بنواتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ یہ تمام کام جائز نہیں۔ آیا زید حق پر ہے یا بکر؟ (سائل ابو عبدالاحد احمد پنجابی)

جواب (۱۶۱) بکر حق پر ہے اور زید ناحق اور باطل پرست ہے۔ واقعی قبور پر شیرینی تقسیم کرنا بدعت اور ممنوع ہے اور آگ جلانا روشنی کرنا رسم مجوس ہے۔ نیز تعمیر مکانات مسجد و قبہ وغیرہ قبرستان میں قطعاً حرام اور شرک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو قبروں پر چراغ جلاتے اور کسی قسم کی عمارت بنواتے ہیں۔ جامع ترمذی میں ہے لَعَنَ اللّٰهُ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ

سوال (۱۶۲) صدقۂ فطر و زکوٰۃ وغیرہ حقیقی ہمشیرہ کو دینے کا حکم کس طرح ہے؟ (سائل فوق الذکر)

جواب (۱۶۲) صدقہ فطر و زکوٰۃ حقیقی ہمشیرہ وغیرہ کو باجازت امام دیسکتا ہے ورنہ نہیں۔

سوال (۱۶۳) زنانی میت پر لال چادر یا پھولوں کی چادر ڈالنا کیسا ہے؟ (سائل عبدالحمید از سکندرآباد)

جواب (۱۶۳) زنانی میت پر لال چادر یا پھولوں کی چادر بہ نیت ثواب یا دینی حکم سمجھ کر ڈالنا سراسر بدعت اور ممنوع ہے كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ہاں دھاریدار لنگی ڈالنا دینی بات اور باعث اجر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش پر بھی دھاریدار لنگی ڈالی گئی تھی

سوال (۱۶۴) اور ایسی حالت میں جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مذکورہ بالا)

جواب (۱۶۴) ہرگز نہیں جب وہ بدعتیوں کا جنازہ ہے اور اس جنازے پر بدعت کا ارتکاب کیا جارہا ہے تو عندالشرع ایسی مجلس میں شریک ہو کر رونق افزائی کرنا منع ہے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

سوال (۱۶۵) قبر میں جواب نامہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور الصدر)

جواب (۱۶۵) ہرگز جائز نہیں بلکہ بدعت ہے کیونکہ زمانہ خیر القرون میں اس کا ثبوت مفقود اور لاپتہ ہے

سوال (۱۶۶) قبرستان میں لوبان جلانا یا اگربتی جلانا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل فوق الذکر)

جواب (۱۶۶) جائز نہیں۔ یہ جملہ امور لوگوں کے تراشیدہ اور مشہور کردہ ہیں ان کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں ہے فقط

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار مدرسہ دار الکتاب والسنہ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۶ء جلد ۵ نمبر ۱۲)

سوال (۱۶۷) زید متوفی دو بیٹے اور ایک فوت شدہ بیٹے کے لڑکے یعنی اپنے پوتے کو چھوڑ کر مر گیا۔ ایا اب پوتے اور بیٹوں کا حصہ شرعاً کس طرح ہونا چاہیے۔

(سائل ایک اہلحدیث از بریلی)

جواب (۱۶۷) عند الشرع زید متوفی کے بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتا ترکہ کا وارث نہیں۔ ہاں اگر زید اپنے ثلث مال میں سے کچھ اس کے لئے وصیت کر گیا ہو تو وہ لے سکتا ہے یا اس کے چچا تائے کچھ بطیب خاطر اس کے ساتھ سلوک کر دیں تو لے سکتا ہے۔

میت مسئلہ زید

ابن	ابن	ابن الابن
بکر	عمرو	خالد
۱	۱	م

سوال (۱۶۸) قبور منبوشہ مقلدین جہلاء میں مکانات بنانا کیسا ہے:

(سائل مولوی عبد المنان صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ بنگال)

جواب (۱۶۸) قبور منبوشہ مشرکین میں جب کہ ان کو منہدم و بے نشان کر دیا جاوے مکانات یا مساجد بنانا جائز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور مشرکین کو تڑوا کر مسجد بنوائی تھی۔

(کتب حدیث)

سوال (۱۶۹) بھتیجے نے پھوپھی کا دودھ پیا اسے قے ہو گئی بچا نہیں۔ طبیعت خراب ہو گئی۔ پھر وہ لڑکی مر گئی۔ اس کے اوپر سے ایک لڑکا مرا ہوا پیدا ہوا۔ تیسرے درجہ میں ایک لڑکی اور پیدا ہوئی اس لڑکی کے ساتھ اس لڑکے کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(سائلہ امۃ اللہ از دہلی)

جواب (۱۶۹) لڑکے مذکور کا نکاح لڑکی مذکورہ سے ہو سکتا ہے عند الشرع رضاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے کہ جب بچہ پانچ دفعہ پیٹ بھر کر ایسا دودھ پیئے کہ وہ اس کی غذا بن جائے اور اس سے اس کی نشو و نما ہو۔ ترمذی ص۱۴۴ میں ہے اُنْزِلَ فِي الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ فَنُسِخَ مِنْ ذٰلِكَ خَمْسٌ وَصَارَ اِلٰى خَمْسِ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ دوم یہ کہ اس لڑکی نے اس کے ساتھ دودھ نہیں پیا۔ رضاعی بہن اس کی وہ ہو سکتی تھی جو مر گئی۔ (مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۲۶ء جلد ۹ نمبر ۵)

سوال (۱۷۰) زید کہتا ہے کہ کافروں کا مال جس طرح ہو کھا جائے خواہ چوری سے ہو یا زبردستی سے۔ بکر کہتا ہے کہ چوری سے درست نہیں فقط زبردستی سے کھانا جائز ہے کس کا قول صحیح ہے؟

(سائل ولی محمد از بھٹنڈہ)

جواب (۱۷۰) بکر کا بوقت جہاد۔

سوال (۱۷۱) زید کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء وغیرہ سے فرمایا ہے کہ تم امراء کے پاس جا کے مت بیٹھا کرو۔ یہ متکبر لوگ ہیں۔ امراء (اغنیاء) کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے۔ دیگر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ دولت مند عورتوں کے پاس مت جایا کرو۔ یہ کہنا زید کا صحیح ہے یا غلط؟ جواب حدیث اور کس کتاب میں ہے مع صفحہ عنایت ہو

(سائل شیخ حاجی سراج الدین صاحب دہلوی)

جواب (۱۷۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے امراء کے پاس جانے میں دین کا خطرہ ہے (مشکوٰۃ ص۳۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْاَغْنِيَاءِ مالداروں کی صحبت سے دور رہنا۔

(ترمذی ص۲۳۷ جلد اول)

ایک حدیث میں ہے امراء اغنیاء کی صحبت سے بجز معصیت الٰہی و نافرمانی رسول کے ذاتی کچھ حاصل نہیں ہوتا (ابن ماجہ۔ کذا فی المشکوٰۃ ص۴۳)

سوال (۱۷۲) آنحضرت پر جو ایمان لائے وہ غرباء تھے یا امراء۔ دین کو جو ترقی ہوئی وہ غرباء سے یا امراء سے؟

(سائل فوق الذکر)

جواب (۱۷۲) صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۱ ص۵ میں ہے فَاَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَقُلْتُ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ آپ کے تابعدار غریب لوگ ہیں۔ نیز بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا اسلام کی نشو و نما غریب لوگوں میں ہوئی ہے (مشکوٰۃ ص۲۷)

سوال (۱۷۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تئیں امراء میں شمار کرتے تھے یا مساکین غرباء میں وہ کونسی حدیث سے ثابت ہے جو آپ دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ مجھ کو مسکینوں میں جلا اور مسکینوں میں مار اور مسکینوں میں میرا حشر کر۔ اس حدیث کو مع حوالہ کتاب تحریر فرماویں۔

(سائل مذکور)

جواب (۱۷۳) جناب باری عز اسمہ کی بارگاہ میں آپ کی التجا تھی خدایا میری حیات و ممات اور حشر و نشر مساکین کے ساتھ کیجیو (ترمذی ص۲۵۸) نیز آپ نے فرمایا ہے اَبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ مجھے غریبوں میں ڈھونڈا کرو۔ میں ان میں بیٹھا پایا جاؤں گا (مشکوٰۃ) وغیرہ وغیرہ فقط (مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۹ء جلد ۹ نمبر ۷)

سوال (۱۷۴) جھوٹی تہمت لگا کر اشتہار بازی کر کے کسی مسلمان کو بدنام کرنا شرعاً کیا حکم ہے؟

(سائل شیخ سراج الدین صاحب دہلوی)

جواب (۱۷۴) کسی بری شخص پر تہمت لگا کر بدنام اور ذلیل کرنا اور جو بات بھی مسلمانوں کی نسبت اڑتی ہوئی سنی اسے بلا تحقیق عوام الناس میں شائع کر دینا منافقوں کا کام ہے۔ سورۂ احزاب پارہ ۲۲ عہد نبوی میں اکثر منافق سچے پکے مسلمانوں پر قسم قسم کے اتہامات و افترا بازی کیا کرتے تھے کما یدل علیہ قصۃ الصدیقۃ رضی اللہ عنہا۔ حدیث ابن عباس میں موجود ہے اَشَدُّ الرِّبَا وَاَرْبَی الرِّبَا وَاَخْبَثُ الرِّبَا انْتِهَاكُ عِرْضِ الْمُسْلِمِ وَانْتِهَاكُ حُرْمَتِهٖ (ابن ابی الدنیا و بیہقی) یعنی سب سے سخت اور بڑا اور خبیث تر بیاجوں کا بیاج ایک مسلمان متبع سنت کو بدنام اور ذلیل کرنا ہے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا شخص سب سے بڑا اور پکا سود خوار ہے العیاذ باللہ آجکل لوگوں نے اہل اسلام خصوصاً عالم باللہ و فی اللہ کی تحقیر و تذلیل کو اپنے بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھا ہوا ہے حالانکہ عند اللہ وہ منافق اور سود خوار دل سے بھی بدتر ہیں۔ خدا پناہ دے آمین۔

سوال (۱۷۵) ایک اشتہار میری نظر سے ۹ اگست ۲۶ء کو گذرا اس میں دیکھتا ہوں کہ جماعت غرباء اہلحدیث کے لوگوں نے اس میں اعلان کیا ہے کہ فلاں دن حاجی صاحبان تشریف لائیں گے سب بھائی ان کے استقبال کو جائیں اور ان سے ملاقات کے وقت یہ دعاء پڑھیں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ۔ اس کے بالمقابل جماعت اہلحدیث دہلی تحریر کرتی ہے کہ اس اشتہار میں گاندھی جیسا جلوس دکھایا گیا قدرت کی طرف سے اس جلوس کو مٹایا گیا۔ پس کیا حاجیوں سے ملاقات کرنا اور دعاء استغفار کروانا امر مسنون ہے۔ اگر ہے تو کیا ایسے نام کے اہلحدیث رہ گئے ہیں جو سنت کے کام کو مشرکین ہنود کے نام سے تشبیہ حوالہ دیتے ہیں ایسی تحریر کرنے والوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ (سائل فوق الذکر)

جواب (۱۷۵) حاجی کے استقبال کو جانا اور اس سے دعاء استغفار کرانا امر مشروع ہے حاجی کی دعاء قبل دخول گھر قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۵ جلد اول میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آیا ہے کہ جب حاجی سے ملاقات کرو تو سلام و مصافحہ کے بعد گھر میں داخل ہونے سے پہلے اس سے اپنے لئے استغفار کراؤ کیونکہ وہ مغفور لہ ہے (مسند احمد) پس ایک امر مشروع کو فعل کفار کے ساتھ مشابہت دینا اعلیٰ درجہ کا نفاق اور سخت ترین جرم ہے العیاذ باللہ فقط (مفتی ابو محمد عبدالستار غفر لہ الغفار)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۸ء جلد ۹ نمبر ۱۲)

سوال (۱۷۶) عورت کی پنجگانہ نماز یا جمعہ کے دن یا رمضان شریف میں پانچ راتیں شب قدر کی مسجد میں پڑھنی افضل ہیں یا اپنے گھر میں۔

سائل حاجی شیخ سراج الدین صاحب دہلوی۔

جواب (۱۷۶) عورتوں کا جمعہ و اعیاد و پنجگانہ نماز میں شریک ہونا قرآن حدیث سے ثابت ہے۔ افضلیت امر دیگر ہے۔ جب عورتیں لباس فاخرہ و عطریات پھول و زیورات وغیرہ پہنے ہوئے ہوں تو مساجد میں آنا تو درکنار اپنے گھر کے صحن سے دالان میں اور دالان سے کوٹھڑی میں نماز پڑھنی افضل و بہتر بلکہ امر شرعی ہے عہد نبوی میں عورتیں سادہ لباس سادی وضع میں اعیاد و جمعہ کے علاوہ پنجوقتہ نماز میں شامل ہوتی تھیں۔ ہاں بالتخصیص شب قدر کی راتوں میں مساجد میں مجالس وعظ کا آراستہ کرنا اور عورتوں کا مجالس مذکورہ میں لباس فاخرہ و پھول وغیرہ پہن کر شریک ہونا خلاف شرع امر جدید ہے سلف سے اس کا ثبوت نہیں جیسا کہ فی زماننا رائج ہے مسلمانوں کو اس کی روک تھام کرنی چاہیئے کما ھو مفھوم من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا حیث قالت لو رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن من المسجد (او کما قالت)

سوال (۱۷۷) بغیر جماعت کے اگر کوئی وتر پڑھے تو اس میں دعاء قنوت پڑھنا کیسا ہے

(سائل حافظ عبدالرحمن صاحب بن امام جامع مسجد اہلحدیث بھوانی)

جواب (۱۷۷) کوئی حرج نہیں۔ جائز ہے۔ ہاں اگر نہ پڑھے تو سجدہ سہو لازم نہیں آتا فقط (مفتی ابو محمد عبدالستار غفر لہ الغفار)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ صفر ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۰ء جلد ۱۰ نمبر ۲)

سوال (۱۷۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید کہتا ہے کافر مشرک، بدعتی، چوڑھا، چمار، سکھ یا بریا گرار الغرض کوئی ہو وہ اللہ کے واسطے سوال کرے تو اس کو ضرور دینا چاہیئے۔ بکر کہتا ہے کہ اس کو دینا ضرور نہیں مسلمان موحد متقی پرہیزگار کو دینا چاہیئے۔ (سائل محقق از فاضلکا ضلع فیروزپور)

جواب (۱۷۸) سائل اگر حاجتمند اور محتاج ہے تو بطور مساوات بشری و مواسات طبعی بنا بریں مفہوم آیت وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ اس کے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ تفسیر جامع البیان کے صفحہ ۴۳ پ ۳ میں تحت آیہ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۤءُ الآیۃ مرقوم ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامر بان لا یتصدق الا علی المسلمین حتی نزل لیس علیک ھدٰھم فامر بالصدقۃ بعد ھا علی کل سائل من کل دین رواہ ابن ابی حاتم والنسائی عن

ابن عباس) وَھٰذَا فِی التَّطَوُّعِ اَمَّا الْوَاجِبُ فَلَا یَجُوْزُ صَرْفُہٗ اِلَی الْکُفْرِ یعنی ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیا کرتے تھے کہ بجز مسلمان کسی دیگر شخص کو نفلی صدقہ نہ دیا جائے حتی کہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ بعد نزول آیت آپ نے حکم دیا کہ ہر سائل کو خواہ وہ کسی مذہب اور کسی دین کا ہو لوجہ اللہ دینا جائز ودرست ہے۔ نیز تفسیر مذکور میں عطار خراسانی کے قول سے مزید تشریح اس امر کی یوں ہے قَالَ الْعَطَاءُ الْخُرَاسَانِیُّ مَعْنَاہُ اِذَا اَعْطَیْتَ لِوَجْہِ اللّٰہِ فَلَا عَلَیْکَ مَا کَانَ عَمَلُہٗ فَاِنَّکَ مُثَابٌ بِنِیَّتِکَ سَوَاءٌ کَانَ السَّائِلُ مُسْتَحِقًّا اَوْ غَیْرَہٗ بَرًّا اَوْ فَاجِرًا۔ حاصل الکلام وخلاصۃ المرام اینکہ نفلی صدقہ محض اللہ کی رضا کے لئے کافر محتاج کو بھی دے سکتے ہیں اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ ہاں فضلیت واولویت امر دیگر ہے حصول درجات علیا ومراتب عقبیٰ اسی میں ہے کہ حتی الوسع مسلمان موحد متقی کو دے لِلْحَدِیْثِ الْمَرْوِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَاْکُلُ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ یعنی نہ کھائے کھانا تیرا مگر متقی پرہیز گار۔ (مشکوٰۃ) اور دلائل شرعیہ خارجیہ سے یہ امر بالبداہت ثابت اور متحقق ہے کہ مشرک عند اللہ وعند الرسول کبھی متقی نہیں ہے گو وہ بزعم کیسا ہی عابد زاہد کیوں نہ ہوتا وقتیکہ بصدق دل تائب نہ ہو۔

سوال (۱۷۹) ایک لڑکے نے دو سال سات ماہ کی عمر میں اپنی پھوپھی کا دودھ پیا صرف ایک دفعہ۔ اب از روئے شرع اس لڑکے کا نکاح اس کی پھوپھی کی لڑکی سے جائز ہے یا نہیں؟

(سائل نامعلوم الاسم)

جواب (۱۷۹) عند الشرع لڑکے مذکور کا نکاح اس کی پھوپھی کی لڑکی سے جائز درست ہے بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّۃُ وَلَا الْمَصَّتَانِ یعنی ایک دفعہ یا دو دفعہ معمولی دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی تا وقتیکہ پانچ دفعہ پیٹ بھر کر دودھ نہ پئے اور نہ عند اللہ وعند الرسول اس رضاعت کا اعتبار ہے جو بعد اختتام میعاد مقررہ یعنی حولین کاملین کے عمل میں آئے لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَا رِضَاعَ اِلَّا مَا فَتَقَ الْاَمْعَاءَ (سنن ابن ماجہ) وایضاً لَا رِضَاعَ اِلَّا فِی الْحَوْلَیْنِ یعنی رضاعت نہیں ثابت ہوتی مگر دو سال کے اندر وایضاً لَا یُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعِ اِلَّا مَا فَتَقَ الْاَمْعَاءَ وَکَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ یعنی دودھ چھڑانے سے پہلے اگر بچہ کسی کا دودھ پئے تو معتبر ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال (۱۸۰) ایک شخص سے جمعہ جماعت کی غیر حاضری [illegible] بسبب کسی شغل کے حتی الوسع بہت جلدی کی مگر جمعہ میں حاضر نہ ہو سکا۔ اب شریعت محمدیہ ایسے شخص کے حق میں کیا حکم عنایت کرتی ہے؟

جواب (۱۸۰) وسعت ہو تو تین روپے ورنہ [illegible]

ف اگر عذر شرعی ہے تو معاف ہے مثلاً بھول گیا یا سو گیا وغیرہ۔ کذا فی کتب الحدیث

سوال (۱۸۱) اگر کسی کپڑے میں گوبر یا پیشاب حلال جانور ماکول اللحم کا لگا ہوا ہو اور اس سے بچنا امر محال اور مشکل ہو جیسا کہ دیہاتیوں کے لئے مشکل ہے تو اس کپڑے میں نماز جائز ودرست ہے یا نہیں اور ماکول اللحم کا گوبر یا پیشاب پاک ہے یا پلید؟

(سائل ایک اعرابی)

جواب (۱۸۱) ماکول اللحم کا بول وبراز عند الشرع پاک ہے (دیکھو مشکوٰۃ) اور جس کپڑے پر وہ لگا ہوا ہو اس میں نماز پڑھنی درست ہے۔ کراہیت طبعی دیگر شے ہے اگر دھو لیا جائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی قباحت شرعی نہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرابض الغنم یعنی بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ نیز ماکول اللحم کا بول وبراز بطور ادویات کے استعمال کرنا جائز ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اصحاب کو اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم فرمایا تھا (سنن نسائی وغیرہ) ہاں فقہ حنفیہ مثل درمختار وغیرہ عربی اور مثل مفتاح الجنہ وغیرہ اردو میں لکھا ہے کہ اگر کپڑے پر مثل درہم شرعی یعنی ہتھیلی کے برابر نجاست غلیظ (مثل پاخانہ انسان وغیرہ) لگی ہوئی ہو تو بھی نماز پڑھنی جائز ودرست ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَھٰذَا اَغْلَطُ جِدًّا فقط

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفرلہ الغفار وصانہ عن شرور الاشرار

الجواب صحیح والرائی نجیح ابو محمد عبد الوہاب امام جماعت غرباء اہلحدیث

فاضل مجیب بارک اللہ فی علمہ وفہمہ نے جو کچھ لکھا ہے یقیناً وہ صحیح ہے۔

ابو الخلیل عبد الجلیل خاں
مدرس مدرسہ موری دروازہ
دہلی

مہر: ابو الخلیل عبد الجلیل جھنگو | خادم شریعت نبو

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ مطابق اپریل ۱۹۳۱ء جلد ۱۰ نمبر ۱۱)

سوال (۱۸۲) حاملہ بزنا کا نکاح زانی یا غیر زانی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(سائل شیر محمد قوم بھڈا ضلع ملتان)

جواب (۱۸۲) حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور حالت عدت میں نکاح کرنا جائز نہیں لہٰذا بعد وضع حمل بصدق دل تائب ہو کر نکاح ہو سکتا ہے کیونکہ نکاح کرنا شرعاً حلال ہے اور زنا حرام ہے اور شے حرام کے ارتکاب سے شے حلال حرام نہیں ہو سکتی۔ پس زنا کی وجہ سے نکاح حرام نہیں ہو سکتا حدیث مرفوع میں موجود ہے لَا یُحَرِّمُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ (ابن ماجہ) اگر غیر زانی قبل وضع حمل کسی وجہ سے نکاح کر بھی لے تو تا وقتیکہ وضع حمل نہ ہو جماع نہ کرے کیونکہ حدیث میں غیر کی کھیتی کو پانی پلانے

ماکول اللحم کا بول وبراز پاک ہے یا ناپاک

حاملہ زنا کا نکاح زانی یا غیر زانی سے ہو سکتا ہے یا نہیں

کی ممانعت آئی ہے لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّسْقِیَ مَاءَہٗ زَرْعَ غَیْرِہٖ اَوْ کَمَا قَالَ

سوال (۱۸۳) نکاح لڑکی کا کس عمر میں ہو سکتا ہے آیا دو تین سال کی لڑکی کا نکاح از
روئے شریعت جائز ہے؟ (سائل مذکورہ بالا)

جواب (۱۸۳) صغر سنی کا نکاح شرعاً جائز و درست ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ امام ابو داؤد نے باب منعقد کیا ہے
بَابُ تَزْوِیْجِ الصِّغَارِ صغر سنی عام ہے خواہ دو چار سال ہوں خواہ چھ سات سال یعنی بلوغ
قبل البلوغ کو صغر سنی کہتے ہیں۔ باب مذکور کی تحت میں عون المعبود میں مرقوم ہے
قَالَ النَّوَوِیُّ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی جَوَازِ تَزْوِیْجِ بِنْتِہٖ الْبِکْرِ الصَّغِیْرَۃِ لِھٰذَا الْحَدِیْثِ
نیز امیر المومنین فی الحدیث علامہ زماں فقیہ دوراں امام ہمام بخاری رضوان اللہ علیہ علی اعدائہ
اپنی صحیح میں بایں الفاظ باب منعقد کر کے مسئلہ ہذا کے متعلق رقم طراز ہیں بَابُ اِنْکَاحِ
الرَّجُلِ وَلَدَہُ الصِّغَارَ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَاللّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ فَجَعَلَ عِدَّتَھَا ثَلٰثَۃَ اَشْھُرٍ قَبْلَ
الْبُلُوْغِ یعنی آیت ہذا کی بنا پر چھوٹے لڑکے، لڑکی کا نکاح کرنا جائز و درست ہے۔ باب مذکور
کے تحت میں علامہ ابن حجر عسقلانی راقم ہیں فَدَلَّ عَلٰی اَنَّ نِکَاحَھَا قَبْلَ الْبُلُوْغِ جَائِزٌ
وَھُوَ اسْتِنْبَاطٌ حَسَنٌ آگے چل کر لکھتے ہیں قَالَ الْمُھَلَّبُ اَجْمَعُوْا اَنَّہٗ یَجُوْزُ لِلْاَبِ
تَزْوِیْجُ ابْنَتِہِ الصَّغِیْرَۃِ الْبِکْرِ وَلَوْ کَانَتْ لَا یُوْطَأُ مِثْلُھَا یعنی چھوٹی لڑکی کا نکاح
کر دینا جائز ہے اگرچہ وہ اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے وطی نہ کی جا سکے۔ (فتح الباری پ ۲۱)

سوال (۱۸۴) ایک آدمی نے اپنی منکوحہ عورت کو قبل وطی (جماع) کے طلاق دی۔
آیا اس آدمی کا حقیقی بیٹا بعد عدت اس مطلقہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے؟
(سائل فوق الذکر)

جواب (۱۸۴) لڑکا اپنے باپ کی منکوحہ مدخولہ وغیر مدخولہ دونوں سے نکاح نہیں
کر سکتا لقولہ تعالیٰ وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ آیت ہذا
بعموم مدخولہ وغیر مدخولہ کو شامل ہے (پ ۴ سورۂ نساء)

سوال (۱۸۵) آیا میت کا جنازہ دوبارہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ امام اور
مقتدی سنی ہوں۔
(سائل مذکور)

جواب (۱۸۵) کیا جا سکتا ہے للحدیث المروی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَیْلًا فَقَالَ مَتٰی دُفِنَ ھٰذَا قَالُوا الْبَارِحَۃَ قَالَ اَفَلَا اٰذَنْتُمُوْنِیْ
قَالُوْا دَفَنَّاہُ فِیْ ظُلْمَۃِ اللَّیْلِ فَکَرِھْنَا اَنْ نُّوْقِظَکَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَہٗ فَصَلّٰی عَلَیْہِ
(متفق علیہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جدید قبر کے پاس سے گذرے لوگوں سے
پوچھا کہ یہ میت کب دفن ہوئی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ شب گذشتہ۔ آپ نے فرمایا

کہ اس کے کفن دفن کی مجھے کیوں نہیں اطلاع دی (میں بھی ثواب میں شریک ہو جاتا) صحابہ نے
جواب دیا کہ رات کا وقت تھا اندھیرے کی وجہ سے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ پس آپ نے
وہیں قبر پر نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ کر نماز جنازہ باجماعت ادا کی
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے پہلے نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا
تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر پر جا کے مع صحابہ کے دوبارہ نماز
ادا کی۔ علاوہ ازیں دیگر روایات سے بھی ثابت ہے (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ
والصلوٰۃ علیہ) فقط (مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار)
(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۱ء جلد ۱ نمبر ۱۲)

سوال (۱۸۶) جماعت سے پہلے نوافل پڑھیں یا جماعت کے بعد؟
سائل محمد ابراہیم صاحب از ریواڑی

جواب (۱۸۶) سنت نفل جماعت کے قبل بھی پڑھ سکتے ہیں اور بعد بھی۔
(کتب حدیث)

سوال (۱۸۷) صبح کی نماز میں جب کہ پیش امام جماعت کرا رہا ہو سنت پڑھ سکتے
ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھیں تو کیا گناہ ہوگا اور نہ پڑھیں تو کیا۔ اگر پڑھیں تو کس وقت
پڑھیں؟
(سائل مذکور)

جواب (۱۸۷) جامع ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
مرفوعاً مروی ہے اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃُ جب فرض نماز کی تکبیر
ہو جائے تو بجز فرض کے اور کوئی نماز پڑھنی درست نہیں۔ فجر کی سنتوں کا وقت فرضوں
کے قبل ہے۔ اگر فرضوں سے قبل نہ پڑھ سکیں تو فرضوں کے بعد پڑھ لیں کما بوب
علیہ الترمذی بَابُ مَا جَآءَ فِیْمَنْ تَفُوْتُہُ الرَّکْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ یُصَلِّیْھِمَا بَعْدَ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ
نیز مسئلہ ہذا کے متعلق اکابر علمائے اہلحدیث وبعض احناف کا مطبوعہ فتویٰ ہمارے
پاس موجود ہے۔ ناظرین تسلی وتشفی وضیافت طبع کے لئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔
سوال تو یہی ہے جو اوپر درج ہو چکا۔ جواب باصواب ذرا بگوش غور سنئے۔

جواب:۔ فرضوں کے ہوتے ہوئے سنت نہ پڑھے جماعت میں شامل ہو جائے
بموجب فرمودہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃُ ترجمہ
جس وقت جماعت نماز کی کھڑی ہو جائے تو اس وقت سوائے نماز فرض کے اور کوئی نماز
نہیں ہے۔
دوسری حدیث۔ وَزَادَ مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ فِیْ قَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ

سلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ لا رکعتی الفجر قال لا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی یعنی جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وقت قیام جماعت کے سوائے نماز فرض کے کوئی نماز نہیں۔ تو کسی نے عرض کیا کہ اے رسول خدا آیا اس وقت دو رکعت سنت فجر کی بھی نہ پڑھے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ ہاں دو رکعت سنت فجر کی بھی نہ پڑھے کذا فی المحلی۔ اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن بحینہ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا وقد اقیمت الصلوۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصبح اربعا الصبح اربعا یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وقت کھڑے ہونے جماعت کے کہ دو رکعت یعنی سنت فجر کی پڑھ رہا ہے جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تو صبح کی نماز چار رکعت پڑھتا ہے۔ دو مرتبہ اسی طرح فرمایا مطلب یہ کہ جب تکبیر ہو گئی تو سنتوں کا وقت جاتا رہا اور فرضوں کا وقت شروع ہو گیا۔ اب جو شخص نماز پڑھے وہ فرضوں میں داخل ہے۔

وعن ابن عمر انہ ابصر رجلا یصلی الرکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ وقد روی عن عمر انہ کان اذا رای رجلا یصلی وهو یسمع الاقامۃ ضربہ وعن طریق عطیۃ قد رایت ابن عمر قضاهما حین سلم الامام یعنی بیہقی نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ دو رکعت سنت پڑھ رہا ہے اور مؤذن تکبیر اور اقامت کہہ رہے تو عبداللہ صحابی رسول نے اس شخص کو کنکر مار مار کر نیت تڑوائی) اسی طرح حضرت عمر فاروق جب کسی شخص کو دیکھتے کہ نماز پڑھ رہا ہے درانحالیکہ تکبیر اقامت سن رہا ہے تو اس کو مارتے۔ نیز طریق عطیہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رض کی جب فجر کی سنتیں رہ جاتیں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھ لیتے۔ اور قیس سے روایت ہے خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مهلا یا قیس اصلاتان معا قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا۔ قیس کہتے ہیں کہ حضرت باہر تشریف فرما ہوئے اور نماز فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز فرض پڑھی بعد سلام پھیرنے کے حضرت نے مجھ کو دوبارہ نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ اے قیس تو کیا دوبارہ فرض پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں تو حضرت نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

ان روایات مذکورہ بالا سے وقت کھڑے ہو جانے جماعت کے شامل ہو جانا جماعت میں ضرور ہے۔ اور پڑھنا سنتوں کا بعد جماعت فرض کے قبل طلوع آفتاب کے ثابت ہو گیا۔ اگر کوئی بعد طلوع آفتاب کے پڑھے گا تو بھی درست ہے کتبہ محمد عبید اللہ

مہر [محمد عبید اللہ ۱۲۹۰] مہر [فقیر عبد الحق ۱۲۹۹]

وعبد الحق

اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ نص است و بمقابلہ نص تعلیلات قیاسیہ باطل است

مہر [میر احمد پشاوری]

واقعی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ مانع جواز پڑھنے سنت کے ہے مگر بعد فرضوں کے بلاشبہ درست ہے۔ حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔

قد ثبت فی الصحیحین وغیرهما انہ اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ وزیادۃ الا رکعتی الفجر لا اصل لہ قالہ البیہقی ونقل عنہ فی المصفی شرح الموطا واللہ اعلم بالصواب

حررہ ابو محمد عبد الرؤف البہاری [عبد الرؤف ۱۳۰۳]

الجواب صحیح والرای نجیح نمقہ محمد یٰسین الرحیم آبادی عفی عنہ

مجیب صاحب نے بہت ہی عمدہ جواب دیا ہے۔ حقیقت میں اقامت ادائے سنت فجر ناجائز و نادرست از روئے حدیث صحیح السند کے ہیں۔ اور کتب فقہ میں بھی اس طرح سنت پڑھنے کو کہ جس طرح آج کل فی زماننا جہال پڑھتے ہیں یعنی قریب صف کے اندر مسجد میں ممنوع لکھا ہے اور فتح القدیر صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ اس طرح سے جیسا آج کل مروج ہو رہا ہے سنت فجر پڑھتے ہیں بہت سخت مکروہ ہے اور بڑے ہی اجہل ہیں اور ہدایہ مع الکفایہ صفحہ ۸۶ میں لکھا ہے کہ سنت فجر وقت اقامت مسجد میں ممنوع و نادرست ہے۔ اگر پڑھے تو خارج از مسجد پڑھے اور مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی حنفی نے عمدۃ الرعایہ صفحہ ۲۳۸ و تعلیق الممجد صفحہ [illegible] میں بعد اللتیا خوب واضح کر کے لکھا ہے کہ از روئے احادیث صحیحہ مرفوعہ سنت فجر وقت تکبیر نہ پڑھنی چاہیے واللہ اعلم بالصواب۔

مہر [ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰ الادا [illegible] خادم شریعت رسول]

حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی نزیل الدہلی

الجواب صحیح محمد طاہر [illegible] سلہٹی

الجواب۔ اکثر جاہل لوگ جو وقت اقامت فرض صبح سنتیں پڑھتے ہیں یہ درست نہیں۔ پس جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔

محمد امیر الدین حنفی واعظ جامع مسجد دہلی [محمد امیر الدین]

الجواب صحیح [عبد اللطیف ۱۲۹۵] الجواب صحیح [[illegible] محمد لطف حسین خادم شریعت رسول]

الجواب صحیح عبد اللطیف مہر

الجواب صحیح [سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹]

سوال (۱۸۸) جمعہ کی نماز میں فرضوں کے بعد سنت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟
(سائل فوق الذکر)

جواب (۱۸۸) پڑھ سکتے ہیں خواہ دو رکعت پڑھے خواہ چار (مسلم والبوداؤد)

سوال (۱۸۹) اگر کسی شخص کا جمعہ بھول سے چھوٹ جائے یا سو جائے تو کتنا صدقہ لازم ہے۔ (سائل مذکور)

جواب (۱۸۹) اگر بغیر عذر شرعی کے چھوٹ جائے تو تین روپے جرمانہ ادا کرے

سوال (۱۹۰) وتر ایک۔ تین۔ پانچ۔ سات۔ نو۔ ایک قعدہ سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب (۱۹۰) وتر در اصل ایک ہی رکعت ہے خواہ ایک پڑھے خواہ تین خواہ پانچ خواہ سات خواہ نو سب درست ہیں۔ آخری رکعت کے اعتبار سے انہیں وتر کہا جاتا ہے تین، پانچ۔ سات وتروں میں بیچ کا قعدہ نہیں۔ ہاں نو وتروں میں آٹھویں رکعت پر قعدہ کر کے نویں پر سلام پھیر دے۔ کذا فی کتب الحدیث فقط

(مفتی) ابو محمد عبدالستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۱ء جلد ۱۱ نمبر ۶)

سوال (۱۹۱) مسجد میں جمعہ کے روز پہلی اذان مسجد کے دروازے پر اور دوسری بوقت خطبہ منبر کے سامنے اور تیسری یعنی تکبیر یہ تینوں اذانیں مسجد میں دینی جائز ہیں یا نہیں اور اس اذان کیلئے حضرت عثمان کی اذان ثالث زائد کردہ پر قیاس کر کے استدلال کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ (سائل محمد سلیمان صاحب زباول خریدار صحیفہ اہلحدیث)

جواب (۱۹۱) سوال ہذا کا جواب صحیفہ اہلحدیث کی جلد سات نمبر، بابت ماہ رجب ۱۳۴۶ھ میں درج ہو چکا ہے لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں نمبر مذکور میں ملاحظہ ہو۔ ہاں مزید تشریح و ناظرین صحیفہ کی ازدیاد بصیرت کے لئے علمائے اہلحدیث کا ایک فتویٰ مطبوعہ بابت اذان ثالث درج ذیل کرتے ہیں واللہ الہادی

اِقَامَۃُ الحُجَّۃِ عَلٰی اَنَّ النِّدَاءَ الثَّالِثَ یَومَ الجُمُعَۃِ فِی المَسْجِدِ بِدْعَۃٌ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر صحابہ کے فعل کو ضد سے قائم رکھے وہ کیسا ہے جیسا کسی جگہ جمعہ کی دو ہی اذانوں کا رواج ہو اور دونوں مسجد ہی میں ہوتی ہیں۔ ایک شخص اس پر زور دیتا ہے کہ دو ہی ہونی چاہئیں اور دونوں مسجد میں پہلی اذان جو عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت سے شروع ہے مسجد میں کہنا درست ہے یا نہیں قرآن و حدیث سے جواب فرما کر عنداللہ

ماجور ہوں۔

جواب ۱۔ الجواب واللہ الموفق للصواب۔ قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل واجب، قول و فعل صحابی بمقابلہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متروک العمل ہے۔ قول و فعل صحابہ کو جو حدیث رسول اللہ پر مقدم کرتے ہیں تاویلات رکیک سے وہ شخص قرآن و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہے قَالَ اللہُ تَعَالٰی وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ وَقَالَ اللہُ تَعَالٰی فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی ھٰکَذَا فِی الْمِشْکٰوۃِ؛ ایک اذان منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتی تھی جس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر منبر پر بیٹھتے تھے دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں باجازت امیر المومنین کہی گئی خارج میں مقام زوراء پر اگر اس طرح کہی جائے ہے اور اگر مسجد کے اندر کہی جائے تو یہ بدعت ہے۔ جب ایسا جھگڑا واقع ہو تو حدیث رسول اللہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ دلیل مذکور ہوئی واللہ اعلم وعلمہ اتم حررہ احمد سلمہ الصمد مدرس مدرسہ حاجی علیجان مرحوم دہلی۔ مورخہ ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

اسمہ احمد سلمہ الصمد المعروف باحمد اللہ

الجواب صحیح ابو عرفان محمد سلیمان عفی عنہ سند یافتہ مدرسہ دار الکتاب و السنۃ

جواب ۲۔ الجواب وھو الموفق للصدق والصواب بعد حمد و صلوٰۃ کے صورت مرقومہ بالا میں واضح ولائح ہو کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف میں کسی صحابی کے قول سے حجت پکڑتا ہے اور جھگڑا کرتا ہے وہ مخالف اللہ و رسول ہے اس کو ایسی حرکت سے تائب ہونا چاہئے لقولہ تعالیٰ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ترجمہ) پس ڈرتے رہیں وہ لوگ جو مخالفت کرتے ہیں (ہمارے رسول کے حکم کی یہ کہ پہنچے ان کو کوئی بلا یا عذاب دردناک کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل و تقریر کے ہوتے ہوئے کسی صحابی یا امام و مجتہد کے قول و فعل کو تلاش کرنا اور اس پر اڑنا صریح گمراہی ہے کما ر دی ابن عباس۔ و نیز اذان ثالث جو عثمان رضی اللہ عنہ نے ایجاد کی تھی وہ ایک وجہ سے تھی وہ یہ کہ لوگوں کی کثرت ہو گئی آپ نے ان کی آگاہی کے لئے اس اذان ثالث کو ایجاد کیا تھا۔ باقی مسنون اذان تو وہی ہے جو بوقت خطبہ دیجاتی ہے اور نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو مسجد کے باہر مقام زوراء پر دلوایا تھا۔ اب جو

لوگ اس اذان کو مسجدوں میں دلواتے ہیں یہ بدعت ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء پر دلوایا تھا کما لا یخفی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلوی مدرس مدرسہ کھنڈیلہ

الجواب صحیح عبد الوہاب عفی عنہ — محمد عبد الوہاب عفی عنہ

جواب ۳۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدا ومصلیا ومسلما اما بعد:
سنت صحیحہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے اذان بروز جمعہ جب امام منبر پر جلوس فرماتا کہی جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں موضع زوراء جو مسجد سے دور ہے بازار میں ایک بلند جگہ پر نماز سے پہلے اذان کہلائی پھر علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی اذان جاری رکھی اور مسجد نبوی میں ایک ہی اذان کہی جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اذان کہلائی تھی وہ مسجد میں نہ تھی خارج مسجد تھی۔ اب مسجد میں دو اذانیں کہنا بدعت ہے
عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (بخاری) ترجمہ: جو کوئی نئی بات نکالے ہمارے اس دین اسلام میں وہ مردود ہے
کتبہ محمد عبد الرحمن مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی — ابو عبد اللہ عبد الرحمن

جو باعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اذان ثالث کہلانے کا ہوا ہے اگر اب بھی پایا جاوے تو درست وجائز ہے محل بھی ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے (یعنی خارج مسجد)
حررہ ابو محمد عبید اللہ از مدرسہ دار الہدیٰ کشن گنج دہلی۔

جواب ۴۔ الجواب وھو الموفق للسداد والصواب واضح رہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ایک ہی اذان ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا (بخاری) امام کے سامنے (ابوداؤد) مسجد کے دروازہ پر (طبرانی)۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگ زیادہ ہو گئے اس وقت ایک اذان خارج مسجد زوراء پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ کی۔ کہا ابو عبد اللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے زوراء ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ کے بازار میں ہے۔ بخاری اور ابن ماجہ اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ زیادہ کی اذان اوپر ایک مکان کے جو بیچ بازار کے تھا کہا جاتا تھا واسطے اس کے زوراء۔
ان روایات سے ثابت ہوا کہ اصل اذان تو ایک ہی ہے کیونکہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اب رہی اذان اول جو عثمان رضی اللہ عنہ نے ایجاد کی سو اس کی رخصت ہے اس لئے کہ اس پر کسی صحابی نے انکار نہیں کیا اگر مسجد میں کہنا بلاشک وشبہ بدعت ہے کیونکہ اس اذان کا مسجد میں کہنا کسی صحابی سے ثابت نہیں۔ یہ اذان ہمیشہ زوراء پر ہوتی رہی۔ جب ہشام بن عبد الملک خلیفہ ہوا اس نے اس اذان کو مسجد کے

دروازہ پر کہلوانا شروع کیا (جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان ہوتی تھی) اور اس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) اذان کو منبر کے پاس کر دیا کذا فی عون المعبود شرح ابوداؤد۔
افسوس کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر ہشام بن عبد الملک کی بدعت کو ترجیح دی جاتی ہے اور اس کو موجب نجات سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ اذان اول کو مسجد میں کہنا جائز سمجھتے ہیں وہ دو مغالطے پیش کیا کرتے ہیں۔

مغالطہ اول۔ اگر مسجد میں کہنا بدعت ہے تو زوراء کے سوا کہیں کیوں نہ ہو بدعت ٹھہرے گا۔ یہ تاویل مذموم ہے اس طرح تو ساری سنتیں رخصت ہو جائیں گی اور دین اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ عید کی نماز جنگل میں پڑھنا ضروری نہیں بلکہ شہر و جنگل دونوں یکساں ہیں اس سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل ہی میں پڑھی ہے بلا عذر شہر میں پڑھنا ثابت نہیں۔ جواب ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مدینہ ہی میں پڑھی۔ اگر تم کو سنت پر عمل کرنا ہے تو مدینہ کے جنگل ہی میں جا کر پڑھو ورنہ اس کے علاوہ سب جگہ (جنگل ہو یا شہر) برابر ہے۔ ایسے ہی ہمارے بھائی (جو اس اذان کو مسجدوں میں کہنا جائز سمجھتے ہیں) کہتے ہیں کہ اگر تم کو عثمان رضی اللہ عنہ کے مطابق عمل کرنا ہے تو مدینہ میں جاؤ۔ مدینہ کے علاوہ خواہ مسجد میں ہو یا باہر دونوں کا ایک حکم ہے طَابَقَ النَّعْلُ بِالنَّعْلِ یعنی ایک شخص اس اذان کو مسجد میں کہنا جائز سمجھتا ہے اور ایک شخص عید کی نماز بلا عذر شہر میں پڑھنا سنت سمجھتا ہے یہ دونوں یکساں ہیں۔

مغالطہ دوم۔ اس کے کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ترک لازم نہیں آتا کیونکہ دو اذانوں میں یہ اذان بھی داخل ہے یہ بات بھی بالکل غلط ہے اس لئے کہ آپ نے ایک اذان پر اکتفا کیا پس سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک اذان ہے اور جب دو کہی جاویں تو سنت صحابہ ہے۔ اب ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ کونسی سنت افضل ہے اس لئے عثمان رضی اللہ عنہ کی اذان کے لئے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے نہ فضیلت کا جب تک اسی طریقہ پر ہو والا محدث۔ ایسی تاویلوں سے خدا ہم کو بچاوے۔ تمام بدعتیں ان ہی تاویلوں سے مروج ہوتی ہیں چنانچہ مقلدین کہتے ہیں کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ ہم بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ رکعت پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کی بیس پر بھی حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت ثابت نہیں اور نہ بیس پڑھنے سے آٹھ پر عمل ہو سکتا ہے اسی طرح دو اذانوں کے کہنے سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مولوی ابراہیم صاحب آروی اپنی کتاب طریق النجاۃ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں

عبارت بعینہٖ۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عثمان رضؓ نے یہ اذان جواب پہلے ہوا کرتی ہے ایک خاص مصلحت اور ضرورت کی نظر سے بازار میں کہلائی تھی تو اب بے ضرورت مسجد ہی میں اس اذان کے کہنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اصل تو وہی ایک اذان ہے۔ حاشیہ طریق النجاۃ حصہ اول صفحہ ۱۱۔ اگر کوئی شخص صحابہ سے اس اذان کا مسجد میں کہنا ثابت کردے تو ہم بفضلہ تعالیٰ ماننے کے لئے تیار ہیں۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ٥

حررہ ابو محمد عبدالجبار سوکھیوری تعلیم یافتہ مدرسہ دارالکتاب و السنہ صدر بازار دہلی۔ مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

جواب ۱۵۔ سنت نبوی تو محض ایک ہی اذان ہے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کی روایت سے صاف ظاہر ہے سنت نبویؐ کے مقابلہ میں صحابہ کی سنت کو ترجیح نہیں دیجاسکتی اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی ایک ہی اذان تھی۔ حضرت عثمانؓ نے تیسری اذان فَلَمَّا كَثُرَ النَّاسُ کے اعتبار سے خارج مسجد زوراء پر دلوائی تھی۔ نبوی سنت کو چھوڑ کر مزور طریقہ پر چلنا نبوی مسلمانوں سے بعید ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر صحابہ نے ایسا کیا تھا جیسا کہ خود الفاظ حدیث میں موجود ہے۔ مسلمانوں کے لئے ہر کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل نقشہ ہے کما قیل لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ايضاً وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاق کو حکم میں تین ہی کے رکھا تھا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکرؓ و دو سال خلافت عمرؓ تک تین طلاق حکم میں ایک کے تھیں۔ اس قول پر بالاتفاق اہلحدیث کا اتفاق ہے اسی طرح ۔۔۔ فرماتے ہیں وَاجِبٌ اَنْ يَكُوْنَ الْاَذَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حِيْنَ يَدْخُلُ الْاِمَامُ الْمَسْجِدَ وَيَجْلِسُ عَلٰى مَوْضِعِهِ الَّذِيْ يَخْطُبُ عَلَيْهِ خَشَبٍ اَوْ جَرِيْدٍ اَوْ مِنْبَرٍ اَوْ شَيْءٍ مَرْفُوْعٍ لَهٗ اَوِ الْاَرْضِ وَمِنْ نَحْوِهَا فَاِذَا فَعَلَ اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْاَذَانِ فَاِذَا فَرَغَ قَامَ فَخَطَبَ لَا يَزِيْدُ عَلَيْهِ (کتاب الام)۔ تیسری اذان جس طرح حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں دیجاتی تھی یعنی خارج مسجد اس حد تک اگرچہ نبوی سنت نہیں ہے تاہم جواز سے خالی نہیں لیکن اس اذان کو جو فی زمانہ مسجدوں میں دیجاتی ہے یہ بدعت ہے اور اس پر کوئی دلیل شرعی نہیں محض رواج ہے اور مروانیوں کا طریقہ ہے کما مر۔ کتاب الام میں امام شافعی رحؒ اذان ثالث کے متعلق فرماتے ہیں وَقَدْ كَانَ عَطَاءٌ يُنْكِرُ اَنْ يَكُوْنَ عُثْمَانُ اَحْدَثَهٗ وَيَقُوْلُ اَحْدَثَهٗ مُعَاوِيَةُ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔ حررہ عبدالستار کلانوری مفتی مدرسہ دارالکتاب والسنہ و مدرس مدرسہ حمیدیہ موریدروازہ دہلی۔ مورخہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء جلد ۱۱ نمبر ۸

سوال (۱۹۲) کوئی شخص غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے یوں کہدے تو ایسی ہے جیسی میری ماں۔ اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو اپنی والدہ سے کروں تو شخص مذکور پر کفارہ ہے یا نکاح حرام ہوا (سائل ابو محمد یوسف از بمبئی)

جواب (۱۹۲) نکاح حرام نہیں ہوا۔ کفارہ لازم ہے قبل جماع کے ایک بردہ آزاد کرے۔ اگر طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے پے درپے روزے رکھے۔ اگر یہ بھی نہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (قرآن مجید پ ۲۸ سورۂ مجادلہ)

سوال (۱۹۳) سفر میں وتر پڑھنا جائز ہے یا نہیں (سائل مذکور)

جواب (۱۹۳) جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت سفر میں اپنی سواری پر وتر پڑھا کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وتر فرض نہ واجب نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض سواری سے نیچے اتر کر اور سنن و نوافل سواری پر پڑھا کرتے تھے

سوال (۱۹۴) آپس کی ملاقات کے وقت مصافحہ صرف ایک ہی ہاتھ سے کرے یا دونوں ہاتھوں سے بھی کرسکتا ہے؟ (سائل فوق الذکر)

جواب (۱۹۴) دونوں ہاتھوں سے بھی کرسکتا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جواز پر باب منعقد کیا ہے بَابُ الْاَخْذِ بِالْيَدَيْنِ عدم جواز کی کوئی صریح دلیل نہیں۔

سوال (۱۹۵) مولوی عبدالقادر صاحب ہمارے علاقہ میں بخاری شریف کا ترجمہ سنایا کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ عورت کا ذبیحہ حلال اور درست ہے۔ کمترین نے اس مسئلہ کو زندہ کرنے کے لئے اپنی بیوی سے مرغ ذبح کرواکر کھایا اور کھلایا۔ اب اس علاقہ میں شور برپا ہے کہ حرام کھالیا ہے۔ قرآن و حدیث میں مسئلہ ہذا کی کیا اصل ہے؟ (سائل روشن چراغ ولد منشی اللہ داد ضلع منٹگمری)

جواب (۱۹۵) مسئلہ ہذا میں مولوی عبدالقادر صاحب سلمہ ربہ اور ان کے ہم اعتقاد حق بجانب ہیں۔ صحیح بخاری میں بالتصریح موجود ہے کہ عورت کا ذبیحہ حلال و درست ہے۔ حرام کہنے والے سخت مجرم اور شریعت محمدیہ مطہرہ میں دست اندازی کرنیوالے ہیں انکو چاہیے کہ تائب ہوں۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے بایں الفاظ باب منعقد کرکے (بَابُ ذَبِيْحَةِ الْمَرْاَةِ وَالْاَمَةِ) مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا ذبیحہ حلال اور کھانے کا حکم فرمایا ہے۔ حنفی مذہب کے عقیدہ مولانا عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳۰۷ میں رقمطراز ہیں اَیْ هٰذَا بَابٌ فِيْ بَيَانِ جَوَازِ ذَبِيْحَةِ الْمَرْاَةِ وَذَبِيْحَةِ الْاَمَةِ وَكَاَنَّهٗ اَشَارَ بِهٰذِهِ التَّرْجَمَةِ اِلٰى الرَّدِّ عَلٰى مَنْ مَنَعَ ذٰلِكَ وَقَدْ نَقَلَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْحَكَمِ عَنْ مَالِكٍ كَرَاهَةً وَفِي الْمُدَوَّنَةِ جَوَازُهٗ

کیا بیوی کو ماں کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے
سفر میں وتر پڑھنا جائز ہے یا نہیں
کیا ایک ہاتھ سے مصافحہ جائز ہے
کیا عورت کا ذبیحہ حلال ہے

وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْفُقَهَاءِ الخ۔ یعنی یہ باب ذبیحہ عورت حرہ ہو یا لونڈی کے جواز کے بیان میں ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ کا باب ہذا کے انعقاد سے عدم جواز ذبیحہ عورت کے قائلین مالک وغیرہ کا رد مقصود ہے۔ عہد نبوی میں ایک عورت مسلمہ نے ایک بکری پتھر سے ذبح کی سوال کرنے پر عدالت نبویہ سے اس کے کھانے کا حکم ہوا۔

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ دین میں افراط تفریط نہ کریں۔ غلو سے اجتناب کریں۔ بجائے خود کسی شے کی حلت وحرمت کا قائل مفتری علی اللہ ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ فقط

(مفتی ابو محمد عبد الستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار (آمین)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ صفر ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۲ء جلد ۱۲ نمبر ۲)

سوال (۱۹۶) ایک شخص نے اپنے ماموں زاد برادران کو تین لڑکیوں نابالغہ کے نکاح دیدیئے اس وقت اس شخص کے دونوں ماموں فوت ہو گئے تھے اور دونوں ماموں کے تین پسر تھے ایک بالغ اور دو نابالغ ہر سہ کو نکاح دیدیئے گئے۔ جس کا لڑکا بالغ تھا وہ زندہ ہے اور دوسرے دونوں کا والد فوت ہو گیا تھا مگر بذریعہ مامی صاحبہ نکاح دیئے گئے۔ اب ان ہر دو لڑکوں کی مامی صاحبہ ایک جٹ ہندو کے ساتھ حاملہ بزنا ہو گئی اور لڑکا زنا کا پیدا ہوا اب اس کو مع لڑکے کے اس کے گھر بھیجدیا اور لڑکے ہر دو اس کے ساتھ اس جاٹ کے گھر میں رہتے ہیں اور شرک وکفر کرتے ہیں نماز وغیرہ نہیں پڑھتے۔ بڑا لڑکا شرابی بھی ہے۔ اب لڑکیاں ایسی صورت میں جانا نہیں چاہتیں۔ حالت موجودہ میں ایسے بیدین شرک وکفر کرنے والوں سے نکاح نہ رہتا ہو تو اور کسی دیندار کو نکاح دیدیں شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ (سائل موسیٰ نمبردار ضلع فیروزپور)

جواب (۱۹۶) بحالت مذکورہ میں عند الشرع نکاح سابق ٹوٹ گیا۔ نکاح ثانی ہوسکتا ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ الآیۃ

سوال (۱۹۷) ایک شخص کی عورت فاحشہ ہندو کے ساتھ زنا کرتی تھی۔ ایک عالم نے اس کو مسلمانوں سے جدا کر دیا۔ جب اس نے توبہ کی تو عالم قاضی نے اس پر توبہ کے بعد چالیس آدمی کو کھانا کھلانے اور مسجد کی لپائی کی تعزیر لگائی۔ کھانا چالیس آدمی کو تو عورت مذکورہ نے کھلا دیا مگر مسجد کی لپائی نہ ہوئی۔ اب لپائی نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اور قاضی اس کا نکاح نہیں پڑھاتے حالانکہ لڑکی کے باپ بھائی نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکی زنا سے توبہ کر چکی ہے مگر لپائی نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نکاح پڑھانے سے انکاری ہے (سائل مذکور)

جواب (۱۹۷) توبہ کے وقت صدقہ دینے کا ثبوت بھی احادیث میں پایا جاتا ہے

چنانچہ ایک صحابی نے کہا تھا اِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَّالِيْ یعنی میں اپنا کل مال اللہ کے راستہ میں دیکر توبہ کرتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ یعنی کچھ مال صدقہ کردے اور کچھ روک لے (مشکوۃ) پس صورت مذکورہ میں مسجد کی لپائی اگر ممکن ہو تو کردے ورنہ کھانا کھلانے سے بھی قاضی جی کی تعزیر پوری ہو گئی قاضی جی کو چاہیئے کہ نکاح پڑھا دیں۔ نکاح پڑھانے میں کوئی شے شرعاً مانع نہیں۔

سوال (۱۹۸) میرے خاوند کا انتقال ہو گیا اور عدت کے اندر میں نے دلید سے نکاح کر لیا۔ بعد نکاح کے وہ صرف تین دن میرے پاس رہ کر چلا گیا۔ عرصہ ڈیڑھ برس کا ہو گیا نہ تو وہ آیا اور نہ خرچ دیا۔ پھر میں نے دوسرے سے نکاح کر لیا۔ اب شریعت سے فتویٰ دیں کونسا جائز ہے اور کونسا ناجائز ہے؟ (سائلہ ہندہ شیش محل دہلی)

جواب (۱۹۸) قبل از انقضائے عدت نکاح ہونے کی وجہ سے پہلا نکاح فاسد ہے۔ تفسیر جامع البیان میں ہے وَالْاِجْمَاعُ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَصِحُّ الْعَقْدُ فِي الْعِدَّةِ یعنی عدت میں نکاح نہیں ہوتا۔ ارشاد خداوندی ہے وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ البتہ عقد ثانی بشرط موافق ہونے شریعت کے صحیح ہوسکتا ہے۔

سوال (۱۹۹) زید نے اپنے لڑکے حقیقی کی منکوحہ سے زنا کیا اب اس کے لڑکے کا نکاح قرآن وحدیث کی رو سے ہے یا نہیں۔ دیگر زید سے سلام کلام اور اس کے گھر کا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں۔ زید نے اپنے گناہ سے توبہ کر لی ہے اور نمازی پکا ہے شیطان کے پھندے میں آگیا اور گناہ ہو گیا۔ (سائل مولوی عبد الرحمٰن خاں ضلع حصار)

جواب (۱۹۹) زید اور اس کے لڑکے کی منکوحہ پر حد شرعی رجم ہے۔ زید کے زنا کرنے کی وجہ سے اس کے لڑکے پر اس کی منکوحہ حرام نہیں ہوئی۔ نکاح قائم ہے۔ حدیث ابن ماجہ وغیرہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ لَا يُحَرِّمُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ یعنی ایک فعل حرام کے ارتکاب سے حلال شے حرام نہیں ہوتی۔ زید جب اپنے قصور کا اعتراف کرتا اور تائب ہوتا ہے تو اس سے ترک موالات جائز نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ فقط

(مفتی ابو محمد عبد الستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار (آمین)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ مطابق اگست ۱۹۳۲ء جلد ۱۲ نمبر ۴)

سوال (۲۰۰) ایک شخص نے ایک گناہ سے توبہ کر لی کہ اب میں کبھی یہ گناہ نہ کروں گا پھر اس شخص سے وہ گناہ ہو گیا۔ پھر وہ شرمندہ ہوا۔ پھر خدا پاک کے سامنے توبہ کی پھر وہی گناہ ہو گیا اور یہ شخص گناہ کو بہ نیت اپنے قابو سے اور دل سے نہیں کرتا اور نہ اس کی نیت ہے اور یہ شخص ڈرتا ہے اور روتا ہے کہ اللہ پاک اب میں کبھی یہ گناہ نہ کروں گا لیکن پھر کئی مرتبہ اس سے

گناہ ہو جاتا ہے۔ آیا اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

(سائل عبد الغفار و محمد سلیمان صاحبان از باول)

جواب (۲۰۰) شخص مذکور اگر واقعی اپنے فعل قبیح پر نادم اور پشیمان ہو کر بصدق دل تائب ہوتا ہے اور پھر بمقتضائے بشریت و انسانیت کے اس سے وہ گناہ سرزد ہو جاوے تو اس کی توبہ قبول ہے۔ امام نووی نے تحت حدیث صحیح مسلم لله اشد فرحا بتوبة عبده کے لکھا ہے إن لها ثلاثة أركان الإقلاع والندم على فعل تلك المعصية والعزم على أن لا يعود إليها أبدا یعنی توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں اس گناہ کا ترک کرنا، اس پر نادم و شرمندہ ہونا اور عدم عود کا عزم بالجزم کرنا۔ آگے چل کر لکھتے ہیں إذا تاب توبة صحيحة بشروطها ثم عاود ذلك الذنب كتب عليه ذلك الذنب الثاني ولم تبطل توبته هذا مذهب أهل السنة یعنی جب اس نے توبہ صحیحہ مع شروط مذکورہ کے کر لی پھر مرتکب ہوا اسی گناہ کا تو اہل سنت کے نزدیک توبہ اس کی باطل نہ ہوگی۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں عن النبي صلى الله عليه وسلم فيما يحكي عن ربه عز وجل قال أذنب عبد ذنبا فقال اللهم اغفر لي ذنبي فقال تبارك وتعالى أذنب عبدي ذنبا فعلم أن له ربا يغفر الذنب ويأخذ بالذنب ثم عاد فأذنب فقال أي رب اغفر لي ذنبي فقال تبارك وتعالى عبدي أذنب ذنبا فعلم أن له ربا يغفر الذنب ويأخذ بالذنب ثم عاد فأذنب فقال أي رب اغفر لي ذنبي الحديث۔ اسی حدیث کے تحت میں امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں وهذه الأحاديث ظاهرة في الدلالة لها وإنه لو تكرر الذنب مائة مرة أو ألف مرة أو أكثر وتاب في كل مرة قبلت توبته وسقطت ذنوبه الخ یعنی احادیث مذکورہ اس امر پر صریح دال ہیں کہ انسان سے کئی مرتبہ گناہ ہو اور وہ صدق دل سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی جیسا کہ اللہ عز و جل نے فرمایا وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ الآية۔

سوال (۲۰۱) نماز با جماعت میں کم عمر بچوں کو نیت بندھی حالت میں صف میں سے پیچھے کھڑا کر دیا جاتا ہے آیا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

(سائل مستری عبد العزیز صاحب انجینیئر دہلوی)

جواب (۲۰۱) صف مقدم میں جب بڑے آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ نہ ہو تو بچہ کو پیچھے ہٹا کر صف مؤخر میں کھڑا کر دینا اور آپ صف مقدم میں کھڑا ہو جانا جائز و درست ہے جس پر حدیث قیس بن عباد کی صریح دال ہے جو کہ سنن نسائی کی جلد اول

کتب لغت میں ہے اقلع عن كذا اي كف عنه وتركه ۱۲ المنجد

صفحہ ۸۲ میں موجود ہے۔ ہاں اگر پہلی صف میں جگہ باقی ہو تو بچوں کو پیچھے کھڑا کرنا درست نہیں لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اتموا الصفوف الأول أو كما قال ملاحظہ ہو کتب حدیث۔

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار آمین

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۳۲ء جلد ۲ نمبر ۵)

سوال (۲۰۲) اکثر مقامات پر بارش مٹی وغیرہ سے دیگر قبروں کے نشان معدوم ہو جاتے ہیں اور پائمالی سے قبروں کا احترام باقی نہیں رہتا اس لئے نشان قبر قائم رکھنے کی غرض سے شکل و بلندی قبر کے مطابق اگر چوبی تختے لگا دیئے جائیں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(مستفتی محمد مہر الدین صاحب امرتسر)

جواب (۲۰۲) چونکہ شرعاً تجصیص قبور و تطیین وغیرہ خلاف سنت ہے اور اس کی صراحتاً حرمت و ممانعت موجود ہے لہذا چوبی تختے وغیرہ لگا کر قبر کو پختہ اور چونا گچ کی طرح کرنا بھی ممنوع ہوا۔ قبر کی علامت و شناخت کے لئے قبر کے سرہانے ایک پتھر کھڑا کر دینا جائز و سنت ہے اور مسلمانوں کے لئے یہی کافی ہے (کتب حدیث)

سوال ۲۰۳ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ نشان و مقام قبر محفوظ رہے اور کوئی دوسری قبر غلطی سے اس جگہ نہ بنائی جائے کسی قبر کے گرد آہنی جنگلہ لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(سائل فوق الذکر)

جواب (۲۰۳) قبر کے ارد گرد اس غرض سے آہنی جنگلہ وغیرہ لگانا از منہ خیر القرون میں مفقود و لاپتہ ہے۔ کسی ضعیف حدیث سے بھی اس کا حکم نہیں پایا جاتا لہذا قبروں کو پختہ و مضبوط اور آہنی جنگلوں وغیرہ سے مزین اور بارونق کرنا علاوہ مخالفت طریقہ سلف کے شرک کی بنیاد قائم کرنا ہے فالحذر الحذر۔

سوال (۲۰۴) ایک شخص مر گیا اور اس کی بیوی سے دوسرے شخص نے عدت کے اندر قصداً نکاح کر لیا اور صورت نکاح کی یہ ہے کہ ناکح نے اس عورت سے کہا کہ میں نے تجھ کو بعوض اتنے روپے کے نکاح میں لے لیا تو قبول کرے۔ اس عورت نے بھی اسے قبول کر لیا۔ اس ایجاب و قبول کے وقت کوئی گواہ نہ تھا۔ اب اس میں دو باتیں دریافت طلب ہیں اول یہ کہ بلا گواہ فقط مرد و عورت کے ایجاب و قبول سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ عدت کے اندر نکاح کرنے سے نکاح صحیح ہوا یا باطل؟

(المستفتی محمد رمضان الدین صاحب محمدی از موضع کالجہار ریلار پار)

جواب (۲۰۴) شرعاً یہ نکاح سراسر باطل ہے۔ حدیث میں ہے لا نكاح إلا بولي وشاهدين أو كما قال یعنی نکاح بغیر ولی اور گواہوں کے درست و صحیح نہیں۔ نیز جامع البیان میں تحت آیت ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله کے لکھا ہے وإجماع

عدۃ ... لَا یَصِحُّ الْعَقْدُ فِی الْعِدَّۃِ یعنی عدت میں نکاح کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ نکاح باطل ہے۔ زوجین مذکورین کو چاہیے کہ بعد از انقضائے عدت از سرِ نو نکاح پڑھوائیں ورنہ جو اولاد ہوگی وہ ولد الزنا ہوگی اور زن و شوہر دونوں شرعی سزا کے مستوجب ہونگے فقط

مفتی ابو محمد عبدالستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۲ء جلد ۱۲ نمبر ۶)

سوال (۲۰۵) کیا نیچریت، مرزائیت اور چکڑالویت، حنفیت وغیرہ مذہب اہلحدیث کی شاخیں ہیں۔ زید کہتا ہے کہ مذہب اہلحدیث سے ان کو کوئی تعلق نہیں اور بکر کہتا ہے کہ یہ سب فرقے ایک معنے سے اہلحدیث اور ایک معنے سے اہلحدیث کی شاخیں ہیں۔ قولین میں سے کس کا قول صحیح اور درست ہے؟ (سائل عبد من عباد اللہ)

جواب (۲۰۵) ہم بڑے پُرزور دعوے سے کہتے ہیں کہ یہ مذاہب باطلہ و دیگر مذاہب واہیہ مذہب حقہ اہلحدیث کی شاخیں ہرگز ہرگز نہیں ہیں بلکہ کچھ تو پرانے مبتدعین معتزلہ خوارج وغیرہ سے اخذ کی گئی ہیں جیسا کتاب کشف الظنون سے معلوم ہوتا ہے اور کچھ یورپ کے ملاحدہ سے لی گئی ہیں اور ان مذاہب کو ہندوستان و پنجاب وغیرہ کے جن لوگوں نے قبول کیا ہے ان میں درحقیقت ایک شخص بھی سچا اہلحدیث نہ تھا۔ مذہب اہلحدیث تو ایک اثری اور سلفی مذہب ہے جس کا اصل اصول قال اللہ وقال الرسول یعنی اتباع اخبار رسول رب العالمین و آثار سلف صالحین یعنی صحاح ستہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، صحیح ابوداؤد، صحیح نسائی، صحیح ابن ماجہ ہے۔ پھر جس مذہب کا یہ سنہری اصول ہو اس کو ایسے مذاہب سے جن کا اصول صرف رائے و عقلی ڈھکوسلے ہوں کیا تعلق ہو سکتا ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ہاں یہ مذاہب دجالی شاخیں ہو سکتے ہیں۔ اَهْلُ الْحَدِيثِ هُمْ أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ لَمْ يَصْحَبُوا نَفْسَهُ أَنْفَاسَهُمْ صَحِبُوا

سوال (۲۰۶) جمعہ کے دن مسجد میں دو اذانیں ہونی چاہئیں یا ایک۔ اگر کوئی شخص حضرت عثمان والی اذان پر عمل کرنا چاہے تو مسجد میں دے یا خارج از مسجد؟ مفصل و مدلل بیان کیجئے۔ (سائل حکیم مولوی معین الدین صاحب لائلپوری)

جواب (۲۰۶) جمعہ کی اذان کے متعلق مسنون طریقہ تو یہی ہے کہ جب خطیب خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھے تو اس کے رخ کے سامنے باواز بلند اذان دینی چاہئے بس یہی اذان جمعہ کی ہے جو عہد نبوی و عہد صحابہ میں مروج و معمول تھی۔ یہی وہ اذان ہے جس کی متابعت و موافقت بفرمان نبوی عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ واجب اور مخالفت حرام ہے۔ زمانہ نبوت سے خلافت ثانیہ تک صرف یہی ایک اذان ہوتی تھی۔ فی زماننا بھی اسی پر عمل ہونا چاہئے۔ ہاں ضرورت کے وقت جب مسلمانوں کی کثرت ہو اور دور دور

کے سب مسلمان مل کر موافق شرع ایک ہی مسجد میں مثل زمانہ نبوت اور خلافت کے جمعہ ادا کریں تو دور والوں کی غرض سے اذان عثمانیہ مسجد سے دور (نہ اندر نہ متصل) مثل زوراء کے شہر کے بازار میں جہاں مسلمان خرید و فروخت میں مصروف رہتے ہیں کسی بلند مقام پر اپنی علت و ہیئت کے ساتھ بلاشبہ جائز ہے۔ یہ زوراء والی اذان عثمانیہ مسجد کے اندر دروازہ پر یا متصل دروازہ کے بوجہ تغیر مکان و تبدل علت کے بدعت ہے کیونکہ زمانہ نبوت و خلافت میں تعدد جمعہ نہ تھا۔ خود مدینہ میں نو مسجدیں اور نواح مدینہ میں تقریباً بائیس مسجدیں تھیں مگر جمعہ صرف مسجد نبوی میں ہوتا تھا اسلئے خلیفہ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شہر کے گرد و نواح والوں کے لئے اذان ثالث ایجاد کی اب جب کہ وہ علت ہی مفقود ہے تو معلول بدرجہ اولیٰ مفقود ہوگا۔ إِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ (اِلَّا فِیْمَا اسْتَثْنَی الشَّارِعُ) اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس ضرورت کو محسوس نہ کرتے ہوئے وہی زمانہ نبوی کے مطابق ایک اذان جاری رکھی اور زمانہ نبوی سے خلفاء اربعہ تک کسی ایک نے بھی جمعہ کے دن مسجد میں دو اذانیں نہیں کہلوائیں۔ ہاں خلفاء اربعہ کے بعد جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو مروانیوں نے جہاں دیگر سنن نبویہ کو درہم برہم کیا وہاں اذان عثمانیہ کو بھی خلاف طریقہ رسول و صحابہ کے مسجد میں جاری کر دیا کذا فی عون المعبود شرح ابوداؤد۔ پس جو لوگ آج جمعہ کے دن مسجد میں اذان عثمانیہ کہتے یا کہنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ اس میں سنت رسول و سنت صحابہ کے مخالف اور ہشام بن عبدالملک کے مقلد ہیں کیونکہ مَنْ كَانَ. صد افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء اربعہ کی سنت کو چھوڑ کر ہشام بن عبدالملک کی سنت کو ترجیح دیں اور پھر اہلحدیث کہلائیں: ایں خیال است و محال است و جنوں۔

سوال (۲۰۷) کیا عورت موحدہ مسلمہ قربانی یا غیر قربانی کا جانور تکبیر مسنونہ و دعا مشروعہ پڑھ کر ذبح کر سکتی ہے؟ (سائل شیخ عطاء اللہ نومسلم)

جواب (۲۰۷) شرعاً عورت مسلمہ تکبیر مسنونہ بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر ہر ایک جانور قربانی وغیرہ کا ذبح کر سکتی ہے ہکذا فی البخاری۔ جو لوگ عورت کے ذبیحہ کو مکروہ سمجھتے ہیں یہ ان کی ڈھٹائی غلطی اور شریعت بیضاء ملت سہلہ سے ناواقفی ہے فقط

(مفتی) ابو محمد عبدالستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار (آمین)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق جنوری ۱۹۳۴ء جلد ۱۳ نمبر ۹)

سوال (۲۰۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ باوجود کپڑا ہونے کے ننگے سر نماز پڑھنا نوافل و فرائض میں درست ہے یا نہیں؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ

لباس کا معنے عمامہ پر صادق نہیں آتا اس لئے عمامہ سکوت عنہ ہے بینوا توجروا۔

جواب (۲۰۸) الجواب بعون الوہاب۔ ننگے سر نماز پڑھنا نوافل و فرائض حضر و سفر
وغیرہ میں شرعاً جائز و درست ہے حیث لم یات دلیل بوجوب تغطیته
پاس بجز جنگ وجدال کے کوئی صریح دلیل ممانعت کی نہیں۔ مانعین کے
دلائل قویہ موجود ہیں۔ ننگے سر نماز پڑھنا۔ جوتی پہن کر نماز پڑھنا۔ نماز میں تین بار آمین
کہنا یا رب اغفرلی آمین کہنا یہ سب امور مسنونہ و مشروعہ ہیں۔ مصلی کے لئے سر ڈھانکنا
شرعاً ضروری نہیں۔ عاتقین یعنی کندھوں کا ڈھانکنا ضروری ہے جیسا کہ حدیث
متفق علیہ میں مرقوم ہے لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقیه منه
شیئ ہاں بوقت ضرورت جب کپڑا تنگ ہو تو سر تو در کنار کندھے بھی ڈھانکنے ضروری نہیں
صرف ایک تہبند میں نماز درست ہے کما ہو موجود فی الصحاح وغیرہا۔ عورت بالغہ کیلئے
نماز میں سر ڈھانکنا ضروری اور واجب ہے جیسا کہ حدیث بخاری و مسلم، ابوداؤد
ترمذی، ابن ماجہ و ابن خزیمہ میں موجود ہے لا یقبل اللہ صلوۃ حائض الا بخمار
ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی نے اپنی جامع میں فرمایا ہے والعمل علیہ
عند اہل العلم ان المرأۃ اذا ادرکت فصلت وشیئ من شعرها مکشوف
لا تجوز صلوتها یعنی عورت بالغہ جب نماز پڑھے اور اس کے سر کے تھوڑے بال بھی
کھلے ہوئے ہوں تو نماز جائز نہ ہوگی۔ وقتیکہ اپنے سر کو اچھی طرح نہ ڈھانکے۔
خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو اپنے
عمامہ سے دو ٹکڑا پھاڑ کر دیا تھا اور فرمایا کہ اختمری بہذا ای غطی راسک به۔ نیز طبرانی
صغیر و اوسط میں ابو قتادہ سے بالفاظ روایت ہے لا یقبل اللہ من امرأۃ صلوۃ
حتی تواری زینتها ولا من جاریة بلغت المحیض حتی تختمر یعنی عند اللہ اس
عورت کی نماز قبول نہیں جو اپنی زینت کو نہ چھپائے اور سر گردن چھاتی وغیرہ نہ ڈھانکے۔
سبل السلام صفحہ ۸۳ میں ہے یدل ذلک انه یجب علی المرأۃ ستر راسها و عنقها و
نحوه مما یقع علیه الخمار یس مراۃ کی تخصیص سے رجل خارج ہے معلوم ہوا!
مرد کی نماز ننگے سر جائز اور مقبول۔ عورت کی نماز ننگے سر ناجائز و مردود ہے اگر
مرد کی نماز بھی ننگے سر ممنوع ہوتی تو عورت کے لئے اتنی تقیید و تخصیص اور مرد کے لئے
سکوت وعدم ذکر نہ ہوتا فافہم وتدبر۔

خلاصہ یہ کہ مرد کیلئے سر ستر نہیں لہذا سر کا ڈھانکنا ضروری نہیں عورت کیلئے سر ستر
ہے لہذا ڈھانکنا ضروری ہے والحق الحق الحق بالنساء لا یصح ہوهنا لوجود الفارق
نیز حدیث جابرؓ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنی ثابت ہے جس سے نمازی کا مکشوف الراس

ہونا اظہر من الشمس ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ صفحہ ۲۰۸ شرح منتقی الاخبار میں مرقوم ہے و
الحدیث یدل علی ان الصلوۃ فی الثوب الواحد صحیحة۔ اصح الکتب بعد کتاب اللہ
صحیح بخاری میں ہے کہ شدت حر (یا برد) کی وجہ سے نمازی کو اپنی پگڑی یا ٹوپی پر سجدہ
کرنا یعنی ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے۔ مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ میں بسند صحیح
حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کانوا یسجدون وایدیهم فی ثیابهم ویسجد الرجل منهم علی قلنسوته و
عمامته (کذا فی فتح الباری) اس روایت سے بھی صحابہ کرام کا ننگے سر نماز پڑھنا اظہر من الشمس
وابین من الامس ہے ومن ادعی خلافه فعلیه البیان بالبرهان نیز عمامہ اور ٹوپی کو
لباس سے خارج سمجھنا اصطلاح شرع سے جہالت اور ناواقفی ہے حدیث جابرؓ میں
لفظ ہے کان للنبی صلی اللہ علیه وسلم عمامة سوداء یلبسها فی العید ویرخیها
خلفه (ابن عدی و نیل) امام نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے یجوز لبس العمامة الخ
لباس کا اطلاق عمامہ و ٹوپی پر کتب لغت و کتب حدیث میں اکثر مواضع میں آیا ہے من
شاء البسط فلیرجع الیها فقط

حررہ العاجز ابو محمد عبدالستار غفرله ولوالدیه الغفار التلمیذ والمداین لمحی
السنة قامع الشرک والبدعة ابی محمد عبدالوہاب طاب اللہ ثراه وجعل الجنة مثواه
وتاب علیهما التواب واعظم لهما الاجر والثواب آمین ورحم اللہ من قال آمینا۔

جواب ۲ ۔ ننگے سر نماز پڑھنا درست ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ننگے سر نماز پڑھنا
درست آیا ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے (صحیح بخاری) کسی نے
آپ سے سوال کیا کیا ایک کپڑے میں نماز درست ہے؟ جواباً فرمایا کیا ہر ایک کے پاس
دو کپڑے ہیں (صحیح بخاری) جابرؓ نے ایسا ہی کیا تو اسپر معترض نے اعتراض کیا تو جواباً
فرمایا یہ کام میں نے اس لئے اس طرح کیا تاکہ بیوقوف معلوم کرلیں کہ یہ درست ہے (صحیح بخاری)
لگا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی کا سترہ بنا کر نماز پڑھتے (کنز العمال) اسی طرح قاضی شریک
سے ثابت ہے۔ ابو اسحاق نماز میں اپنی ٹوپی رکھ دیتے پھر اٹھا لیتے (صحیح بخاری) اسی طرح
حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عمامہ اور ٹوپی پر قوم سجدہ کرتی تھی عمامہ اور ٹوپی کو لباس سے خارج کرنا
کلام عرب سے بے خبری کا باعث ہے واللہ اعلم۔

حررہ مفتی عبدالستار کلانوری نزیل دہلی مدرس مدرسہ مور یدروازہ دہلی

جواب ۳ ۔ عمامہ ٹوپی کے موجود ہوتے ہوئے برہنہ سر نماز فرض ہو یا نفل پڑھنے میں
کوئی قباحت شرعی نہیں۔ سر کا ڈھانکنا شرعاً ستر میں داخل نہیں اور نہ اس میں ہے کہ جسکو شارع
نے اس کے ڈھانکنے کا حکم فرمایا ہے جیسے کندھا البتہ عورت بالغہ کے حق میں تو ضرور شارع

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلا سرپوشی کئے ہوئے اس کی نماز نہیں کما لایخفی
محرم برابر سر برہنہ نماز فرض نوافل سب ادا کرتا ہے البتہ جس کا ڈھانکنا ضروری ہے وہ تو
نہ حالت احرام میں کھول سکتے ہیں اور نہ غیر حالت احرام میں۔ احرام کی حالت کوئی مستثنیٰ
نہیں۔ دیکھو محرم ہی کی حدیث سے ہمارے امام الائمہ رئیس المحدثین قدوۃ ائمۃ المحققین
طبیب الحدیث وعلتہ محمد بن اسمٰعیل البخاری روح اللہ روحہ القدس ونور ضریحہ نے اپنی
صحیح میں بے سلے کپڑوں میں نماز ثابت فرمائی ہے۔ معلوم ہوا صنیع امام الائمہ سے کہ حالت احرام
کو دیکھیے۔ شے نہیں غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ بھلا جس چیز کے بلا چھپائے نماز ہی نہ ہوتی ہو
تو کیا احرام کی حالت میں نماز ہو جاوے گی۔ بھلا کھلے کندھے و برہنہ ستر سے تو نماز پڑھکر
بتائیے۔ شرعی قباحت تو درکنار کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ پس ظاہر ہے کہ سر کا ڈھانکنا
شرط نماز سے نہیں۔ گو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کلاہ اتار کر سترہ کی جگہ رکھ دیا کرتے
ملاحظہ ہو جامع الصغیر وکنز العمال كَانَ رُبَّمَا نَزَعَ قَلَنْسُوَتَهُ فَجَعَلَهَا سُتْرَةً بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
هُوَ يُصَلِّي أَخْرَجَهُ الرُّويَانِي وَابْنُ عَسَاكِرَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قُلْتُ ذَكَرَهُ أَيْضًا
مُحِبُّ الدِّينِ الطَّبَرِيُّ فِي سِيرَتِهِ وَلِهَذَا الْحَدِيثِ أَصْلٌ أَصِيلٌ فِي صَحِيحِ أَبِي دَاوُدَ
السِّجِسْتَانِي فِي بَابِ الْخَطِّ إِذَا لَمْ يَجِدْ عَصًا مُسْنَدًا إِلَى سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ رَأَيْتُ
شَرِيكًا صَلَّى بِنَا فِي جَنَازَةِ الْعَصْرِ فَوَضَعَ قَلَنْسُوَتَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ يَعْنِي فِي فَرْضٍ يَحْضُرُ
قاضی شریک نے فرض نماز میں کلاہ کا سترہ بنایا وہ نماز بھی عصر کی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے
وَوَضَعَ أَبُو إِسْحَاقَ قَلَنْسُوَتَهُ فِي الصَّلَاةِ وَرَفَعَهَا ابو اسحاق سبیعی نے نماز میں ٹوپی
اتار دی اور اٹھا بھی لی باب السجود علی الثوب میں ہے قَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ
يَسْجُدُونَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ حسن بصری فرماتے ہیں
اصحاب کرام سجدہ کرتے پگڑیوں اور کلاہ پر اور ہاتھ آستینوں میں ہوتے تھے قُلْتُ وَصَلَ هَذَا
التَّعْلِيقَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ كَمَا نَبَّهَ عَلَى ذَلِكَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ الْعَسْقَلَانِيُّ فِي فَتْحِهِ ٹوپی و
عمامہ کو لباس سے ہی خارج سمجھنا عین جہالت ہے۔ لباس ہر مالبس کو کہتے ہیں۔ قلنسوہ
کے بیان میں صاحب قاموس لکھتے ہیں ما یلبس فی الراس او کما قال۔ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے لباس کو زاد المعاد وغیرہ میں ملاحظہ فرماویں آیا آپ کے لباس میں کہیں
عمامہ وکلاہ کا بھی پتہ لگتا ہے یا نہیں۔ ابتدائی کتاب مشکوٰۃ کے کتاب اللباس میں ملاحظہ
فرمائیں آیا اس میں عمامہ وکلاہ کا ذکر کہیں ہے یا نہیں۔ اگر لباس میں داخل نہیں تو پھر
کن چیزوں میں ان کو داخل سمجھا جاوے کذا فی لمتحقہ ....
لغت کو ملاحظہ فرمادیں لباس میں انہیں داخل کرتے ہیں یا خارج فیاللہ العجب ثعالبی وغیرہ کتب .....
کلاہ لباس ہی نہیں اگر دو کپڑے والی حدیث ان سے مسکوت ہے تو حدیث جابر تو عمامہ و

صریح ہے صَلَّى جَابِرٌ فِي إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ
قَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّي فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذَلِكَ لِيَرَانِي أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا
كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ
قَالَ دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَهُوَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ مُلْتَحِفًا بِهِ وَرِدَاؤُهُ مَوْضُوعٌ
فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ تُصَلِّي وَرِدَاؤُكَ مَوْضُوعٌ قَالَ نَعَمْ أَحْبَبْتُ
أَنْ يَرَانِي الْجُهَّالُ مِثْلُكُمْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي كَذَا
حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تو فقط ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھی باقی جس قدر کپڑے
تھے مشجب پر رکھدیئے تھے علاوہ ایک کپڑے کے ان پر کچھ بھی تو نہ تھا۔ دیکھنے والوں
کو زیادہ تعجب میں تو ایسے ہی اموروں نے ڈالا تھا۔ جواب بھی معقول عنایت کیا کہ کسی کو دم مارنے کی
جگہ نہ رہی۔ ہم اگر جبراً ٹوپی عمامہ حضرت جابرؓ کے سر پر رکھیں تو وہ کب قبول کرتے تھے
علاوہ ازیں صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ دوسی مروی ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ آپ نے
فرمایا کہ نماز پڑھنے پاوے کوئی ایک کپڑے میں کہ نہ ہو اس کے کندھے پر اس کپڑے سے کچھ
ارشاد نبی ہیں کچھ خامی ہو تو یہی ہمارے بھائی نکالدیں۔ ارشاد نبی ایک کپڑے میں نماز
پڑھنے والے کو صرف اسی قدر ہے کہ کندھوں کو ضرور ڈھانکیں سرپوشی کا حکم نہیں دیا
البتہ عورت کو تو ضرور دیا ہے ایک کپڑے والے کی طرح حدیث صریح صاف ہے
مقلدین کی طرح قبول میں ایچ پیچ سے حذر کریں مثل مشہور ہے ناچنا منظور نہیں صحن
ٹیڑھا ہے کا مضمون نہ کریں۔ بھلا جس چیز کا ذکر جس کا استثنا پیغمبر نہ کرے ہم کون اپنی
ٹانگ اڑانے والے پیغمبر موانع صلوٰۃ سے فقط ستر عورات و عاتقین کو فرمائیں ہم ایسے
لائق تبع کہ سر بھی داخل کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کریں۔ فیاللہ العجب انا للہ
وانا الیہ راجعون ہذا ماسنح ببالی والحمد للہ اولاً وآخراً وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ
وسلم اجمعین۔

ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل السامرودی

جواب نمبر ۴: ننگے سر نماز پڑھنی خواہ فرض ہوں یا نفل بلاشبہ جائز ہے۔ احادیث
صحیحہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کپڑے میں نماز
پڑھی ہے چنانچہ صحیح بخاری ص۵۱ ج ا میں ہے عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ
جَابِرًا يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ۔ روایت ہے محمد بن منکدر سے اس نے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ
کو دیکھا وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے اور کہا جابرؓ نے کہ میں نے جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے اور نیز صحیح بخاری ص۵۲ میں

عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَۃَ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَۃَ قَدْ اَلْقٰی طَرَفَیْہِ عَلٰی عَاتِقَیْہِ۔ روایت ہے عمر بن ابی سلمہ سے تحقیق دیکھا اسنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے تھے آپ ایک کپڑے میں ام المومنین ام سلمہؓ کے گھر میں اور دونوں کنارے اس کے اپنے دونوں مونڈھوں پر ڈالے۔

ان دونوں حدیثوں سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھی اور ظاہر ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے سے سر ننگا رہتا ہے۔ اور صحیح بخاری ص۵۲ ج۱ اور مسلم ص۱۹۸ ج۱ میں ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ سَائِلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَلِکُلِّکُمْ ثَوْبَانِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سائل نے پوچھا ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کو۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں۔ خیر جاری شرح صحیح بخاری میں ہے وَیُسْتَفَادُ مِنْہُ الْحُکْمُ بِجَوَازِ الصَّلٰوۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَھُوَ مَذْھَبُ الْجُمْھُوْرِ مِنَ الْعُلَمَاءِ یعنی اس حدیث سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ثابت ہوتا ہے اور یہی مذہب ہے جمہور صحابہ کا جیسے ابن عباس اور علی اور معاویہ اور انس بن مالک اور خالد بن ولید اور ابو ہریرہ اور عائشہ اور ام ہانی اور تابعین وغیرہ وغیرہ میں سے حسن بصری اور ابن سیرین اور شعبی اور ابن مسیب اور عطاء اور ابو حنیفہ کا اور فقہاء میں سے ابو یوسف اور محمد اور شافعی اور مالک اور احمد کا ایک روایت میں اور اسحاق بن راہویہ کا ان سب کا یہی قول ہے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے جب عورت چھپ جاوے چنانچہ قسطلانی شرح صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۱۹ میں ہے وَھٰذَا مَذْھَبُ الْجُمْھُوْرِ مِنَ الصَّحَابَۃِ کَابْنِ عَبَّاسٍ وَّعَلِیٍّ وَّمُعَاوِیَۃَ وَاَنَسِ بْنِ مَالِکٍ وَّخَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَعَائِشَۃَ وَاُمِّ ھَانِیٍٔ وَّمِنَ التَّابِعِیْنَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَابْنُ سِیْرِیْنَ وَالشَّعْبِیُّ وَابْنُ الْمُسَیَّبِ وَعَطَاءٌ وَّاَبُوْ حَنِیْفَۃَ وَمِنَ الْفُقَھَاءِ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَّالشَّافِعِیُّ وَمَالِکٌ وَّاَحْمَدُ فِیْ رِوَایَۃٍ وَّاِسْحٰقُ ابْنُ رَاھُوْیَہْ۔ جامع ترمذی ص۴۷ میں ہے عَنْ عُمَرَ ابْنِ اَبِیْ سَلَمَۃَ اَنَّہٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَۃَ مُشْتَمِلًا فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ انتھی قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ عُمَرَ ابْنِ اَبِیْ سَلَمَۃَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَّالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَا عِنْدَ اَکْثَرِ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَ ھُمْ مِّنَ التَّابِعِیْنَ وَغَیْرِھِمْ قَالُوْا لَا بَاْسَ بِالصَّلٰوۃِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَقَدْ قَالَ بَعْضُ اَھْلِ الْعِلْمِ یُصَلِّی الرَّجُلُ فِیْ ثَوْبَیْنِ۔

ان احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنی بلاشبہ جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے سے سر ننگا رہتا ہے اور بعض کا

یہ کہنا کہ ننگے سر کی کوئی روایت صراحۃً نہیں ہے کیونکہ ان حدیثوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ننگے سر نماز پڑھی اس سے زیادہ اور کیا صراحت چاہیئے اور جس روایت میں محض دو کپڑے میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اس سے عمامہ خارج ہے اس لئے اطلاق ثوب کا عمامہ پر بھی آتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری مسلم وغیرہ میں آیا ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُفِّنَ فِیْ ثَلٰثَۃِ اَثْوَابٍ لَّیْسَ فِیْھَا قَمِیْصٌ وَّلَا عِمَامَۃٌ معلوم ہوا کہ اطلاق ثوب کا قمیص اور عمامہ پر بھی آتا ہے ورنہ استثناء کے کیا معنیٰ۔ اور عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَفَّنَ ... فِیْ خَمْسَۃِ اَثْوَابٍ قَمِیْصٍ وَّعِمَامَۃٍ وَّثَلٰثِ لَفَائِفَ

اس حدیث سے بھی صاف طور پر ثابت ہوا کہ جس طرح اطلاق ثوب کا قمیص و لفافہ پر ہے ویسے ہی عمامہ پر بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ان بعض کا یہ کہنا اور مطلب بیان کرنا کہ ثوب کا معنے عمامہ پر صادق نہیں آتا یہ ان کا قول بیجا ہے اور بلا دلیل ہے اور اگر مانا جائے کہ اطلاق ثوب کا عمامہ پر صادق نہیں آتا او رعمامہ مسکوت عنہ ہے اور اصل مسکوت عنہ میں جواز ہے حدیث میں آیا ہے وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مِمَّا عَفَا عَنْہُ واللہ اعلم۔ محمد عبداللہ غفرلہ از کھیپانوالی ضلع فیروزپور

جواب ۵۔ الجواب صحیح عبدالحمید مدرس مدرسہ اسلامیہ واقع بدھوانہ ضلع جھنگ

جواب ۶۔ جائز ہے حدیث شریف میں ثبوت ملتا ہے (صحیح مسلم) اللہ اعلم
مفتی ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری

جواب ۷۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے صورت بلا مسطورہ میں واضح و لائح ہو کہ ننگے سر نماز پڑھنا درست و جائز ہے چنانچہ روایت ہے عمر بن ابی سلمہ سے کہا دیکھا میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے کپڑے ایک میں لپیٹنے والے ساتھ اس کے (اس طور پر کہ بعض کپڑے کا تہبند باندھے تھا اور بعض کو اپنے کندھوں پر ڈالے تھا گھر میں ام سلمہؓ کے) متفق علیہ۔

ف۔ اس حدیث سے صریح معلوم ہوا کہ آپ کا سر ننگا تھا یعنی سر پر کوئی کپڑا نہ تھا اس لئے کہ راوی حدیث جو کپڑے ایک کی روایت کرتے ہیں اور پھر اس کی تفصیل خود بیان کرتے ہیں جس میں ذکر سر کا نہیں کرتے۔ اگر سر پر کپڑا ہوتا تو ضرور اس کا ذکر بھی کرتے۔ ایضاً مروی ہے ابو ہریرہؓ سے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے جو نماز پڑھے ایک کپڑے میں پس چاہیئے کہ مختلف کرے طرفین اس کی یعنی داہنا پلہ بائیں کندھے پر اور بایاں پلہ داہنے کندھے پر۔ ف: صورت استدلال یہ ہے کہ اگر سر ڈھانکنا ضروری ہوتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایک کپڑے والے کو حکم فرماتے کہ سر پر کپڑا ڈالے مگر ایسا حکم نہیں فرمایا گیا جس سے ثابت ہوا کہ سر ڈھکنا ضروری نہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بھی بین ثبوت ہے جو بخاری میں موجود ہے واللہ اعلم۔ کتبہ ابو محمد عبدالجبار مدرس مدرسہ

کھنڈیلہ ضلع جے پور۔ الجواب صحیح احمد بن محمد دار الحدیث دہلی (حال وارد مدینہ منورہ)

الادیب الفہیم النحریر مولانا عبد الجلیل صاحب کا ایک محققانہ فتویٰ

برائے ضیافت طبع ناظرین صحیفہ اہلحدیث

نماز جنازہ کا مسنون طریقہ

اس ناچیز نے نماز جنازہ جہر وسورہ فاتحہ مع مختصر سورہ کے پڑھائی تھی جس پر بعض بعض افراد نے اس میں چون وچرا کی بعض جگہ سے استفتاء بھی منگوایا مگر سائل نے بھی دروغ بافی سے حذر نہ کیا تھا اور نہ ہی مجیب نے کوئی قابل جواب دیا بلکہ وہ جواب محض ایک عصبیت سے لبریز تھا لہٰذا ضروری معلوم ہوا کہ اس امر کو بالوضاحت روز روشن کی طرح ظاہر کیا جائے۔ اللہ میاں عصبیت ونفسانیت سے محفوظ رکھے اور نیک توفیق دے آمین۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں

سوال (۲۰۹) جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا شرعاً درست ہے یا مکروہ غیر جائز۔

جواب (۲۰۹) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ رَبِّ اَعِنْ يَا كَرِيْمُ ○ سورۂ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا مسنون ہے۔ احادیث مرفوعہ وموقوفہ وآثار صحابہ سے ثابت ہے۔ فاضل علامہ عبد الحی لکھنوی خاتمہ امام الکلام صفحہ ۲۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں اِعْلَمْ اَنَّهٗ قَدْ وَرَدَتْ اَحَادِيْثُ مَرْفُوْعَةٌ وَّاٰثَارٌ مَّوْقُوْفَةٌ دَالَّةٌ عَلٰى شَرْعِيَّةِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى فِىْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ وَوَرَدَتْ بَعْضُ الْاٰثَارِ بِتَرْكِهَا وَاخْتَلَفَ الصَّحَابَةُ فِىْ فِعْلِهَا وَتَرْكِهَا وَتَبِعَ ذٰلِكَ اخْتِلَافُ الْاَئِمَّةِ فِىْ ذٰلِكَ وَالْمُرَجَّحُ فِىْ ذٰلِكَ هُوَ الْقِرَاءَةُ عَلٰى وَجْهِ الْاِسْتِحْبَابِ اَوِ السُّنِّيَّةِ لِثُبُوْتِ ذٰلِكَ بِالْاَخْبَارِ الْمُتَوَاتِرَةِ وَهِىَ وَاِنْ كَانَ بَعْضُهَا ضَعِيْفَةً لٰكِنْ اِذَا ضُمَّ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ يُعْطِى الْوُثَاقَةَ وَالْقَوْلُ بِالْكَرَاهَةِ مُطْلَقًا اَوْ بِالْكَرَاهَةِ بِنِيَّةِ الْقِرَاءَةِ لَا بِنِيَّةِ الثَّنَاءِ لَا يَدُلُّ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ بِاَحَدٍ مِّنْ وُجُوْهِ الدَّلَالَةِ یعنی اچھی طرح معلوم کرو کہ جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے کی مشروعیت میں مرفوع حدیثیں اور آثار موقوفہ دالہ وارد ہیں۔ بعض آثار صحابہ سے اس کا نہ پڑھنا بھی آیا ہے۔ صحابہ نے اس کے پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف کیا ہے۔ انہی اختلاف کی بناء پر ائمہ کا بھی اختلاف ہوا ہے۔ ترجیح پڑھنے ہی کو ہے خواہ استحباب کی بناء پر خواہ مسنونیت کی بناء پر حدیثوں کے ثابت ہونے کی وجہ سے اس امر میں گو بعض میں ضعف ہے مگر ایک دوسرے سے

مل کر قوت ہو جاتی ہے۔ رہا مکروہ مطلق کہنا یا قرارت کی نیت سے پڑھنے کو مکروہ کہنا سو اس پر کوئی دلیل پائی نہیں جاتی دلالت کی کوئی بھی وجوہات سے۔

تعلیق المجد حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۱۳۱ میں نَفْسُ الْقِرَاءَةِ ثَابِتَةٌ فَلَا سَبِيْلَ اِلَى الْحُكْمِ بِالْكَرَاهَةِ بَلْ غَايَةُ الْاَمْرِ اَنْ لَّا يَكُوْنَ لَازِمًا۔ نفس قرارت سورہ فاتحہ تو ثابت ہے لہٰذا اسے مکروہ کہنے کا کوئی راستہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ لازم فرض نہ ہو بس۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۰ جلد ۲ میں فرماتے ہیں وَمِنَ السُّنَّةِ قِرَاءَةُ فَاتِحَةِ الْكِتٰبِ لِاَنَّهَا خَيْرُ الْاَدْعِيَةِ وَاَجْمَعُهَا عَلَّمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى عِبَادَهٗ فِىْ مُحْكَمِ كِتَابِهٖ۔ سورۂ فاتحہ جنازہ کی نماز میں پڑھنا مسنون ہے چونکہ یہ دعاؤں میں بہتر اور جامع دعا ہے اللہ میاں نے اپنے بندوں کو اپنی محکم کتاب میں تعلیم فرمائی ہے۔ علامہ سندھی حنفی حواشی صحاح میں اور فاضل حسن شرنبلالی فرماتے ہیں لَا وَجْهَ لِلْمَنْعِ عَنْهَا کوئی وجہ اس کے پڑھنے سے منع کی نہیں۔ علامہ ترکمانی حنفی الجوہر النقی علی سنن البیہقی کے صفحہ ۳۹ ج ۴ میں فرماتے ہیں مَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ اَنَّ الْقِرَاءَةَ لَا تَجِبُ فِىْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لَا تَجِبُ وَلَا تُكْرَهُ ذَكَرَهُ الْقُدُوْرِىُّ فِىْ تَجْرِيْدِهٖ۔ حنفیہ کا تو مذہب یہ ہے کہ پڑھنا جنازہ کی نماز میں نہ ہی واجب ہے اور نہ ہی مکروہ۔

جب حنفیہ کے نزدیک واجب بھی نہیں اور مکروہ بھی نہیں تو پھر اس کا پڑھنا مسنون ہے یا مستحب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکروہ حنفیہ کا اصل مذہب نہیں یہ پچھلے لوگوں کا مذہب ہے جو اس کو مکروہ کہدیا اور پھر اس مکروہ کو مکروہ تحریمی سے بیان کیا حالانکہ کسی معتمد فقیہ نے مطلق قرارت کو نماز میں مکروہ تحریمی نہیں فرمایا۔ ہاں اس تفصیل سے تو ضرور لوگوں نے مکروہ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ دعا کی نیت سے جائز اور قرارت کرنے کی نیت سے مکروہ دیکھئے در مختار عِنْدَنَا تَجُوْزُ بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۵۴۲۔ وَلَوْ قَرَاَ الْفَاتِحَةَ بِنِيَّةِ الثَّنَاءِ وَالدُّعَاءِ جَازَ بحر الرائق میں محیط اور تجنیس صاحب ہدایہ سے ہے وَلَوْ قَرَاَ الْفَاتِحَةَ فِيْهَا بِنِيَّةِ الدُّعَاءِ فَلَا بَاْسَ فِى الْاَشْبَاهِ قَالُوْا اِنَّ الْمُؤْتَمَّ اِذَا قَرَاَ الْفَاتِحَةَ فِىْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ بِنِيَّةِ الذِّكْرِ لَمْ يُكْرَهْ وَغَيْرِهٖ مقتدی کو بھی ذکر کی غرض سے جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا حرام نہیں۔ جو مطلق پڑھنے کو مکروہ وہ بھی تحریمی کہے وہ بڑا ہی جاہل اور مذہب سے ناواقف ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی فرماتے ہیں اکثر علماء کرام برانند کہ فاتحہ ہم بخواند۔ اکثر علماء اس بات پر ہیں کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ بھی پڑھیں۔ قاضی صاحب نے مالابدمنہ کے صفحہ ۹۳ میں مرتے وقت اپنے وصیت نامہ میں وصیت کی ہے کہ میرے جنازہ پر سورۂ فاتحہ بھی پڑھنا

دیکھو ان کا وصیت نامہ مع مالابد منہ صفحہ ۱۹ و بعد تکبیر اولی سورۃ فاتحہ ہم خوانند ۔ ہاں
قرارت کی نیت سے جو پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے شامی اس کو کراہیت تحریمی سے تعبیر
کرتے ہیں جو ٹھیک نہیں بلکہ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ علامات الجوائز فی صلوۃ الجنائز
میں اس کراہیت کو کراہیت تنزیہی فرمایا ہے جو اولویت کے مدمقابل ہے مانصہ ھو
محمول علی الکراھۃ التنزیھیۃ التی ھی خلاف الاولی کما لایخفی مجھے بڑا ہی
تعجب معلوم ہوتا ہے اس مدعی علم سے کہ باوجود احادیث نبویہ و آثار صحابہ سے اس کے
پڑھنے کے ثبوت ہوتے ہوئے مکروہ کہے وہ بھی تحریمی۔ بھلا جس کام کو پیغمبر صلی اللہ علیہ و
سلم کریں کہیں صحابہ کریں کہیں اور وہ کام مکروہ وہ بھی تحریمی ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
کس نیت سے پڑھی تھی سورۃ فاتحہ یا ارشاد فرمایا وہ آپ کے بے بتلائے کون کہہ سکتا ہے
اور جو کہے وہ بے دلیل ہے لان نیۃ الثناء امر مبطن لا یعلم الا من الفاعل قال
الفاضل حسن اشتر تبدلی حکمہ الفاضل اللکھنوی فی امام الکلام صفحہ ۲۳۸ ۔ فاضل
لکھنوی حنفی تعلیق امام الکلام مسمی غیث الغمام میں فرماتے ہیں مع ان ... ایضا فان اختلاف النیۃ امر باطن لا یطلع علیہ احد الا ببیان من نواہ

احادیث مرفوعہ سے نماز جنازہ میں قرارت فاتحہ کا ثبوت

سنو ہم اب اولا مرفوع روایتوں کو بیان کرتے ہیں
(۱) وعن جابر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر علی جنائزنا اربعا و
یقرأ بفاتحۃ الکتاب فی التکبیرۃ الاولی رواہ الحاکم فی مستدرکہ والامام
الشافعی فی کتاب الام قلت فیہ محمد بن عبد اللہ بن عقیل قال الترمذی
فی جامعہ فی باب مفتاح الصلوۃ الطہور ھو صدوق وقد تکلم فیہ بعض اہل
العلم من قبل حفظہ وسمعت محمد بن اسمعیل یقول کان احمد بن حنبل
واسحق بن ابراھیم والحمیدی یحتجون بحدیث محمد بن عبد اللہ بن عقیل
قال محمد ھو مقارب الحدیث۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے جنازوں پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے اور پہلی تکبیر میں سورۃ
فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔
(۲) عن ام شریک الانصاریۃ قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان نقرء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب رواہ ابن ماجۃ قلت فیہ شہر بن حوشب
قال ابن الہمام فی فتح القدیر ص ۱۱ الصحیح فی شہر التوثیق وثقہ ابو زرعۃ واحمد
ویحیی ویعقوب ابن شیبۃ قلت وکذا رجح توثیقہ العلامۃ الترکمانی فی
الجواھر النقی والزیلعی المخرج فی نصب الرایۃ لکن حماد بن جعفر العبدی فیہ

البصری قال ابن معین ثقۃ وذکرہ ابن حبان فی الثقات علی ما فی تہذیب الحافظ
ام شریک انصاریہ فرماتی ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم جنازہ پر
سورہ فاتحہ پڑھیں۔
(۳) وعن ام عفیف قالت بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین بایع
النساء فاخذ علینا ان لا نحدث من الرجال الا محرما وامرنا ان نقرء علی
میتنا بفاتحۃ الکتاب رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ عبد المنعم ابو سعید
وھو ضعیف کذا فی مجمع الزوائد فی المجلد الثالث وذکر ھذا الحدیث ایضا
الحافظ ابن عبد البر فی استیعابہ صفحہ ۲۸۲ ج ۲ والحافظ ابن حجر فی الاصابۃ
صفحہ ۲۷۶ ج ۴ لفظ الاصابۃ علی جنائزنا۔ ام عفیف نہدیہ فرماتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی جب کہ آپ نے عورتوں سے بیعت لی تھی۔ آپ نے
ان عورتوں سے بیعت میں عہد لیا تھا کہ تم غیر محرم مرد سے باتیں چیتیں نہ کیا کرنا اور ہمیں
حکم فرمایا تھا کہ ہم اپنے جنازوں میتوں پر سورۃ فاتحہ پڑھیں۔
(۴) وعن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
علی الجنازۃ فاقرؤا بفاتحۃ الکتاب رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ معلی بن
حمران ولم اجد من ذکرہ وبقیۃ رجالہ موثقون وفی بعضھم کلام
کذا فی مجمع الزوائد۔ اسماء بنت یزید بن السکن خطیبۃ النساء فرماتی ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر فرمایا پڑھو سورۃ فاتحہ کو۔
(۵) وعن ابن عباس قال اتی بجنازۃ جابر ابن عتیک او سہل بن عتیک فتقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وکان اول من صلی علیہ فی موضع الجنائز فکبر فقرأ بام القرآن فجہر بہا ثم کبر الثانیۃ فصلی علی
نفسہ وعلی المرسلین ثم کبر الثالثۃ فدعا للمیت الحدیث رواہ الطبرانی
فی الاوسط وفیہ یحیی ابو یزید بن عبد الملک النوفلی وھو ضعیف کذا
فی مجمع الزوائد۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جابر بن عتیک یا
سہل بن عتیک (شک راوی کا) کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا۔ سب سے پہلے یہی
جنازہ تھا جو مخصوص جنازہ پڑھنے کی جگہ میں پڑھا گیا سو آپ آگے بڑھے اور تکبیر کہی پھر
سورۃ فاتحہ زور سے پڑھی پھر دوسری تکبیر کہی اور اپنی ذات اور مرسلین پر درود پڑھا
پھر تیسری تکبیر کہی اور میت کے لئے دعا کی۔
یہ تو ہوئیں صریح مرفوع روایتیں جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے میں۔ اب ہم وہ روایتیں
ذکر کرتے ہیں جن میں صحابہ نے تو بغیر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ذکر کیا اور وہ

روایتیں مرفوع ہیں۔

(۱) دیکھو صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ عن طلحۃ بن عبد اللہ ابن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب قال لتعلموا انہا سنۃ۔ قلت ہذا الحدیث القائم وقد رفعہ صریحا بعض الرواۃ غیر الا ان الترمذی قال فی جامعہ الصحیح عن ابن عباس قولہ من السنۃ

طلحہ بن عبد اللہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک جنازہ کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی۔ بعد میں دریافت کرنے پر کہا کہ تم معلوم کر لو کہ یہ سنت ہے

(۲) عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف وکان من کبراء الانصار وعلماءہم وابناء الذین شہدوا بدرا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرہ ان السنۃ فی الصلوۃ علی الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اخرجہ الطحاوی فی معانی الآثار والشافعی فی الام وعنہ والبیہقی وسند الطحاوی لا مطعن فیہ وکذا البیہقی الا ان فی روایۃ البیہقی اخبرہ رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدل رجل وقال قال الزہری حدثنی بذلک ابو امامۃ وابن المسیب یسمع فلم ینکر ذلک علیہ قال ابن شہاب فذکرت الذی اخبرہ ابو امامۃ من السنۃ فی الصلوۃ علی المیت لمحمد بن سوید فقال وانا سمعت الضحاک بن قیس یحدث عن حبیب بن مسلمۃ فی صلوۃ صلاہا علی المیت مثل الذی حدثنا ابو امامۃ

ابو امامہ اسعد بن سہل بن حنیف جو کہ انصار کے بڑوں میں سے اور ان کے علماء میں سے ہیں اور بدریوں کے فرزند انہیں کسی ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے پھر سورۂ فاتحہ پڑھے۔

(۳) عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف یحدث سعید بن المسیب قال السنۃ فی الصلوۃ علی الجنازۃ ان تکبر ثم تقرأ بام القرآن ثم تصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم تخلص الدعاء للمیت ولا تقرأ الا فی التکبیرۃ الاولی اخرجہ ابن الجارود فی المنتقی ص ۲۶۵ قال الحافظ فی فتح الباری بعد ان اخرجہ عن عبد الرزاق والنسائی اسنادہ صحیح وقد اخرجہ ایضا ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ فی الجزء الرابع وابن حزم فی المحلی ص ۱۳۰ ج ۵۔ ابو امامہ مذکور نے سعید بن المسیب سے کہا کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھے پھر درود پڑھے پھر خالص دعا کرے۔ صرف پہلی ہی تکبیر میں پڑھے۔ صحابی جب من السنۃ کہے تو وہ حدیث حکم مرفوع ہی ہوتی ہے تمام محدثین کے نزدیک۔

امام نووی مقدمہ شرح صحیح مسلم صفحہ ۱ میں فرماتے ہیں واما اذا قال الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او من السنۃ کذا فکلہ مرفوع علی المذہب الصحیح الذی قالہ الجمہور من اصحاب الفنون قال ابن الہمام فی الفتح قول الصحابی من السنۃ حکمہ الرفع عند الجمہور ذکرہ فی الحج

علامہ عبد الحی لکھنوی ظفر الامانی شرح مقدمہ جرجانی کے صفحہ ۱۳ میں بعد طویل بحث کے فرماتے ہیں اقول والاحسن عندی فی ہذا المبحث مذہب ائمۃ الحدیث وعلیہ اعتمادی میرے نزدیک اس مبحث میں ائمہ حدیث کا ہی مذہب بہت اچھا ہے اسی پر میرا اعتماد بھی ہے۔

اب چند آثار صحابہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن عبید بن السباق قال صلی بنا سہل بن حنیف علی جنازۃ فلما کبر التکبیرۃ الاولی قرأ بام القرآن حتی اسمع من خلفہ اخرجہ البیہقی فی السنن ص ۳۹ ج ۴ والدارقطنی ص ۱۹۱ ج ۱ وابن ابی شیبۃ فی المصنف فی الجزء الرابع ص ۱۱۳ عبید بن السباق فرماتے ہیں کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک جنازہ پڑھایا پہلی تکبیر کہی تو سورۂ فاتحہ پڑھی اس طرح کہ مقتدیوں کو بھی سنایا۔

(۲) روی ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود انہ قرأ علی الجنازۃ بالفاتحۃ کذا فی المحلی للشیخ سلام اللہ الدہلوی والمحلی لابن حزم ص ۱۲۹ ج ۵ والبیہقی ص ۳۹ ج ۴ وابن المنذر کذا فی الدر المنثور۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی۔

(۳) ان المسور بن مخرمۃ صلی علی جنازۃ فقرأ فی التکبیرۃ الاولی فاتحۃ الکتاب وسورۃ قصیرۃ ورفع بہما صوتہ اخرجہ ابن حزم فی المحلی ص ۱۲۹ ج ۵ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی ایک جنازہ پر۔ پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ اور ایک چھوٹی سی سورت پڑھی اونچی آواز سے۔

(۴) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص انہ کان یقرأ بام القرآن بعد التکبیرۃ الاولی علی الجنازۃ اخرجہ الامام الشافعی فی کتاب الام ص ۲۶۶ ج ۱ والمسند ایضا قال الامام الشافعی فی الام وبلغنا ذلک عن ابی بکر الصدیق وسہل بن حنیف وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص تکبیر اولی کے بعد جنازہ پر سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ ابوبکر صدیق اور سہل بن حنیف اور دیگر صحابہ سے بھی اسی طرح آیا ہے۔

(۵) عن مجاہد قال سألت ثمانیۃ عشر رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ فَکُلُّھُمْ یَقُوْلُ کَبِّرْ ثُمَّ اقْرَءْ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ ثُمَّ کَبِّرْ ثُمَّ صَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَذَا فِیْ غُنْیَۃِ الطَّالِبِیْنَ لِلشَّیْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ الْجِیْلَانِیْ فِیْ فَصْلِ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ ص۱۳۸ ج۲ وَرَوَاہُ الْاَثْرَمُ ذَکَرَہُ الشُّرُنْبُلَالِیْ نَقْلًا عَنْ اُسْتَاذِہٖ عَنْ قَاسِمِ بْنِ قُطْلُوْبُغَا عَلٰی مَا فِی التَّعْلِیْقِ الْمُمَجَّدِ۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اٹھارہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے جنازہ کی نماز کے متعلق دریافت کیا۔ سب نے یہی کہا کہ تکبیر کہہ پھر سورۂ فاتحہ پڑھ پھر تکبیر کہہ اور درود پڑھ۔

اور بھی صحابہ کے آثار ہیں جنہیں اختصار کی غرض سے ترک کئے دیتا ہوں۔ ابن حزم نے جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے والوں میں سے ابوہریرہ، ابو داؤد، ابن مسعود، امام انس بن مالک کو محلی صفحہ ۱۳۰ جلد ۵ میں بیان کیا ہے۔

تابعین عظام سے جنازہ میں قرأتِ فاتحہ کا ثبوت

تابعین میں سے بھی بہت سے افراد ایسے ہیں جو جنازہ میں سورۂ فاتحہ کو مسنون جانتے ہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے قَالَ الْحَسَنُ یَقْرَأُ عَلَی الطِّفْلِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَیَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّاَجْرًا۔ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں بچے پر سورۂ فاتحہ اور اللھم اجعلہ لنا اخیر تک پڑھا جائے۔

غرضیکہ سورۂ فاتحہ جنازہ کی نماز میں پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ سے ثابت ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ کسی صریح صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں وہ محض لغو کہتا ہے اس نے ان حدیثوں کو یا تو دیکھا ہی نہیں یا اگر دیکھا بھی ہے تو نفسانیت و عصبیت کے نقاب نے بصارت قلبی پر پورا قبضہ کر رکھا ہے۔ بھلا کوئی ان صحاح صراح کا انکار ذوی البصارت کر سکتا ہے اللہ میاں اسے نیک سمجھ دے۔ فاضل ابن الہمام سے بھی ایک ایسی ہی غفلت ہوگئی ہے کہ انہوں نے بھی لکھ دیا کہ لَمْ تَثْبُتِ الْقِرَاءَۃُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَذَا فِی الْفَتْحِ اس قدر واضح بات کا انکار کرنا ان جیسے محقق کی شان سے بعید ہے۔ ہم نے تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا تب بھی ان کے اس کہنے سے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کی حرمت ثابت نہیں ہو سکتی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ صلات الجنائز میں فرماتے ہیں ذَکَرَ [illegible] عَلَیْہِ السَّلَامُ [illegible] عَلٰی نَفْیٍ قَطْعِیٍّ اَوْ ظَنِّیٍّ [illegible] اَنْ یَکُوْنَ حَرَامًا اَوْ مَکْرُوْھًا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز حرام ہو یا مکروہ بلکہ ان دونوں کے علم کے لئے قطعی ممانعت یا نہی کا ثبوت چاہئے اس مسئلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یعنی جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت کسی ایک حدیث میں بھی ثابت نہیں۔ صرف حدیث اخلصوا لہ

الدعاء سے استدلال کیا ہے۔ یہ بھی بڑی جد و جہد کے بعد انہیں دلیل ملی ہے۔ فاضل علامہ عبدالحی لکھنوی غیث الغمام ص۱۳۵ میں فرماتے ہیں وَغَایَۃُ مَا اسْتَدَلَّ بِہٖ اَصْحَابُنَا ھُوَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَرْفُوْعًا اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ وَھُوَ لَا یُثْبِتُ مَنْعَ الْقِرَاءَۃِ بَلِ الْغَرَضُ مِنْہُ الْاِکْثَارُ فِی الدُّعَاءِ لِلْمَیِّتِ وَالْاِخْلَاصُ فِیْہِ لِیُسْتَجَابَ فَافْھَمْ وَاسْتَقِمْ۔ بہت بہت کر کے جانفشانی سے اگر ہمارے بھائی حنفیوں کو دلیل ملی جس سے انہوں نے مذہب کی دلیل پکڑی ہے وہ صرف ابوہریرہ کی حدیث ہے مرفوع کہ جب تم میت کے لئے نماز پڑھو تو خلوص قلب سے اس کے حق میں دعا کرو سو اس سے پڑھنے کی ممانعت نہیں ثابت ہو سکتی بلکہ اس سے تو صرف اسی قدر غرض ہے کہ خوب خلوص قلب کے ساتھ میت کے حق میں دعا کرنا چاہئے تاکہ دعا قبول ہو اس آسان بات کو سمجھو سیدھی راہ چلو۔ امام ابن حزم محلی ص۱۳۰ جلد ۵ میں فرماتے ہیں وَاحْتَجَّ مَنْ مَنَعَ مِنْ قِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ فِیْھَا بِاَنْ قَالُوْا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ قَالَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ ھٰذَا حَدِیْثٌ سَاقِطٌ مَا رُوِیَ قَطُّ مِنْ طَرِیْقٍ یُشْتَغَلُ بِھَا ثُمَّ لَوْ صَحَّ لَمَا مَنَعَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ لِاَنَّہٗ لَیْسَ فِیْ اِخْلَاصِ الدُّعَاءِ لِلْمَیِّتِ نَھْیٌ عَنِ الْقِرَاءَۃِ وَنَحْنُ نُخْلِصُ لَہُ الدُّعَاءَ وَنَقْرَأُ کَمَا اَمَرَنَا۔ جنازہ کی نماز میں پڑھنے سے منع کرنے والوں نے حدیث اَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ سے استدلال کیا ہے۔ امام ابن حزم کہتے ہیں اولاً تو یہ حدیث ہی قابل حجت نہیں اور نہ ہی ایسے طریق سے وارد ہے کہ اس کے جواب میں مشغولیت کی جائے ثانیاً اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی پڑھنے کی ممانعت نہیں ہو سکتی۔ اخلاص دعا مانع قرأت نہیں۔ ہم اخلاص بھی دعا میں کرتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں جس طرح ہمیں شارع علیہ السلام کا حکم ہوا ہے۔

علامہ فاضل لکھنوی تعلیق الممجد ص۱۳۱ میں فرماتے ہیں حسن شرنبلالی صاحب مراقی الفلاح نے ایک رسالہ بنام النظم المستطاب لحکم القراۃ فی صلوۃ الجنازۃ بام الکتاب تصنیف کیا ہے رَدَّ فِیْھَا عَلٰی مَنْ ذَکَرَ الْکَرَاھَۃَ بِدَلَائِلَ شَافِیَۃٍ وَھٰذَا ھُوَ الْاَوْلٰی لِثُبُوْتِ ذٰلِکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِہٖ۔ اس میں کراہیت کہنے والوں پر کافی شافی دلیلوں سے رد کیا ہے اور یہی اولیٰ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ثابت ہونے کی وجہ سے واللہ اعلم۔

سوال (۲۱۰) جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب (۲۱۰) سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی ایک سورت کا ملانا شرعاً درست ہے۔ حدیث مسور بن مخرمہ نمبر ۳ آثار صحابہ میں دیکھو۔ نیز عَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰی جَنَازَۃٍ فَقَرَءَ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَسُوْرَۃٍ وَجَھَرَ حَتّٰی اَسْمَعَنَا فَلَمَّا

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملا لینی بھی جائز ہے

فرع اخذت بیدہ فسألتہ فقال سنۃ وحق اخرجہ النسائی وابن الجارود فی المنتقی ص۲۶۳ واسنادھما صحیح وذکر ذکر السورۃ ابن الجارود باسانید کلھا صحاح جیاد وما قالہ البیہقی ذکر السورۃ غیر محفوظ فقد تعقب علیہ العلامۃ الترکمانی فی الجوہر النقی ص۳۸ ج۴ وقال بل ھو محفوظ رواہ النسائی عن الھیثم بن ایوب عن ابراھیم بن سعد بسندہ۔ طلحہ بن عبداللہ بن عوف نے کہا میں نے ابن عباس کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی انہوں نے سورہ فاتحہ اور ایک سورت زور سے پڑھی سلام کے بعد میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور دریافت کیا تو مجھے جواب دیا کہ یہ سنت اور حق ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال (۲۱۱) جنازہ کی نماز زور سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب (۲۱۱) نماز جنازہ کو زور سے پڑھنا شرعاً درست ہے۔ دیکھو مسطورہ بالا حدیثیں نیز منتقی لابن الجارود ص۲۶۳ میں ابن عباسؓ کی روایت کے لفظ یہ ہیں انما جھرت لاعلمکم انھا سنۃ والامام کفاھا زور سے پڑھنا درست نہ ہوتا تو یہ زور سے پڑھ کر نہ فرماتے۔ نیز جنازہ زور سے پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ دیکھو فتح القدیر ص۱۹۱-۲ جلد ا روی ابوداؤد عن واثلۃ بن الاسقع قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل من المسلمین فسمعتہ یقول اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک الحدیث وروی ابن ضاحی بن ابی ھریرۃ سمعتہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم انت ربھا وانت خلقتھا وانت ھدیتھا الی الاسلام واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نماز پڑھائی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد مسلمان کی میں نے سنا آپ کو کہتے ہوئے اللھم ان فلان بن فلان (اس جگہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے) فی ذمتک وحبل جوارک اخیر تک اور نیز مروی ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا اللھم انت ربھا اخیر تک ان حدیثوں سے صاف اور واضح طور سے ثابت ہوا کہ جنازہ زور سے پڑھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اسے مکروہ کہنا عصبیت سے خالی نہیں۔ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا سے بُرا کہنا بُرا جاننا مکروہ کہنا ایک مسلم انسان کا دل کیونکر گوارا کر سکتا ہے۔ اُس نے تو اپنے نبی کے فعل پر حرف گیری کی۔ اللہ میاں نیک توفیق دے ماحصل اس کا یہ ہے کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ اور کوئی ایک سورت کا پڑھنا، اور نیز جنازہ کی نماز آواز سے پڑھنا شرعاً ثابت ہے۔ مکروہ یا حرام کہنا بے علمی و بے خبری کا ثمرہ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

ھذا ما سنح ببالی الفاتر وانا المولی رحمۃ ربہ ابو عبدالکبیر محمد عبدالجلیل

السامرودی کان اللہ لہ حررہ ثمان وعشرین من رجب المرجب احد الشھور سنۃ اثنین وخمسین وثلث مائۃ بعد الالف وصلی اللہ علی النبی والہ وصحبہ وسلم۔

حنفیوں کے مفتی مولوی کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(۱) جنازہ کی نماز میں میت کے لئے دعا اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک الخ فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لے، جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جنازہ کی نماز جہر سے پڑھنا شرعاً جائز ہے یا حرام یا گناہ گاری؟

(۳) اگر کسی نے جہر سے جنازہ پڑھا اور اس کے پیچھے متبعین امام صاحب بھی شریک ہوں۔ آیا حنفیوں کی جہر پڑھنے والے کے پیچھے نماز جنازہ ہو گی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ (۱) جب دعا مذکور پڑھی جائے تو فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لیا جائے۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں جہر نہیں ہے تاہم اگر امام نے جہر کیا تو حنفیوں کا کوئی حرج نہیں۔

(۳) حنفی بھی اس امام کے پیچھے نماز میں شریک ہو سکتے ہیں اور ان کی نماز جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۴ء جلد ۳ نمبر ۱۱

سوال (۲۱۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عید الضحیٰ اور عید الفطر میں کتنی تکبیرات ہیں۔ تکبیرات ۱۲ و ۹ و ۶، ہر ایک کا حال تحریر کریں۔

سائل ابو سلیمان عبدالرحمن نو مسلم میانوال ارائیاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر۔

جواب (۲۱۲) صورت مرقومہ بالا میں واضح ولائح ہو کہ صلوۃ عیدین کی تکبیریں شریعت محمدیہ میں بارہ ہیں اور نو بھی بعض صحابہؓ سے ثابت ہیں جیسا کہ جامع ترمذی سے ظاہر ہوتا ہے اور تیرہ بھی بعض وقت کہنی ثابت ہیں جیسا کہ مجمع الزوائد میں موجود ہے۔ اور جو ماسوا ان کے ہیں وہ سب بدعت ہیں کیونکہ بدعت اسی چیز کو کہتے ہیں کہ جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں نہ ہو اور لوگ اس کو اپنی طرف سے شرعی حکم سمجھ کر عوام الناس میں مروج کر دیں تو معلوم ہوا کہ یہ جو آجکل لوگوں میں صلوۃ عیدین کی تکبیریں چھ مروج ہیں یہ بالکل بدعت اور سبب گمراہی ہیں کیونکہ ان کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں ہے۔ اور جو

بارہ تکبیریں ہیں ان کا ثبوت واضح طور پر پایا جاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے
عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
اَلتَّکْبِیْرُ فِی الْفِطْرِ سَبْعٌ فِی الْاُوْلٰی وَخَمْسٌ فِی الْاٰخِرَةِ وَالْقِرَاءَةُ بَعْدَهُمَا کِلْتَیْهِمَا
(اَخْرَجَهٗ اَبُوْدَاؤدَ) یعنی روایت ہے عمرو بن شعیب سے وہ روایت کرتا ہے اپنے باپ
سے اس کا باپ روایت کرتا ہے اپنے دادا سے کہا اس کے دادا نے کہ فرمایا نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے کہ تکبیریں عید الفطر کی سات ہیں پہلی رکعت میں اور پانچ ہیں پچھلی رکعت میں اور
قرات پیچھے ان دونوں تکبیروں کے ہے (یہ حدیث ابو داؤد میں ہے)۔

تو اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ صلوٰۃ عیدین کی تکبیریں بارہ ہیں اور جو
یہ چھ تکبیریں ہیں یہ مذہبی تکبیر گھڑی گھڑائی ہیں۔ خدا اور رسول کی طرف سے یہ حکم قطعاً نہیں
اور جو کوئی کہے کہ یہ حکم خدا اور رسول کا ہے تو وہ شخص بڑا کاذب بلکہ اکذب ہے اور
نیز معلوم ہوا کہ تمام دنیا میں عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرات تکبیروں کے بعد
پڑھی جاتی ہے اور دوسری رکعت میں تکبیروں کے قبل پڑھی جاتی ہے سو یہ غلط اور
خلاف سنت نبوی ہے۔ بلکہ سنت یوں ہے کہ قرات تکبیروں کے بعد دونوں رکعتوں
میں ہونی چاہئے۔

سوال (۲۱۳) جو کہ بوقت عید کے خطبہ شروع ہونے سے پیشتر اذان کہی جاتی
ہے اسکا از روئے شریعت کیا حال ہے؟
(سائل مذکور بالا)

جواب (۲۱۳) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ بوقت عید کے جب خطبہ شروع ہو یا نماز
تو اس سے پیشتر اذان یا اقامت کا کہنا بالکل ناجائز و نادرست بلکہ بدعت ہے کیونکہ اسکا
ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ثبوت واضح طور پر پایا جاتا ہے
چنانچہ اس بات کی حدیث ابن عباس خود شاہد ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَّی الْعِیْدَ بِلَا اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ (اَخْرَجَهٗ اَبُوْدَاؤدَ وَاَصْلُهٗ فِی الْبُخَارِیِّ)
یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق نماز پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی
بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھائی (یہ حدیث ابو داؤد میں ہے) اور اصل اس کی صحیح
بخاری میں ہے۔

سوال (۲۱۴) جمعہ اور عید کے پہلے نقارہ بجانا کیا ہے (سائل مذکور)

جواب (۲۱۴) جو کہ قبل جمعہ اور عید کے نقارہ بجایا جاتا ہے یہ بھی بالکل بدعت ہے
کیونکہ اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے اور یہ تمام بدعتیں کٹ ملاؤں نے بسبب
اپنی کم عقلی کے مروج کی ہوئی ہیں ورنہ ان کا ثبوت اس سچے دین میں کہ جس کو محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے تھے ہرگز ہرگز نہیں ہے بلکہ مَنْ اَحْدَثَ فِی

اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ میں داخل ہے کما لا یخفی علی ماھر الکتاب والسنۃ

سوال (۲۱۵) جو لوگ سنت رسول کی کر کے نیت باندھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دو رکعت
سنت رسول کی یہ بھی جائز ہے یا کہ نہیں؟
(سائل مذکور)

جواب (۲۱۵) واضح ہو کہ یہ ایک بڑی زبردست بدعت عرب و عجم میں پھیل رہی ہے کہ
جس کا ثبوت نہ قرآن مجید نہ حدیث میں پایا جاتا ہے نہ ائمہ اربعہ سے بلکہ کسی جاہل کی مروج کی ہوئی
ہے۔ صحیح بخاری صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ثابت ہے کہ جب
نماز پڑھنے کو نمازی کھڑا ہو تو صرف زبان سے اللہ اکبر ہی کہے نہ یہ کہ دو سنت پڑھتا ہوں
یا دو نفل یا سنت رسول کی اور فرض اللہ کے یا چار رکعت پڑھتا ہوں ظہر کی یا عصر کی
پیچھے اس امام کے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے
کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو لفظ اللہ اکبر کے ساتھ شروع کرتے
نہ الفاظ مذکورہ کے ساتھ۔ اور نیز معلوم ہوا کہ جس قدر حدیث کی کتابیں ہیں سوا موطا
امام مالک کے سب میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ثابت ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ
بِالنِّیَّاتِ یعنی عمل کا معتبر ہونا صحیح ہونا اللہ اور رسول کے نزدیک دل ہی کے ارادے سے ہے
تو نماز بھی ایک عمل ہے زبان سے کہنے کی کچھ حاجت نہیں بلکہ گمراہی ہے۔ قصد دل ہی کا کافی
وافی ہے اور جتنے علمائے احناف معتبر گزرے ہیں سب نے اس نیت کو بدعت لکھا ہے
اور پوری بحث اس مسئلہ کی ہدایۃ النبی المختار الیٰ من یصلی الیٰ یوم القرار میں موجود ہے
من شاء فلیرجع الیہ۔

سوال (۲۱۶) دیہات میں جمعہ پڑھنا کیسا ہے۔ آیا جائز ہے یا نہیں؟
(سائل فوق الذکر)

جواب (۲۱۶) واضح ہو کہ دیہات میں جمعہ نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ
جس طرح شہر میں جمعہ پڑھنے کا حکم ہے اسی طرح دیہات میں بھی ہے چنانچہ اللہ رب العلمین
اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ
الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ الآیۃ (سورہ جمعہ) یعنی اے ایمان والو!
جس وقت کہ پکارا جائے واسطے نماز کے دن جمعہ کے پس دوڑو تم طرف ذکر اللہ کے
اور چھوڑ دو تم خرید و فروخت کو۔
اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ دیہات میں بھی جمعہ کا ویسا ہی حکم ہے جیسا کہ شہر
میں ہے کیونکہ اللہ رب العزت عام طور پر فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! اب خواہ ایمان والے
شہر میں ہوں یا دیہات میں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر دیہات میں ہم جمعہ
نہ پڑھیں تو ہمارے نزدیک دیہات میں کوئی ایمان والا ہی نہ رہا۔

معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ نہیں ہے جمعہ مگر بیچ شہر جامع کے تو اول تو قول صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ اور اگر ثابت بھی ہو تو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے خلاف ہے اور جو قول صحابی کا کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے خلاف ہو تو وہ غیر معمول بہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ اس قول سے دیہات میں جمعہ نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ انہیں کے اصول فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ تخصیص کتاب اللہ کی خبر احاد سے نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ ایک قول صحابی سے ہو کہ بے ثبوت ہے تخصیص کرتے ہیں کہ جمعہ شہر ہی میں ہوتا ہے دیہات میں نہیں ہوتا یہ بات بالکل غلط ہے اور اپنے مسلمہ اصول کا خلاف کرنا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جیسے شہروں میں جمعہ پڑھنا لازمی وضروری ہے اسی طرح دیہات میں بھی جمعہ پڑھنا لازم وضروری ہے۔ اور تارکین جمعہ کے حق میں بہت سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ وعبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے آپ اوپر سیڑھی منبر اپنے کے البتہ باز رہیں گے لوگ چھوڑنے سے جمعوں کو یا البتہ مہر کر دے گا اللہ اوپر دلوں ان کے کہ پھر البتہ ہو جاویں گے وہ غافلوں سے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ کتنا ہی ان کو قرآن حدیث سناؤ لیکن ایک نہیں مانتے۔ ہذا ما عندنا تعالیٰ۔ ہمارا کام سمجھانا تھا یارو۔ آگے چاہے تم مانو یا نہ مانو۔

(مفتی) مدرسہ دار الکتاب والسنۃ

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۴ء جلد ۱۴ نمبر ۳

سوال (۲۱۰) نماز میں بجائے ایک آمین کے تین آمین کہنا کیسا ہے۔ بعض اس کو سنت کہتے ہیں اور بعض بدعت۔ بینوا وتوجروا۔

جواب (۲۱۰) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ آمِينَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قُلْتُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ خَلَا قَوْلِهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔ مجمع الزوائد مطبوعہ انصاری دہلی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ - حدیث میں کلام نہیں راوی سب ثقہ ہیں۔ اگر طبرانی کبیر ہو تو اس میں بھی جاکر دیکھ سکتے ہیں۔ باقی جو شخص تین دفعہ آمین کہنے کو بدعت بتلاتا ہے تو وہ جاہل ہے اس کو علم حدیث کی خبر نہیں تو اس کو بتلانا چاہئے یا علم ہے تو دشمن اللہ ورسول کا ہے کہ جس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے پھر اس سے منع نہیں کیا وہ اس کو بدعت بتلاتا ہے ایسا شخص ہمیشہ کہے کہ وہ دنیا سے ایمان لے کر جائے گا۔ ہارون رشید کے روبرو یہ ذکر آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو کو دوست رکھتے تھے یعنی دل کی خواہش سے اس کو کھاتے تھے تو ایک شخص نے یہ کہدیا کہ مجھ کو اچھا نہیں لگتا۔ قاضی ابو یوسف نے اسی وقت جلاد کو

حاضر کروایا اور اس کے قتل کا فتویٰ دیا کہ یہ شخص مرتد ہو گیا۔ اس شخص نے بہت جلد توبہ کی تب اس کو معاف کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام کو کریں پھر اس کو مسلمان ہو کر بدعت کہے یہ بڑی دلیری ہے۔ وائل بن حجرؓ کی حدیث آخر وقت کی ہے کیونکہ وائل بن حجر بعد فتح مکہ شریف مسلمان ہوئے۔ یہ حدیث اول کی نہیں ہے۔ اسماء الرجال کے جاننے والے جانتے ہیں اسد الغابہ استیعاب وغیرہ کتب میں ان کا حال موجود ہے۔

الراقم عبد الحکیم نصیر آبادی

صراط الاہتداء فی بیان الاقتداء مطبوعہ فی روتی دہلی مؤلفہ مولانا احمد حسن صاحب دہلی تلمیذ میاں صاحب مرحوم صفحہ ۲۷ و ۲۸ میں مولانا حفیظ اللہ خان صاحب مرحوم سوال سائل مورخہ ۹ رجب ۱۳۲۶ھ روز پنجشنبہ میں لکھتے ہیں وَقَالَ آمِينَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ترجمہ اور کہتے تھے حضرت یعنی کبھی آمین تین بار اور مترجم نے قید کبھی کی لگا دی الفاظ حدیث میں کبھی کی قید نہیں نقل کی ہے طبرانی نے لوگ ایک دفعہ آمین کہنے سے گھبرا رہے ہیں یکسی ہوئی مثل مشہور کہ یک نشد دو شد۔ یہاں یک نشد سہ شد الی قولہ اور واضح ہو کہ کسی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہتے وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ آمِيْنَ یعنی رَبِّ اغْفِرْ لِيْ کہکر آمین کہتے۔ حفیظ اللہ

اقول بعض اصحاب کہتے ہیں کہ یہ نئے مسئلے صادر ہوتے نکلتے ہیں ایسے اصحاب دیانتداری کے ساتھ خیال کریں کہ یہ فتویٰ ۱۳۲۶ھ میں چھپا ہوا ہے جس کو اب کامل ۲۵ برس گذر چکے وہ بھی تین آمین کو سنت لکھ چکے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تین آمین کے سنت ہونے پر علماء کی طرف سے کئی رسائل لکھے جا چکے ہیں جن کے نام یہ ہیں (۱) تامین محمدی (۲) الحج العمیق (۳) ازالۃ الاوہام (۴) تحقیق العنایہ وغیرہ۔

وہ علماء جن کے تین آمین کے سنت یا جواز پر تائید ودستخط ہو چکے (۱) مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری (۲) مولوی عبد الوہاب صاحب ملتانی (۳) مولوی عبد الرحمن صاحب مدرس مدرسہ حاجی علی جان صاحب (۴) مولوی ابو اسمٰعیل صاحب وزیر آبادی (۵) مولوی عبد الستار صاحب کلانوری (۶) مولوی حافظ عمر الدین صاحب مدرس مدرسہ وزیر آباد (۷) مولوی محی الدین صاحب امام مسجد جامع اہلحدیث نظام آباد (۸) مولوی حافظ عبد اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری (۹) مولوی ابو محمد عبد التواب صاحب ملتانی (۱۰) مولوی حافظ عبید اللہ صاحب مدرس مدرسہ دار الہدیٰ کشن گنج دہلی (۱۱) مولوی حافظ عبد اللہ صاحب غازیپوری (۱۲) مولوی محمد حیات صاحب مدرس مدرسہ اہلحدیث شہر قصور (۱۳) مولوی سید احمد حسن صاحب مصنف احسن التفاسیر (۱۴) مولوی ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل امرتسری (۱۵) مولوی عبید الرحمن صاحب مدرس مدرسہ کشن گنج دہلی (۱۶) مولوی حفیظ اللہ خان

صاحب مرحوم (۱۷) مولوی عبدالحکیم صاحب نصیر آبادی (۱۸) مولوی حاجی محمد صاحب جوناگڑھی (۱۹) مولوی عبدالحمید صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ بدھوانہ ضلع جھنگ (۲۰) مولوی عبدالجبار صاحب مدرس مدرسہ اشاعۃ القرآن والحدیث واقع کھنڈیلہ ضلع جھنگ (۲۱) مولوی عبدالجلیل صاحب مدرس مدرسہ سامرود ضلع سورت (۲۲) مولوی احمد صاحب ملتانی۔

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شعبان ۱۳۵۴ھ مطابق نومبر ۱۹۳۴ء جلد ۱۵ نمبر ۸

بے نماز کا جنازہ

سوال (۲۱۸) کیا حکم ہے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دریں مسئلہ کہ جنازہ کرنا بے نماز کا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ کبھی نماز پڑھتے ہیں اور کبھی ترک کر دیتے ہیں انکی نماز کا کچھ اعتبار ہے یا نہیں؟ قرآن حدیث سے جواب دینا چاہیئے؟

(سائلین عبدالغنی وخان محمد وغیرہ مسلمانان لکھانولہ)

جواب (۲۱۸) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَاَقُوْلُ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَعَلَیْهِ التُّكْلَانُ۔ واضح ہو کہ بے نماز کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اور کافر کا جنازہ پڑھنا منع ہے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ؏ یعنی جو ان کافروں اور منافقوں سے مر جائے ان میں سے کسی کا جنازہ نہ پڑھو اور نہ ہی اس کی قبر پر زیارت اور دعا کرنے کے لئے کھڑے ہو کیونکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے تھے اور اسی بے دینی کی حالت میں مر گئے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کافر کا نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ بے نماز چونکہ کافر ہے اس لئے اس کا جنازہ جائز نہیں ہے۔ بے نماز کا کفران مندرجہ ذیل حدیثوں سے ثابت ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الدُّنْیَا عَلَى الْاِخْلَاصِ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَعِبَادَتِهٖ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ مَاتَ وَاللّٰهُ عَنْهُ رَاضٍ قَالَ اَنَسٌ وَهُوَ دِیْنُ اللّٰهِ الَّذِیْ جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ وَبَلَّغُوْهُ عَنْ رَّبِّهِمْ قَبْلَ هَرْجِ الْاَحَادِیْثِ وَاخْتِلَافِ الْاَهْوَاءِ وَتَصْدِیْقُ ذٰلِكَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ فِیْ اٰخِرِ مَا نَزَلَ یَقُوْلُ اللّٰهُ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ قَالَ خَلْعُ الْاَوْثَانِ وَعِبَادَتِهَا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَقَالَ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰى فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ (ابن ماجہ) یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ خالص اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی تو مرے گا وہ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوا۔ کہا انس رضی اللہ عنہ نے اور یہی دین ہے اللہ تعالیٰ کا جس کو انبیاء مرسلین لیکر گئے تھے اور لوگوں کو انہوں نے وہ دین پہنچایا قبل اس کے کہ لوگوں کی باتیں (قیل وقال) اس میں مل جاویں اور مختلف خواہشیں پھیل جاویں اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب کے آخر میں اتری ہے اور فرمایا کہ اگر توبہ کریں اور نماز پڑھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ توبہ کریں یعنی بتوں (اور مزار خانقاہوں قبور وغیرہ) سے یعنی ان کے پوجنے سے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیویں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی فَاِنْ تَابُوْا الآیۃ یعنی اگر توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دین میں بھائی ہیں۔

اس حدیث سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام کا یہ متفقہ دین چلا آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جان کر اس کی خالص عبادت نماز اور زکوٰۃ کا پورا کرنا اور اسی پر فوت ہو جانا۔ دوسری یہ کہ قرآن مجید سے اور اس حدیث سے باتفاق یہ امر ثابت ہوا کہ جو شخص شرک سے توبہ کر کے نماز اور زکوٰۃ ادا کرے وہ ہمارا دینی بھائی ہے جس کے حقوق بیمار پرسی۔ نماز جنازہ وغیرہ ہمارے ذمہ واجب ہوتے ہیں۔ اگر یہ کام نہ کرے تو ہمارا دینی بھائی نہیں ہے۔ اس کے حقوق جنازہ اور عیادت وغیرہ ساقط ہیں۔

دوسری حدیث۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَالشِّرْكِ اِلَّا تَرْكُ الصَّلٰوةِ فَاِذَا تَرَكَهَا فَقَدْ اَشْرَكَ (رواہ ابن ماجۃ باسناد صحیح) یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نہیں ہے فرق درمیان بندہ اور شرک کے مگر ترک کرنا نماز کا۔ پھر جب اس نے ترک کیا نماز کو پس وہ مشرک ہوا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بے نماز مشرک ہے اور مشرک کا جنازہ کرنا حرام ہے۔

تیسری حدیث۔ عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْعَهْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ (احمد۔ ابوداؤد) یعنی کہا بریدہ نے کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ وہ عہد جو ہمارے اور کافروں کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں۔ جو نماز چھوڑ دے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

چوتھی حدیث۔ عَنْ بُرَیْدَةَ بْنِ الْحُصَیْبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَكِّرُوْا بِالصَّلٰوةِ فِیْ یَوْمِ الْغَیْمِ فَاِنَّهٗ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ (ابن حبان) یعنی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابر

کے دن نماز اول وقت پڑھا کرو کیونکہ جس نے نماز کو ترک کر دیا وہ کافر ہوا۔

ان حدیثوں سے بے نماز کا کفر ثابت ہوگیا۔

اس کفر پر صحابہ کرام کا اجماع ہے چنانچہ ترمذی وغیرہ میں ہے كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سوائے نماز کے کسی چیز کے عملوں میں سے ترک کرنے کو کفر نہ دیکھتے تھے۔ اس عبارت میں لفظ اصحاب جمع مضاف ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ بے نماز کے کفر پر متفق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں مَنْ لَّمْ يُصَلِّ فَهُوَ كَافِرٌ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مَنْ لَّمْ يُصَلِّ فَهُوَ كَافِرٌ یعنی جو شخص نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ شیخ ابن القیم کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں قَالَ اَبُوْ مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ وَقَدْ جَاءَ عَنْ عُمَرَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَغَيْرِهِمْ مِّنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ اَنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً فَرْضًا وَّاحِدَةً مُّتَعَمِّدًا حَتّٰى يَخْرُجَ وَقْتُهَا فَهُوَ كَافِرٌ مُّرْتَدٌّ قَالُوْا وَلَا نَعْلَمُ لِهٰؤُلَاءِ مُخَالِفًا مِّنَ الصَّحَابَةِ یعنی امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور عبدالرحمٰن اور معاذ اور ابوہریرہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جس نے ایک نماز فرض کو چھوڑ دیا جان کر یہاں تک کہ اس کا وقت چلا گیا تو وہ کافر مرتد ہوا۔ اور علماء کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کوئی بھی اس بات کے مخالف نہیں ہے

حافظ عبدالحق اشبیلی اپنی کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں ذَهَبَ جُمْلَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ اِلٰى تَكْفِيْرِ تَارِكِ الصَّلٰوةِ مُتَعَمِّدًا لِتَرْكِهَا حَتّٰى يَخْرُجَ جَمِيْعُ وَقْتِهَا یعنی سب صحابہ اور بعد کے لوگ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ جان کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔

امام ابن القیم نے حضرت ایوب تابعی سے نقل کیا ہے قَالَ تَرْكُ الصَّلٰوةِ كُفْرٌ لَا يُخْتَلَفُ فِيْهِ یعنی نماز چھوڑنا کفر ہے۔ جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ائمہ عظام میں سے امام احمد اور اسحاق بن راہویہ اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ میزان شعرانی میں جمہور اصحاب احمد کا یہ مذہب لکھا ہے اَنَّهٗ يُقْتَلُ بِكُفْرِهٖ كَالْمُرْتَدِّ وَتَجْرِيْ عَلَيْهِ اَحْكَامُ الْمُرْتَدِّيْنَ فَلَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُوْرَثُ وَيَكُوْنُ مَالُهٗ فَيْئًا یعنی بے نماز کو کفر کی وجہ سے مثل مرتد کے قتل کیا جائے اور اس پر مرتدوں کے احکام جاری کئے جائیں نہ جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی وارث کیا جائے بلکہ اس کا مال لوٹ لیا جائے۔

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غنیۃ الطالبین میں بھی یہی فرمایا ہے کہ جنازہ نہ پڑھا جائے اور نہ مسلمانوں کی قبروں میں دفن کیا جائے۔ اس تصریح

مختصر سے صاف عیاں ہوگیا کہ بے نماز عمداً نماز ترک کر دینے والا کافر مرتد ہے اس کا جنازہ ممنوع ہے

بعض اہل علم جو یہ کہتے ہیں کہ کفر کا لفظ جو حدیث میں وارد ہے یہ حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ کفر مجازی ہے یعنی اس کا عمل کافروں والا ہے۔ سو یہ تاویل کئی وجہ سے غلط ہے اول یہ کہ یہ اصولی قاعدہ ہے کہ جب حقیقی اور اصلی معنی متحقق ہو سکے تو مجاز لینا ناجائز ہے سو یہاں حقیقی معنی مراد لینا کوئی متعذر نہیں ہے۔ دوم یہ کہ بے نماز کا کفر ایسا ہے جو ملت اسلامی سے خارج کر دیتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے جو باسناد لاباس بہ ابن ابی حاتم اور طبرانی میں مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَتْرُكُوا الصَّلٰوةَ عَمْدًا فَمَنْ تَرَكَهَا عَمْدًا مُّتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ عَنِ الْمِلَّةِ یعنی نماز کو مت چھوڑو کیونکہ جس شخص نے نماز کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا وہ ملت اسلامی سے خارج ہوا۔ سوم یہ کہ بے نماز کا کفر ایسا ہے کہ اس سے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے حدیث بخاری میں وارد ہے کہ فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ یعنی جس نے نماز عصر چھوڑ دی اس کے عمل برباد ہو گئے۔ چہارم وجہ یہ کہ بے نماز دوزخ کے کنوئیں میں جائے گا جہاں بڑے بڑے کفار ہوں گے چنانچہ قرآن کریم میں ہے

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝

یعنی ان کے بعد ایسے نالائق آئے کہ جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کی پیروی کی سو وہ ملیں گے غی کو مگر جو توبہ کر کے ایمان لے آئے اور عمل کرنے لگے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

غی اس مقام کا نام ہے جہاں اہل دوزخ کی پیپ گرتی ہے سو وہ جہنم کے نیچے ہے اس میں بے نماز ہوگا اگر فاسق اہل کبائر سے ہوتا تو دوزخ کے طبقہ علیا میں ہوتا لیکن وہ بڑے بڑے کفار کے ہمراہ ہوگا چنانچہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ یعنی فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے نماز قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

پنجم وجہ یہ کہ نماز کو اللہ عزوجل نے ایمان سے تعبیر کیا ہے چنانچہ فرمایا وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ یعنی اللہ تمہاری نماز ضائع نہ کرے گا۔ اس آیت میں نماز کو عین ایمان قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ضائع ہونے سے تمام ایمان ضائع ہے جیسے سورہ فاتحہ کو نماز قرار دیا گیا ہے کیونکہ فاتحہ کے ترک سے تمام نماز ضائع ہے ویسے ترک نماز سے تمام ایمان ضائع ہے اسی طرح اور بھی کئی وجوہ ہیں جن کی بنا پر ان حدیثوں میں کفر حقیقی مراد ہے مجازی نہیں ہے

چنانچہ صحابۂ کرام کا اجماع بھی اسی کفر کو مقتضی ہے۔ الغرض بے نماز کافر ہے اس کا جنازہ نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ قرآن مجید سے کافر کے جنازہ کی ممانعت آچکی ہے اور یہ ممانعت ہر کافر کے حق میں علی الاطلاق ہے خواہ عملی ہو یا اعتقادی اس لئے جنازہ بے نماز کا ممنوع ہے۔ اگر علی سبیل التنزل بے نماز کو کافر تسلیم نہ کیا جائے تو بھی مخالفین کے نزدیک حد درجہ کا فاسق اور اشد گنہگار ہے جس کا جنازہ مقتدر عالم متقی پرہیزگار کو نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل نفس کا جنازہ بھی نہیں پڑھا تھا (رواہ مسلم) اور نہ ہی غنیمت کے خائن کا (رواہ ابوداود واحمد) اور مدیون پر انکار فرما دیا تھا۔ بہرکیف علماء و صلحاء بلکہ جملہ اہل علم باہم متفق ہو کر بے نماز کے جنازہ سے انکار کر دیں تو ان کو زجر اور تنبیہ ہو جائے اور بے نمازوں کی کثرت مٹ جائے اور شرعی حکم بھی جاری ہو جائے۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک انصاری شخص کی جائداد کے صرف چھ غلام تھے۔ اس نے مرتے وقت سب کے سب آزاد کر دیئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اس کی موت کے وقت حاضر ہوتا تو وہ مسلمانوں کی قبروں میں دفن نہیں کیا جاتا کیونکہ اس نے شریعت کے خلاف تہائی حصہ کو چھوڑ کر تمام مال وارثوں کا ضائع کر دیا اسی طرح اہل بدعت کے جنازہ اور عیادت سے سلف نے ممانعت کی ہے چنانچہ غنیۃ وغیرہ میں یہ امر مصرح ہے۔ پس اگر سب علماء ترک جنازہ کریں تو بے نمازوں کو تادیب حاصل ہو اسی واسطے علماء احناف اہل انصاف نے زجراً نماز جنازہ ترک کرنیکا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن نہایت افسوس ہے بعض علماء ابناء الزمان پر جو اس زمانۂ فسادی امت میں طمع دنیا کے لئے ایسے مسائل پر فساد عظیم پھیلا ہوا ہے ایک روپیہ اور چند روزہ میٹھی روٹی کے معاوضہ میں جنازہ جائز بلکہ ضروری کر دیا ہے جس سے بے نمازوں کو بہت دلیری ہو گئی ہے اور وہ نماز پر آمادہ نہیں ہیں بلکہ بعض تو کہتے ہیں کہ نکتہ نواز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جس کو چاہے بخش دے۔ نمازوں میں کیا رکھا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بے نماز فقیر بہت اولیاء اللہ صاحب کرامت ہیں۔ اگر ترک نماز گناہ ہو تو وہ اولیاء کیوں ہوئے۔ میاں کلمہ پڑھنا ہی کافی ہے وغیرہ ذلک من الخرافات۔ یہ سب جرأت ان بعض علماء کی طرف سے ہوئی جب کہ کلمہ کے فضائل کی بے محل حدیثیں سنا کر ان کو مسلمان ثابت کیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نماز وہ معتبر ہے جو ہمیشہ پڑھی جائے اور نمازی بھی وہی مقبول ہے جو ہمیشہ پڑھے قرآن مجید میں ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ○ جو لوگ نماز پڑھتے رہتے ہیں اور پھر چھوڑ دیتے ہیں وہ چھوڑنے کے وقت کافر ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر مرنے سے پہلے جب کہ علامات موت کی نمودار نہ ہوں کوئی شخص خالص توبہ کر جائے اور نماز

اسی حالت میں حسب طاقت پڑھنی شروع کر دے اور پھر مر جائے تو پھر اس کا خاتمہ درست ہوا جنازہ پڑھنا اس کا جائز ہے کیونکہ توبہ ایسے شخص کی ایسے وقت میں مقبول ہے۔ حدیث میں ہے کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ هٰذَا مَا عِنْدِيْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کتبہ العاجز ابوالشکور عبدالقادر الحصاروی رضی اللہ عنہ وارضاہ بقاہ

الجواب صحیح والرأی نجیح واعلم ان تارک الصوم والصلوۃ والحج والزکوۃ کافر مرتد خارج عن الاسلام بلا ارتیاب کما هو لیس بمخفی علی مهرة الکتاب والسنة الذین هم اولوا الالباب ومن ارتاب فیه فقد خسر وامره فی تباب فقط

احقر العباد ابومحمد عبدالستار غفر الله له ولوالدیه واحسن الیهما والیه

بے شک بے نماز کافر مشرک ہے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنی ہرگز جائز نہیں جیسا کہ فاضل مجیب نے دلائل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے فقط

ابوالخلیل عبدالجلیل ناظم صیغہ اشاعت الکتاب والسنہ دارالامارت دہلی

سوال (۲۱۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس شخص سے کسی وقت کی نماز بوجہ تکاسل وتشاغل کے ترک ہو گئی تو وہ کافر ہے یا مسلمان اور اس کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا
السائل علیم الدین

جواب (۲۱۹) هُوَ الْمُوَفِّقُ لِلصِّدْقِ وَالصَّوَابِ۔ میری تحقیق میں جس جگہ شارع نے کفر کا اطلاق اپنے حال پر رہنے دیا ہے وہاں اطلاق کفر کا کرنا صحیح ہے۔ بے نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کہا ہے۔ سنن نسائی ص ۲۲ج ۱ میں ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ دوسری روایت میں ہے قَالَ كَانَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ اور امام احمد رح کا بھی یہی مذہب ہے کہ تارک الصلوۃ کافر ہو جاتا ہے۔ پس ایسا آدمی اگر توبہ کرے (اور مرنے کے قبل نماز کا پابند ہو جائے) تو اس کی جنازہ کی نماز جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واکمل

حررہ ابورضا محمد عباس عفی عنہ از روڑانوالی۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۵ء جلد ۱۵ نمبر ۱۱)

سوال (۲۲۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی اسپ (گھوڑے) کی اجازت شرع شریف سے ہے یا نہیں؟

جواب (۲۲۰) گھوڑا جن کے نزدیک حلال ہے ان کے نزدیک قربانی بھی جائز ہے جمہور محدثین حلت کے قائل ہیں دلیل ان کی جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے قال

اَطْعَمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْخَیْلِ وَنَھَانَا عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ (ترمذی)
صحیح بخاری میں ہے نَحَرْنَا عَلٰی عَہْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَسًا فَاَکَلْنَاہُ
قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار میں امام ابو حنیفہ رح کا رجوع منقول ہے۔ مولانا عبدالحی
حنفی لکھنوی مرحوم نے بھی رجوع نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ العبد الجانی (حضرت
مولانا مفتی) محمد عبداللہ (صاحب) الثانی امرتسر دار الافتاء دفتر اہلحدیث

جواب صحیح ہے اللہ اعلم (حضرت مولانا مولوی) ابوالوفا ثناء اللہ (صاحب)
کفاہ اللہ امرتسری (ایڈیٹر اخبار اہلحدیث وسکریٹری آل انڈیا کانفرنس اہلحدیث)

جواب صحیح ہے (حضرت مولانا مولوی عبدالمجید (صاحب) صدر مدرس
مدرسہ محمدیہ باجوی ریاست دھولپور۔

اَلْجَوَابُ حَقٌّ وَالْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ (حضرت مولانا مولوی) ابوالحریز (ملک
عبدالعزیز (صاحب) ملتانی

جواب صحیح ہے (حضرت مولانا مولوی) نور حسین (صاحب) گھرجاکھی۔

جواب اَصَابَ مَنْ اَجَابَ (حضرت مولانا مولوی حکیم عبدالسلام (صاحب)
بقلم خود جبوانوی۔

جواب مَا قِیْلَ فِیْ ھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃِ صَحِیْحٌ مُوَافِقٌ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ۔ کتبہ
(جناب مولانا مولوی) محمد عبدالرؤف (صاحب) جھنڈوی

جواب کتب صحاح میں حلت گھوڑے کی مصرحاً مرفوعاً موجود ہے مَا اَجَابَ
المجیب فَھُوَ صَحِیْحٌ فَالْحَدِیْثُ اَحَقُّ اَنْ یُّعْمَلَ بِہٖ (جناب مولانا مولوی) حکیم عبدالعلیم
(صاحب) شورکوٹی تاب اللہ علیہ۔

جواب اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّہٗ الْحَقُّ (جناب مولانا مولوی حکیم) ابواشفاق محمد اسحاق
(صاحب) امیر جماعت کوٹ کپورہ۔

الجواب صحیح (حضرت مولانا مولوی حکیم) سید شاہ عبدالحلیم (صاحب)
محمدی عفی عنہ پنجاب ضلع جھنگ۔

اَلْجَوَابُ صَحِیْحٌ وَخِلَافُہٗ قَبِیْحٌ (جناب مولانا مولوی) عبداللہ (صاحب) لائلپوری
الجواب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جواب صحیح ہے۔ مذہب حنفیہ کرام میں گھوڑا
حلال ہے۔ اپنی موت سے چار یوم پہلے امام ابوحنیفہ رح نے گھوڑے کی حرمت سے
رجوع کر لیا تھا۔ دیکھو درمختار۔ فقط کمترین (حضرت امیر شاہ) محمد شریف (صاحب)
گھڑیالوی۔ اَلْجَوَابُ صَحِیْحٌ خادم السنۃ النبویۃ (جناب مولانا مولوی) ابوشفیق محمد صدیق
(صاحب) کیملوی منتظم مدرسہ دار الاسلام محمدیہ مولی والی ضلع فیروزپور۔

الجواب حق فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (جناب مولانا مولوی) عبدالکریم (صاحب)
ابن خاندان غزنویہ دار الاشاعت کریمیہ فیروزپور۔

اَلْجَوَابُ صَحِیْحٌ وَالْمُجِیْبُ نَجِیْحٌ وَخِلَافُہٗ قَبِیْحٌ (جناب مولانا مولوی ابوالبشیر
عبدعلی (صاحب) عفا عنہ الولی خلف حضرت مولانا مولوی محمد یوسف صاحب مرحوم ساکن
زیرہ ضلع فیروزپور۔

اَلْجَوَابُ حَقٌّ (حضرت مولانا مولوی) محمد عثمان (صاحب) بقلم خود کوٹھیاں والی
تحصیل و ضلع ..۔

الجواب زید کا قول صحیح ہے۔ گھوڑے کی قربانی بھی سنتِ صحابہ ہے چنانچہ
سبل السلام باب الاضاحی میں بایں الفاظ حدیث موجود ہے عَنْ اَسْمَاءَ اَنَّھَا قَالَتْ ضَحَّیْنَا
مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْخَیْلِ تلخیص الحبیر میں بھی اسی طرح ہے لہٰذا مانعین
حنفیہ کا حرام کہنا غلط ہے فقط۔

حررہ (جناب مولانا مولوی) ابوعیسیٰ محمد موسیٰ (صاحب) وارد حال امرتسر

جواب۔ گھوڑے کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور قربانی بھی بعض روایتوں
میں آئی ہے چنانچہ مولوی ابوعیسیٰ نے دو روایتیں ذکر کی ہیں (حضرت مولانا حافظ) عبداللہ
(صاحب) امرتسری مدیر اخبار تنظیم اہلحدیث روپڑ دمہتمم مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی۔

الجواب ۱۵ صحیح۔ سنتِ صحابہؓ کا اجراء بھی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ خاصکر
جب لوگ سنت صحابہ کے مخالف ہوں (جناب مولانا مولوی حکیم) ابوالعصام عبدالرحمن
(صاحب امیر جماعت ضلع جھنگ)

جواب صحیح ہے۔ گھوڑے کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور قربانی کرنا
بھی ثابت ہے۔ صرف گراں قیمت ہونے کی وجہ سے اونٹ اور گھوڑا قربانی میں ذبح کرنا
مروج نہیں ہوا۔ جملہ جوابات وتصدیقات صحیح ہیں۔
کتبہ (جناب مولانا مولوی حکیم) ابوالشکور عبدالقادر (صاحب) حصاروی عفی عنہ بقلمہ

الجواب صحیح (جناب مولانا مولوی) ابوالبشیر محمد سعید (صاحب) جودھپوری۔

الجواب۔ کتاب وسنت کے مقابلہ میں کسی کا قول پیش نہیں کرنا چاہئے پھر خواہ وہ
کوئی ہووے یہ بڑی جرأت ہے دین میں۔ جواب مذکور صحیح ہے۔ عبدہ الفقیر (جناب مولانا
مولوی حاجی حافظ اسمٰعیل (صاحب) السورتی عفی عنہ۔

الجواب صحیح۔ واقعی گھوڑا حلال جانور ہے اس کا کھانا اور قربانی کرنی ثابت
ہے۔ بخاری شریف جو کلام اللہ کے بعد اسلامی دنیا میں اصح وافضل تر کتاب تسلیم کی گئی ہے
اس میں یہ حدیث ہے عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَتْ نَحَرْنَا عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا فَاَكَلْنَاهُ (صحیح بخاری ص۲۰۶ الجزء الثالث مطبوعہ مصر) حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑے کو نحر کیا اور کھایا۔ سنن دارقطنی اور مسند امام احمد بن حنبل، تلخیص اور نیل وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت نے بھی گھوڑے کا گوشت کھایا ہے۔ نیز جناب سید نواب صدیق حسن خاں صاحب فاطمی والی ریاست بھوپال لکھتے ہیں "از اسماء کہ گفت ضَحَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْلِ واز ابوہریرہ رضؓ کہ وے قربانی اسپ کردہ (مسک الختام شرح بلوغ المرام ص۲۰۶ جلد ۲) حضرت اسماء بنت ابوبکر فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گھوڑے کی قربانی کی۔ نیز حضرت ابوہریرہ نے بھی گھوڑے کی قربانی کی ہے۔

حررہ (حضرت مولانا مولوی) ابوالخلیل عبدالجلیل خاں (صاحب) ناظم صیغہ اشاعت الکتاب والسنہ دار الامارت صدر بازار دہلی وایڈیٹر جریدہ صحیفہ اہلحدیث۔

جواب ۲۴۔ اَلْاَجْوِبَةُ كُلُّهَا صَحِيْحَةٌ صَرِيْحَةٌ وَمُخَالِفُهَا قَبِيْحَةٌ فَاسِدَةٌ بیشک انبیائی شریعت میں گھوڑا حلال اور طیب ہے۔ سنن نسائی وجامع ترمذی وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اَطْعَمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْخَيْلِ وَنَهَانَا عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کا گوشت کھلایا اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا۔ نیز آیت رُدُّوْهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ کے تحت میں کئی ایک تفاسیر میں صراحۃً موجود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سینکڑوں گھوڑے ذبح کرکے فقراء و مساکین کو تقسیم کئے فقط

(حضرت الحاج مولانا مولوی حافظ) ابو محمد عبدالستار بن حضرت الشیخ الفاضل العلامۃ ابی محمد عبدالوہاب المرحوم امام جماعت غرباء اہلحدیث کثر اللہ سوادہم

الجواب ۲۵ صحیح (جناب مولانا مولوی) محمد (صاحب مبلغ صوبہ پنجاب) عفا اللہ عنہ۔

الجواب ۲۶ (جناب مولانا مولوی) ابو محمد عبدالغنی (صاحب) الموڑھی مالوی۔

الجواب ۲۷ (جناب مولانا مولوی) محمد عطاء اللہ (صاحب) بھوجیاں عفی عنہ

جواب ۲۸۔ مَا قَالَ الْمُجِيْبُ فَهُوَ صَحِيْحٌ (جناب مولانا مولوی) عبدالمجید (صاحب) نیکو کاروزی۔

جواب ۲۹ صحیح ہے اور گھوڑے کی حلت چونکہ نص صریح سے ثابت ہے اس لئے اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ حررہ (حضرت مولانا مولوی) عبدالمجید (صاحب) خادم ایڈیٹر اخبار مسلمان سوہدرہ گوجرانوالہ۔

جواب ۳۰۔ بیشک قانون محمدی کی رو سے گھوڑا حلال ہے اور اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ کتبہ (جناب مولانا مولوی) عبداللہ (صاحب) امیر قوم اوڈ فاضلکا۔

جواب ۳۱ عَنْ اَسْمَاءَ اَنَّهَا قَالَتْ ضَحَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْلِ (سبل السلام جلد ۲ ص۲۰۴) اسماء صحابیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گھوڑے کی قربانی کی (رسالہ دو ورقی تحقیق مسئلہ قربانی مرغ)

کتبہ احمد بن محمد ملتانی وارد حال مدینہ منورہ

جواب ۳۲ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ وَاَنَا مُصَدِّقٌ بِذٰلِكَ (جناب شیخ) ابوسلیمان عبدالرحمٰن کفاہ المنان نومسلم (صاحب) منیجر صحیفہ اہلحدیث دہلی۔

الجواب ۳۳ صحیح۔ العبد (جناب مولانا مولوی) محمد (صاحب) صدر مدرس مدرسہ محمدیہ) گوجرانوالہ۔

الجواب ۳۴ صحیح۔ جو کچھ اوپر علماء نے لکھا ہے وہ سب ٹھیک و صحیح ہے۔ قرآن و حدیث کے موافق صحابہ رضؓ کا عمل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ظاہر کر دیا ہے۔ ان کو خدا جزائے خیر دے آمین۔ اب باقی علماء اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان علماء اور جماعت غرباء اہلحدیث کا ساتھ دیں اور اپنی آخرت درست کرلیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فرمایا ہے اے لوگو! جو ایمان لائے ہو سچے دل سے ڈرو تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے اور رہو جاؤ تم ساتھ سچ بولنے والوں عمل کرنے والوں کے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ یعنی تم راست گوئی اپنا شیوہ ٹھیراؤ، اس کو لازم پکڑو سست مت ہو دین کے کاموں میں اور زیادتی مت کرو غرباء یا دین میں حد سے آگے مت نکلو جس طرح خدا و رسول کی طرف سے تم کو حکم ہوا ہے اسی طرح حکم بجالاؤ اور سچ بولنے والوں قرآن حدیث پر عمل کرنے والوں کا ساتھ مت چھوڑو تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو تمام آفتوں اور مصیبتوں سے نجات بخشے اور تمہاری تمام مشکلات حل فرمائے آمین مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ یاد رکھنا پھر امتحان کا وقت آگیا ہے ہوشیار ہو جاؤ۔ دنیا داروں کی دھمکی میں آکر حق مسئلہ کو الٹ پلٹ نہ کرنا مسئلہ یاد نہ ہو یا معلوم نہ ہو تو چپکے رہنا نجات ہے۔ ہر دنیا داروں کی رضا کے لئے فتویٰ غلط سلط نہ دینا تعامل صحابہ کو نہ جھٹلانا چند روزہ دنیا کے پیچھے اپنی آخرت نہ کھو دینا بچوں کے ساتھ ہو کر قرآن و حدیث پر عمل کرتے کراتے رہنا اسی میں نجات ہے اور خدا بھی راضی ہے (ترجمہ) نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے ایمان والوں کو اوپر اس حالت کے کہ ہو تم اوپر اس کے یہاں تک کہ جدا کر دے خبیث ناپاک کو ایماندار سے۔ یعنی ایماندار عمل کرنے والے عمل کرنے والے یقین رکھنے والے

خدا اور رسول کی بات کو جھٹ پٹ قبول کرنے والے مومن اور کافر منافق فاسق بے حکم خدا و رسول ﷺ کے نافرمان اپنی عقل پر چلنے والے قرآن و حدیث کے مسئلوں کا انکار و مقابلہ کرنیوالے بددین برابر نہیں ہوتے۔ ان کی نکھار و جدائی جب ہی ہوگی کہ جب کوئی امتحان و آزمائش کا موقع یا وقت آجائے تب ہی معلوم ہوگا کہ حق والوں کے ساتھ کون رہتا ہے۔ جو رہ گیا اس نے خدا کا حکم مانا۔ جو کوئی حق والوں سچوں سے جدا ہوا کسی سبب سے یا کسی متولی شیخ جی چودھری وغیرہ کے ڈر خوف سے جدا ہوا جماعت حقہ و امام حق کو چھوڑ کر تو اس نے اس آیت کا انکار کیا سچوں کے ساتھ نہ ہوا۔ اب تم دیکھ لو انکار کرنے والا سچوں کا ساتھ چھوڑنے والا دنیاداروں کی مرضی پر چلنے والا، قرآن و حدیث کے خلاف ضدیں آکر فتویٰ دینے والا کون ہوا ما کان اللہ کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ کے قریش کا فروں اور منافقوں سے خطاب ہے کہ وہ کہتے تھے اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہیں تو نام لے لیکر ہم کو کیوں نہیں بتلا دیتے کہ فلاں شخص تم میں سے مومن ہے اور فلاں شخص کافر ہے۔ آج کل بھی ان کے رشتہ دار ایسے ہی سوال مسلمانوں سے کرتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ یہ عادتیں چھوڑ کر سچوں کے ساتھ ہو جائیں اب بھی وقت ہے فقط

ابو عبداللہ ناصح عنایت اللہ

جواب بالکل صحیح ہے — محمد نصیر الدین مرشد آبادی
المجیب مصیب — محمد ایوب مرشد آبادی
جواب صحیح ہے — محمد اسمٰعیل رنگپوری
الجواب صحیح — محمد موسیٰ مالدھی
الجواب صحیح — محمد حبیب الرحمٰن ضلع ندیا
الجواب صحیح — محمد محی الدین رنگپوری
ماقال المجیب فہو صحیح — ابو اسرائیل محمد اسمٰعیل حسین عفی عنہ رنگپوری
من اجاب فقد اصاب — ابو عبدالمتین محمد فیض الدین ضلع راجشاہی۔

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۶ء جلد ۶ نمبر ۱)

سوال (۲۲۱) کیا قبلہ رخ پاؤں کرکے سونا جائز ہے (سائل حکیم محمد عاشق از بوہر)

جواب (۲۲۱) لیٹنے والے کی نیت اگر توہین کعبہ نہ ہو تو درست ہے، اگر ہو تو نادرست ہے نیت درست ہو تب بھی افضل و بہتر و مسنون طریقہ یہی ہے کہ قبلہ کو منہ شمال کی جانب سر ہو جنوب کی جانب پیر ہوں جس طرح مردہ کو قبر میں لٹایا جاتا ہے۔ اگر اس کے خلاف لیٹے گا تو مسنون نہیں، جائز ہے۔ وَمَنِ ادَّعٰی خِلَافَہٗ فَعَلَیْہِ الْبَیَانُ بِالْبُرْھَانِ

سوال (۲۲۲) ہندہ زید کی لڑکی توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ ارکان اسلام کی پابند ہے اور مذہبًا پختہ خیالات کی اہلحدیث ہے اور بکر جو کہ ہندہ کا خاوند ہے وہ تعزیہ پرست اور غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دیتا ہے اور یا علی مدد یا علی مشکلکشا اور دیگر ایسے کلمات شرکیہ کا ورد رکھتا ہے اور ہر سال تعزیہ کے موقع پر ماتم وغیرہ میں شریک ہو کر باقاعدہ ماتم اور مرثیہ خوانی کرتا ہے۔ زید نے بکر کو بہتیرا سمجھایا ہے کہ تو ان عقائد شرکیہ و کفریہ سے باز آجا لیکن وہ ہرگز نہیں مانتا اسلیے سوال یہ ہے

کہ مذکورہ بالا صورت کی رو سے ہندہ اور بکر کا نکاح شریعت محمدیہ کی رو سے جائز و درست ہے یا کہ نہیں اور زید ہندہ کو بکر کے گھر برائے خانہ آبادی بھیج دے یا اس کا کسی دوسرے موحد متبع سنت شخص کے ساتھ نکاح کر دے۔ بینوا توجروا فقط

سائل عمر الدین و قطب الدین موچی میانوالی راعیاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر

جواب (۲۲۲) صورت مرقومہ و مسئولہ بالا میں واضح و لائح باد کہ عند اللہ و عند الرسول زید اور ہندہ کا نکاح ہرگز جائز و درست نہیں کیونکہ ہندہ موحدہ و مسلمہ ہے اور زید بوجہ اپنے افعال شرکیہ و کفریہ کے مشرک و کافر ہے قرآن مجید میں صاف فیصلہ موجود ہے کہ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ یعنی نہ ایسے مرد ایسی عورتوں کے لئے حلال ہیں نہ ایسی عورتیں ایسے مردوں کے لئے حلال۔ شریعت محمدیہ کی رو سے تعزیہ پرستی و نذر لغیر اللہ ہرگز جائز نہیں چنانچہ فرمایا اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ نیز غیر اللہ سے مدد چاہنا یا اس کو حاجت روا مشکل کشا سمجھ کر پکارنا بھی حرام اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ و آیت فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ○ کے منافی ہے۔ علی ہذا القیاس سینہ کوبی ماتم و مرثیہ خوانی وغیرہ بھی از روئے شریعت حرام و ناجائز ہے۔ حدیث میں نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کا فرمان ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔ الغرض ان جملہ امور شرکیہ مذکورہ فی السوال کی بناء پر شرعًا زید و ہندہ کا نکاح نہیں رہا۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ یعنی تعزیہ پرست قبر پرست وغیرہ مشرکین کو اپنی لڑکیاں مت دو۔ ایک غریب غلام موحد مسلمان متبع سنت مشرک مالدار سے بہتر ہے فقط

حررہ العاجز ابو محمد عبدالستار غفرلہ الغفار مدرس مدرسہ دار الکتاب والسنہ دار الامارت دہلی

ما اجاب المجیب الفاضل فہو صحیح۔ ابو الخلیل عبدالجلیل خاں اسلاموی

ناظم صیغہ اشاعت الکتاب والسنہ دار الامارت صدر بازار دہلی

الجواب صحیح۔ سید عبدالحلیم شاہ بخاری مدرسہ دار الکتاب والسنہ صدر بازار دہلی

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق جولائی ۱۹۳۶ء جلد ۱۶ نمبر ۵)

سوال (۲۲۳) مسبوق نے امام کی اقتدا اس وقت کی کہ امام نصف الحمد پڑھ چکا تھا اور مقتدی نے الحمد شروع کی۔ یہ نصف الحمد تک پہنچا تھا کہ امام نے ولا الضالین کو پڑھا تو مقتدی آمین کہے گا یا نہیں۔ اگر کہے گا تو پھر اپنی الحمد پوری کرکے آمین کہے یا نہیں۔ اگر کہے گا تو دوبارہ کہنا لازم آئیگا ایک درمیان فاتحہ دوسرے بعد ختم فاتحہ اور اگر نصف الحمد میں آمین کہے گا تو یہ تحریف لازم آئے گی اور تحریف کلام اللہ میں حرام ہے۔ اب کوئی ایسی حدیث ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ مسبوق الحمد پڑھتا رہے آمین نہ کہے یا الحمد چھوڑ کر آمین کہے۔

(سائل مولوی سید اللہ دیا صاحب نصیر آبادی)

جواب (۲۲۳) اسکا نام تحریف نہیں بلکہ اتباع امام ہے۔ امام کی متابعت کی وجہ سے اگر نصف الحمد میں آمین کہے اور پھر الحمد ختم کرکے بھی کہے تو شرعًا کوئی قباحت نہیں۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ یعنی امام تو اسی لئے بنایا گیا ہے اس کی اقتدا کیجائے دوسری حدیث میں ہے کہ مَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ فَاصْنَعُوْا یعنی جو امام کرے تم بھی وہی کرو۔ تیسری حدیث میں ہے کہ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ یعنی جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے (عام اس کے کہ تمہاری الحمد آدھی ہوئی ہو یا پوری) تم آمین کہو۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ مثلًا کوئی شخص امام کے ساتھ آخری رکعت میں شریک ہوا۔ اب امام جس آخری رکعت کے ختم پر التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھ گیا تو مقتدی کو بھی بوجہ اقتداء امام کے ایک رکعت کے بعد التحیات میں بیٹھنا پڑے گا۔ اگر مقتدی نہ بیٹھے بلکہ دوسری رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے اور یہ خیال کرے کہ ایک رکعت کے بعد تو کسی فرض نماز میں التحیات پڑھنی ثابت نہیں لہٰذا تحریف ہے اور تحریف حرام ہے تو یہ خیال اس کا غلط ہوگا غلط ہے جس سے امام کی مخالفت لازم آتی ہے جو ہرگز جائز نہیں۔ پس جیسے ہر دو رکعت میں التحیات ہے مگر کسی خاص صورت میں بوجہ متابعت امام و حدیث مذکورہ خیر الانام دو رکعت کے نصف یعنی ایک رکعت میں بھی التحیات میں بیٹھنا جائز ہے ایسے ہی نصف الحمد میں بوجہ متابعت امام و حدیث خیر الانام فقولوا آمین کہنا جائز ہے ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

سوال (۲۲۴) اماں حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں یا کسی اور طریقہ سے؟
سائل عبد اللہ صاحب باشندہ سکھانندی

جواب (۲۲۴) حوا علیہا الصلوٰۃ والسلام آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔ احادیث میں اسی طرح موجود ہے۔ تفسیر ابن کثیر و درمنثور وغیرہ میں تحت آیت وَخَلَقَ مِنْہَا زَوْجَہَا کے بھی مرقوم ہے وَھِیَ حَوَّاءُ عَلَیْہَا السَّلَامُ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعِہِ الْاَیْسَرِ مِنْ خَلْفِہٖ وَھُوَ نَائِمٌ فَاسْتَیْقَظَ فَرَاٰھَا فَاَعْجَبَتْہُ فَاَنِسَ اِلَیْہَا وَاَنِسَتْ اِلَیْہِ یعنی حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی کے پچھلے حصہ سے بحالتِ خواب پیدا ہوئیں پس آدم علیہ السلام جاگ پڑے اور دیکھ کر خوش ہوئے پس آدم علیہ السلام نے حوا سے انسیت و محبت کی اور حوا نے آدم سے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم میں ضحاک تابعی سے روایت ہے وَخَلَقَ مِنْہَا زَوْجَہَا قَالَ خُلِقَتْ حَوَّاءُ مِنْ اٰدَمَ مِنْ ضِلَعِ الْخَلْفِ وَھُوَ اَسْفَلُ الْاَضْلَاعِ (کذا فی الدر المنثور ص۱۱۶ ج۲) نیز تفسیر ابن کثیر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور بیہقی فی الشعب میں ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قَالَ خُلِقَتِ الْمَرْاَۃُ مِنَ الرَّجُلِ فَجُعِلَتْ نَہْمَتُہَا فِی الرِّجَالِ فَاحْبِسُوْا نِسَاءَکُمْ وَخُلِقَ الرَّجُلُ مِنَ الْاَرْضِ فَجُعِلَ نَہْمَتُہٗ فِی الْاَرْضِ یعنی عورت مرد سے پیدا ہوئی ہے

خلقت حوا علیہا السلام

بسی ہے اسکا میلان اور حرص مردوں کی طرف زیادہ ہے پس تم اپنی عورتوں کو (بلا وجہ) گھر سے باہر نہ جانے دیا کرو۔ اور مرد زمین سے پیدا ہوا ہے اس کی حرص زمین میں ہے۔

سوال (۲۲۵) کیا لڑکی کا والد لڑکی کا مہر لے کر لڑکی کا زیور و کپڑے وغیرہ بنوا کر دے سکتا ہے یا نہیں؟
(سائل مذکور)

جواب (۲۲۵) زر مہر لڑکی کی ملکیت ہے۔ اگر لڑکی کی رضامندی ہو تو دے سکتا ہے

سوال (۲۲۶) جو حدیث قرآن مجید سے نہیں ملتی وہ باطل ہے یا نہیں؟ (سائل فوق الذکر)

جواب (۲۲۶) کتب معتبرہ مستندہ فی الاسلام مثل صحاح ستہ کی کوئی حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں نہ باطل ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ جو حدیث رسول اور جو قرآن کے خلاف ہو کلا و حاشا۔ احادیث رسول کو قرآن کے معارض و مخالف ثابت کرنے کی بد کوشش کرنا یا ایسا عقیدہ رکھنا گمراہوں اور بے دینوں کا کام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی احکام نازل ہونے کے بعد کوئی حدیث قرآن کے خلاف نہیں فرمائی بلکہ قرآن و حدیث تو آپس میں لازم ملزوم اور واجب الاتباع ہونے میں دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ آپ کا فرمان ہے اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ

سوال (۲۲۷) اپنی بقائمی ہوش و حواس بغیر کسی کی ترغیب کے بے گناہ عورت کو تین طلاق دینے سے کیا عورت کو طلاق پڑ گئی اور حرام ہوئی یا نہیں؟
(سائل اول الذکر)

جواب (۲۲۷) بلا وجہ طلاق دینی اچھی نہیں۔ اگر مجلس واحدہ میں تین طلاقیں دی ہیں تو ایک طلاق ہو گئی قبل از انقضائے عدت رجوع کر سکتا ہے۔

سوال (۲۲۸) ایک شخص مسمی دوست محمد اور اس کی بیوی جن کی عمر تخمیناً ساٹھ برس کی ہے اس کی کوئی اولاد نہیں۔ ان کے پاس چھ سو روپے نقد اور بارہ بیگہ زمین ہے۔ چار بیگہ زمین فروخت کرکے ان ہر دو میاں بیوی کا امسال حج کا ارادہ ہے۔ شریعت محمدیہ کی رو سے ان کو حج کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل حاجی گل محمد از ابوہر)

جواب (۲۲۸) جائز کیا بلکہ فرض ہے لقولہ تعالیٰ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا پ۴ سورہ ال عمران فقط
(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار
صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۳۶ء جلد ۱۶ نمبر ۔

سوال (۲۲۹) صَلُّوْا عَلٰی مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَصَلُّوْا خَلْفَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر فقط کلمہ گو کا جنازہ پڑھنا اور تارک نماز کے پیچھے نماز پڑھنے کا فتویٰ کلکتہ والے اہلحدیثوں نے دیا ہے کیا اُن کا یہ فتویٰ ٹھیک ہے؟ اس میں

تحقیق صحیح کیا ہے؟ سائل (شیخ مولوی) ثناء اللہ (صاحب امین سنگھی)

سوال (۲۳۰) حدیث مَنْ قَالَ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ کی رو سے تارک صوم صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ کو مومن مسلمان موحد کہا جائے یا کافر؟ کتاب وسنت کی رو سے اس میں صحیح تحقیق کیا ہے؟ (سائل فوق الذکر)

جواب (۲۲۹ و ۲۳۰) صرف کلمہ گو یعنی تارک صوم وصلوٰۃ کا جنازہ پڑھنا شرعاً ثابت نہیں بلکہ اس کی ممانعت میں تصریحاتِ محدثین وتشریحاتِ ائمہ دین موجود ہیں اور نہ حدیث مندرجہ سوال کا یہ مقصد ہے کہ تارکِ صوم وصلوٰۃ کا جنازہ پڑھو یا ایسے شخص کی اقتداء میں نماز ادا کرو کیونکہ صدق دل سے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والا تارک فرائض نہیں ہوتا بلکہ وقت آجانے پر فوراً پابند ہو جاتا ہے اسی واسطے صحیح مسلم کی مرفوع حدیث میں موجود ہے عَنْ لَقِیْتَ یَشْہَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسْتَیْقِنًا بِہَا قَلْبُہٗ فَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ۔ حدیث ہذا میں بشارتِ جنت کو مطلق کلمہ گو کے واسطے نہیں رکھا بلکہ مُسْتَیْقِنٌ لِلْقَلْبِ کے ساتھ مقید ومخصوص کیا ہے اور قائل کلمے کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جب کہ وہ کلمہ کے معانی ومقاصد واغراض کے مطابق عمل کر کے دکھائے یعنی شرک وبدعات سے بچے۔ فرائض الٰہی کا پابند موافق شرع ہو تو سچا ہے ورنہ جھوٹا۔ اور جس نے جھوٹے طور پر کلمہ پڑھا اس کا نام اصطلاح شرع میں مومن یا مسلمان نہیں بلکہ منافق ہے جس کے متعلق قرآنی بیان ہے کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی منافقوں کا ٹھکانہ جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہے العیاذ باللہ۔

الغرض جو لوگ صرف زبانی اور رسمی ورواجی کلمہ گو ہیں اور کلیتاً شرک وبدعت سے باز نہیں آتے جس میں ترک صلوٰۃ وغیرہ بھی داخل ہے وہ کافر ومنافق ہیں اور منافقین کے حق میں ارشادِ خداوندی ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ○ (س بقرہ پ۱) یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو زبان سے تو کلمہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لائے حالانکہ حقیقت میں وہ مومن نہیں کیونکہ ان کے پاس

ے مراد درک سے درجہ وطبقہ ہے۔ اصطلاح عرب میں درجۂ زیریں کو درک کہتے ہیں اور درجہ اعلیٰ کو درجہ کہتے ہیں تو جنت کیلئے درج ہیں اور جہنم کیلئے ادراک۔ منافقین درک اسفل ترین ہونگے جس کا نام ہاویہ ہے۔ یہ طبقہ ان کو بسبب غلبۂ کفر وکثرت غوائل کے ملا ہے کیونکہ اہل ایمان کو یہ اپنے نفاق سے سخت ایذا پہنچاتے تھے۔ بالجملہ دوزخ کے سات درکات یعنی طبقات ومنازل ہیں۔ اہل علم کہتے ہیں اعلیٰ درکات جہنم ہے یہ خاص ہے اس امت کے گنہگاروں کے (یعنی وہ موحد مسلمان تو تھے مگر بوجہ گناہوں قصور وار کے کچھ روز قید وسزا بھگتنی پڑی) یہ طبقہ ایک روز اپنے اہل سے خالی ہو کر دروازے اس کے ہواؤں سے کھڑکھڑا رہے ہونگے۔ دوسرا لظیٰ تیسرا حطمہ چوتھا سعیر پانچواں سقر چھٹا جحیم ساتواں ہاویہ ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کبھی درجات کو درکات بھی بولتے ہیں بدلیل قولہ تعالیٰ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔ ملخص از رسالہ نذیر العریان۔

باقی اقرار ہے عمل نہیں۔

دوسری آیت میں یوں ارشاد ہے وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَمَاۤ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ○ (س نور پ۱۸) یعنی یہ لوگ بظاہر تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور تابعدار ہیں مگر جس وقت تعمیلِ احکام کا وقت آتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں پس ایسے لوگ ایمان والے نہیں۔

آیت ہذا میں خدا پر ایمان لانے والے رسول کی رسالت کے قائل یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے بے عمل کو خداوند قدوس نے بے ایمان کہا ہے کیونکہ وہ کلمہ تو پڑھتا ہے مگر اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ جو لوگ مطلق کلمہ گو کو بلا کسی شرعی وجہ کے مسلمان ومومن کہتے ہیں اور باتیں بناتے ہیں کہ میاں کلمہ گو کو کافر کہنا چاہیے وہ آیتِ ہذا کے ابتدائی جملہ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ اور آخری جملہ وَمَاۤ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ پر غور کریں اور مداخلت فی الدین سے باز آئیں۔

تیسری آیت میں فرمان ایزدی ہے یُرْضُوْنَکُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ وَتَاْبٰی قُلُوْبُھُمْ (س توبہ پ۱۰) یعنی اے مسلمانو! یہ لوگ منہ سے تو کلمہ وغیرہ کا اقرار کر کے تمہیں راضی کر دیتے ہیں مگر دل سے انکاری ہیں کیونکہ اگر دل سے شریعت کے احکام سچے جانتے تو ضرور اس کے موافق عمل کرتے پس اگر عمل کیا تو اقرار بھی سچا اور اگر عمل نہ کیا تو اقرار بھی جھوٹا۔

چوتھی آیت میں یوں فرمایا قَالُوْا نَشْہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ○ (س منافقون پ۲۸) یعنی اے ہمارے پیارے نبی! یہ لوگ تیرے سامنے تو تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور اللہ بھی خوب جانتا ہے کہ تو اللہ کا سچا رسول ہے لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق اپنے اس اقرار میں جھوٹے ہیں کیونکہ اگر وہ سچے ہوتے تو تیرے حکم احکام کے سامنے لیت ولعل نہ کرتے اور حیلے بہانے جھوٹے عذر کر کے شریعت سے روگرداں نہ ہوتے۔

پانچویں آیت میں ارشاد ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُکَ قَوْلُہٗ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیُشْہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِہٖ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ (س بقرہ پ۲) یعنی ایسے آدمی ہیں کہ انکی چکنی چپڑی باتیں تجھ کو دنیا میں پسند آجاتی ہیں اور اپنے ظاہر وباطن یکساں ہونے پر اللہ کو گواہ کرتے ہیں حالانکہ سخت جھگڑالو ہیں

چھٹی آیت میں بایں الفاظ ارشاد ہے وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ○ (س یوسف پ۱۳) یعنی اکثر لوگ اللہ کو مان کر بھی مشرک ہیں کیوں کہ اللہ رب العزت کو ایک بھی مانتے ہیں اور پھر شرک بھی کئے جاتے ہیں اعمال واخلاص سے عاری ہیں۔ اگر اسی کا نام ماننا ہے تو ایسا ماننا تو فرعون بے عون بھی مانتا تھا چنانچہ اللہ عزوجل نے پ۱۹ سورۂ نمل میں فرعون اور اس کے

مقلدین کے حق میں ارشاد فرمایا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (س نمل پ ۱۹) یعنی انہوں نے دیدہ و دانستہ حق کا انکار کیا حالانکہ ان کے قلوب متیقن ہو چکے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کا دین سچا ہے لیکن انہوں نے بوجہ غرور و تکبر کے ظاہری اعمال و انقیاد سے منہ موڑ کر کفر کیا۔

الغرض آیات مندرجہ بالا سے اظہر من الشمس و ابین من الامس ہے کہ انسان کو صرف تصدیق قلبی یا صرف اقرار لسانی عنداللہ کچھ کارگر نہ ہوگا جب تک وہ عملی جامہ نہ پہنے۔ ٹھیک اسی طرح بے نمازی کے زبانی اقرار ایمان اسلام کلمہ توحید کا کچھ اعتبار نہیں تا وقتیکہ وہ فرائض الٰہی صوم وصلوٰۃ، حج، زکوٰۃ کا پابند نہ ہو جیسا کہ حدیث انس میں مرفوعاً آیا ہے لَيْسَ الْاِيْمَانُ بِالتَّمَنِّيْ وَلَا بِالتَّحَلِّيْ وَلٰكِنْ هُوَ مَا وَقَرَ فِي الْقَلْبِ وَصَدَّقَهُ الْعَمَلُ (ابن نجار و دیلمی) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان صرف دعویٰ اور تصنع بناوٹ ظاہری کا نام نہیں بلکہ ایمان وہ چیز ہے جو دل میں جگہ پکڑے اور عمل اس کی تصدیق و تائید کرے۔ یہی الفاظ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جلد خامس کے ص۲۶ میں علامہ حسن بصریؒ سے منقول ہیں اور نیز تفسیر خازن میں تحت آیت اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ الآیۃ س فاطر پ ۲۲ یہی الفاظ وارد ہیں۔ اسی طرح ترجمان القرآن حبر ہذہ الامۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح تفسیر ابن کثیر وکمالین حاشیہ جلالین و تفسیر خازن وغیرہ میں آیت ہذا کی تفسیر یوں مروی ہے کہ کلمہ طیب سے مراد ذکر اللہ جیسے لا الٰہ الا اللہ و تلاوت قرآن و دعا وغیرہ ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے فَمَنْ ذَكَرَ اللّٰهَ وَلَمْ يُؤَدِّ فَرَائِضَهٗ رَدَّ اللّٰهُ قَوْلَهٗ، قَالَ الْبَغَوِيُّ هُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَسَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ وَالْحَسَنِ وَعِكْرِمَةَ وَالْاَكْثَرِ یعنی جو شخص اللہ کا ذکر کلمہ وغیرہ سے کرے اور نماز روزہ وغیرہ فرائض الٰہی نہ بجا لائے تو اللہ تعالیٰ اس کے قول کو رد کر دیتا ہے یعنی اس کا کلمہ پڑھنا بغیر عمل کے منظور نہیں ہوتا۔ امام بغوی نے فرمایا ہے کہ یہی فتویٰ ابن عباس و سعید بن جبیر و حسن بصری وغیرہ و صحابہ تابعین کا ہے۔ نیز تفسیر خازن میں ہے کہ جاء فی الحدیث لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ قَوْلًا اِلَّا بِعَمَلٍ وَلَا قَوْلًا وَلَا عَمَلًا اِلَّا بِنِيَّةٍ۔ یعنی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ رب العالمین احکم الحاکمین صرف زبانی اقرار کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ عمل نہ ہو اور عمل و قول بھی منظور نہیں جب تک عامل کی نیت خالص نہ ہو۔

نتیجہ تحریر بالا کا یہ ہے کہ صرف منہ سے کلمہ طیب لا الٰہ الا اللہ کہہ دینا مطلوب شرعی نہیں بلکہ ایمان و اسلام کے عہد و اقرار کے لئے یہ ایک جامع کلمہ ہے کہ جس کے قائل و اقراری ہونے میں تمام مامورات و منہیات الٰہی کا پابند ہونا پڑتا ہے اور اس کے کہنے سے آدمی ایک ایسے عہد و پیمان کے اندر آجاتا ہے۔ اگر ضروریات دین میں سے ذرہ بھر بھی کسی امر میں دائیں بائیں ہو اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی و غفلت کی یا کسی حکم شرعی کا انکار کیا

تو فوراً اس کا یہ عہد ٹوٹ کر پاش پاش ہو جاتا ہے اور وہ اس جرم کی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے جو اس کیلئے عنداللہ مقرر ہے تا وقتیکہ وہ توبہ نصوح نہ کرے اور رحمت الٰہی اس کے شامل حال نہ ہو۔

حاصل کلام یہ کہ یہ ایک ایسا جامع مانع کلمہ ہے جس کا نام کلمہ توحید و ایمان و اسلام و افضل الذکر ہے جس کی پوری کیفیت و مقدار کا اندازہ و وزن اللہ پاک ہی خوب جانتا ہے کوئی شئے اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی ہے۔ اگر بنظر عمیق غور و فکر و تدبر سے دیکھا جائے تو فرائض الٰہی و کل احکام شرع حلال، حرام، حدود، مامورات، منہیات اسی میں داخل ہیں اور اس کے قائل پر کل احکام شرع کی تعمیل و تسلیم واجب ہے اس لئے تمام محدثین کتب احادیث میں کتاب الایمان لکھ کر اس میں انواع و اقسام کی احادیث ذکر کرتے ہیں جو سب مسمیٰ ایمان میں داخل ہوتی ہیں چنانچہ ایمان کو کبھی مثل درخت اور کبھی مثل خیمہ یا گھر کے قرار دیا گیا ہے اور کبھی ایمان کبھی اسلام کبھی توحید کبھی دین کے نام سے پکارا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان و اسلام و توحید و کلمہ و دین ایک شے ہے اور ایمان ذو اجزاء ہے جس میں بعض ایسے جزء ہیں کہ انکی نفی سے کل کی نفی لازم آتی ہے جیسا کہ فرائض مثل نماز، روزہ، حج زکوٰۃ۔ اور بعض اجزاء ایسے ہیں کہ ان کی نفی سے کل کی نفی تو لازم نہیں آتی لیکن ثواب کی کمی اور نقصان ضرور ہوتا ہے جیسے سنن و نوافل مستحبات و مباحات وغیرہ۔ فرائض اور نوافل کے مابین فرق اور امتیاز یہی ہے کہ فرائض کے ترک سے کفر عائد ہوتا ہے اور نوافل کے انکار سے۔ اگر کوئی شخص امتثال فرائض میں قاصر نہ ہو اور نفلیات پر عمل نہ کرے تو اسے کافر نہیں کہہ سکتے ثواب و درجات سے ضرور محروم رہے گا بخلاف اس شخص کے کہ سارے نوافل کا عامل مگر فرائض کا تارک ہو یقیناً ایسا شخص کافر، مرتد، خارج ملت ہے کما لا یخفی علی ماہر الکتاب والسنہ۔

خلاصہ مطلب یہ کہ حدیث مندرجہ فی السؤال صَلُّوْا عَلٰى مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور صَلُّوْا خَلْفَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور حدیث مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وغیرہ کا یہی مقصود و مفہوم ہے کہ اس کلمہ کا قائل اس کے لوازمات صوم و صلوٰۃ وغیرہ کا پابند ہو اور جملہ مامورات و منہیات الٰہی کو بسر و چشم قبول کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و دیگر انبیاء و رسل و کتب سماویہ و ملائکہ و آخرت و تقدیر پر کما حقہ ایمان لائے۔ اور اگر صرف اسی حدیث کو مدنظر رکھا جائے تو محمد رسول اللہ و دیگر انبیاء و ملائکہ وغیرہ کے منکر کو مسلمان کہنا لازم آئے گا وَلَا قَائِلَ بِذٰلِكَ اَحَدٌ۔

پس اس قسم کی احادیث ان احادیث کے ساتھ مقید و مشروط ہیں جن میں ادائے فرائض وغیرہ کا ذکر ہے جس شخص نے فرائض ادا کئے وہ ایماندار ہے اور اس کا کلمہ پڑھنا بھی معتبر ہے

کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور نماز روزہ زکوٰۃ اس کل مجموعہ کا نام ایمان باللہ رکھا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مرفوعاً موجود ہے کہ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ اور جس نے فرائض الٰہی نہ ادا کئے وہ ایمان دار نہیں نہ اسکا کلمہ معتبر ہے بلکہ وہ ازروئے شرع اسلام سے خارج ہے جیسا کہ احادیث مندرجہ ذیل سے ثابت ہے۔

پہلی حدیث۔ أَخْرَجَ مُسْلِمٌ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ یعنی آدمی اور شرک و کفر کے درمیان ترک صلوٰۃ کا فاصلہ ہے۔ اگر نماز نہ پڑھی تو کافر مشرک ہے۔

دوسری حدیث۔ ابوداؤد و نسائی میں لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ إِلَّا تَرْكُ الصَّلٰوةِ یعنی بندہ میں اور کفر میں کچھ فرق نہیں بجز چھوڑ دینے نماز کے۔

تیسری حدیث۔ أَخْرَجَ أَحْمَدُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ أَيْ فِعْلُ الصَّلٰوةِ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ أَيْضًا فِيْ صَحِيْحِهِ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعًا وَرَوَاهُ أَهْلُ السُّنَنِ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ یعنی آدمی اور کفر کے درمیان نماز کا فرق ہے اگر وہ نماز پڑھتا رہا تو مسلمان ہے ورنہ کافر

چوتھی حدیث۔ جامع ترمذی میں ہے بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيْمَانِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ وَقَالَ الْمُحَشِّيْ وَالظَّاهِرُ أَنَّ فِعْلَ الصَّلٰوةِ هُوَ الْحَاجِزُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْكُفْرِ اھ یعنی کفر و ایمان میں نماز کا پڑھنا حاجز (رکاوٹ) ہے۔ جب آدمی نماز ترک کر دیتا ہے تو کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

پانچویں حدیث۔ سنن ابن ماجہ میں ہے بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ وَصَحَّحَ كَمَا قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ قَالَ الْحَاكِمُ وَلَا يُعْرَفُ لَهُ عِلَّةٌ الْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَهْلُ السُّنَنِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ صَحِيْحٌ وَإِسْنَادُهُ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ یعنی بے نماز کا کافر ہونا صحیح ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں کوئی علت نہیں۔ وہ حدیث یہ ہے ہمارے اور کفار و مشرکین کے درمیان نماز کا فرق ہے جس نے نماز چھوڑ دی بے شک وہ کافر ہو گیا۔

چھٹی حدیث۔ طبرانی میں باسناد لاباس بہ ہے مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا یعنی جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے کہ میرے ذمہ فرض ہے اور اسکا ترک کرنا بڑا گناہ ہے اور پھر بھی نہیں پڑھتا تو وہ کھلم کھلا کافر ہے وَفِيْ رِوَايَةٍ بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْكُفْرِ أَوِ الشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ فَإِذَا تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ وَفِيْ أُخْرٰى لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَالشِّرْكِ إِلَّا تَرْكُ الصَّلٰوةِ فَإِذَا تَرَكَهَا فَقَدْ أَشْرَكَ یعنی بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اور کفر و شرک کے درمیان حد فاصل نماز ہے۔ پس جس نے نماز نہ پڑھی بیشک اس نے شرک کیا۔

ساتویں حدیث۔ امام اہل السنہ امام احمد نے اپنی کتاب الصلوٰۃ المعروف بہ

رسالۃ السنیہ صفحہ ۲۴۵ میں بیان کی ہے لَا حَظَّ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ یعنی تارک صلوٰۃ کا اسلام میں کچھ بھی حصہ نہیں وَإِنَّمَا حَظُّهُمْ مِنَ الْإِسْلَامِ عَلٰى قَدْرِ حَظِّهِمْ فِي الصَّلٰوةِ وَرَغْبَتُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ عَلٰى قَدْرِ رَغْبَتِهِمْ فِي الصَّلٰوةِ یعنی انسان اپنا حصہ اور رغبت اسلام میں نماز کی رغبت اور حصہ سے معلوم کر سکتا ہے۔ آگے چل کر اسی صفحہ میں فرماتے ہیں وَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّلٰوةُ عَمُوْدُ الْإِسْلَامِ أَلَسْتَ تَعْلَمُ أَنَّ الْفُسْطَاطَ إِذَا سَقَطَ عَمُوْدُهُ سَقَطَ الْفُسْطَاطُ لَمْ يُنْتَفَعْ بِالْأَطْنَابِ وَلَا بِالْأَوْتَادِ وَإِذَا قَامَ عَمُوْدُ الْفُسْطَاطِ انْتُفِعَتْ بِالْأَطْنَابِ وَالْأَوْتَادِ یعنی نماز اسلام کا وسطی ستون ہے کہ جس کے گر جانے سے باقی میخیں اور طنابیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔

آٹھویں حدیث۔ طبرانی میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيْمَانِ الصَّلٰوةُ فَإِذَا تَرَكَهَا فَقَدْ أَشْرَكَ رَوَاهُ هِبَةُ اللّٰهِ الطَّبَرِيُّ وَقَالَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ یعنی ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کہ بندہ کے درمیان اور کفر و ایمان کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے۔ جس وقت بندہ نے نماز چھوڑ دی یقیناً وہ مشرک ہو گیا۔ روایت کیا اس حدیث کو طبری نے اور کہا اسناد اس کی صحیح ہے اور پر شرط مسلم کے۔

نویں حدیث۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُوْرًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ ابْنِ خَلَفٍ رَوَاهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ فِيْ مُسْنَدِهِ وَأَبُوْ حَاتِمٍ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهِ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن نماز کا ذکر کیا پس فرمایا کہ جس شخص نے نماز کی حفاظت کی تو قیامت کے دن یہ نماز اس کے لئے نور اور دلیل اور نجات کا باعث بن جائے گی اور جس شخص نے اس کی حفاظت نہیں کی (یعنی کبھی پڑھی اور کبھی چھوڑ دی) تو اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہو گا نہ کوئی دلیل اور نہ نجات اور ہو گا وہ حشر کے دن قارون اور فرعون و ہامان و ابی بن خلف جیسے اشد کافروں کے ساتھ۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں۔ حدیث ہذا کے تحت میں شیخ الاسلام علامہ ابن قیم اپنی کتاب الصلوٰۃ کے ص۲۱ میں رقمطراز ہیں کہ وَإِنَّمَا خَصَّ هٰؤُلَاءِ الْأَرْبَعَةَ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُمْ رُءُوْسُ الْكَفَرَةِ وَفِيْهِ نُكْتَةٌ بَدِيْعَةٌ وَهُوَ أَنَّ تَارِكَ الْمُحَافَظَةِ عَلَى الصَّلٰوةِ إِمَّا أَنْ يَشْغَلَهُ مَالُهُ أَوْ مُلْكُهُ أَوْ رِيَاسَتُهُ أَوْ تِجَارَتُهُ فَمَنْ شَغَلَهُ عَنْهَا مَالُهُ فَهُوَ مَعَ قَارُوْنَ وَمَنْ شَغَلَهُ عَنْهَا فَهُوَ مَعَ

فِرْعَوْنَ وَمَنْ شَغَلَهُ عَنْهَا رِيَاسَتُهُ وَوِزَارَتُهُ فَهُوَ مَعَ هَامَانَ وَمَنْ شَغَلَهُ عَنْهَا تِجَارَتُهُ فَهُوَ مَعَ أُبَيِّ ابْنِ خَلَفٍ یعنی بے نماز کی معیت کی تخصیص ان چاروں کافروں فرعون ہامان قارون ابی بن خلف کے ساتھ کرنے میں ایک عجیب و غریب نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اکثر چار چیزوں کی وجہ سے نماز میں غفلت کرتا ہے یا تو اپنے مال کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کی حفاظت ترک کرتا ہے یا اپنے ملک کی وجہ سے یا اپنی ریاست کی وجہ سے یا اپنی تجارت کی وجہ سے۔ پس جس شخص کو اس کے مال نے نماز سے غافل کیا وہ قیامت کے دن قارون کے ساتھ ہوگا۔ اور جس شخص کو اس کے ملک نے غافل کیا وہ فرعون کے ساتھ ہوگا۔ اور جس شخص کو اس کی ریاست و وزارت وغیرہ دنیاوی عہدہ و مرتبہ نے غافل کیا وہ ہامان کے ساتھ ہوگا اور جس شخص کو اس کی تجارت و سوداگری وغیرہ دنیاوی کاروبار نے غافل کیا وہ ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

الغرض بے نماز کا کلمہ اس کو قیامت کے دن کچھ کام نہ آوے گا نہ کلمہ گویوں کے ساتھ اس کو کھڑے ہونے کی اجازت ہوگی۔ میدان حشر میں کہہ دیا جائے گا کہ او بے نماز آج تیرا مسلمانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، تو چونکہ دنیا میں بے نماز تھا لہٰذا تیرا تعلق فرعون، ہامان، قارون وغیرہ کفار کے ساتھ ہے چنانچہ حدیث ہذا اس کی مؤید ہے۔

دسویں حدیث۔ علامہ ابن ابی حاتم نے اپنی سنن میں بایں الفاظ نقل کی ہے عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ أَوْصَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَتْرُكُوا الصَّلٰوةَ عَمَدًا فَمَنْ تَرَكَهَا عَمَدًا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي سُنَنِهِ یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو وصیت کی پس فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرنا اور نماز کبھی نہ چھوڑنا۔ جس شخص نے قصداً نماز چھوڑ دی یقیناً وہ مذہب اسلام سے خارج ہوگیا۔

گیارھویں حدیث۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ رَوَاهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ یعنی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے قصداً فرض نماز چھوڑ دی یقیناً اس سے اللہ کا ذمہ اٹھ گیا یعنی وہ کہیں مرے کہیں ہلاک ہو خداوند تعالیٰ اس کا ذمہ دار نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن قیم کتاب الصلوٰۃ کے صفحہ ۲۸۱ پر تحت حدیث ہذا فرماتے ہیں وَلَوْ كَانَ بَاقِيًا عَلَى إِسْلَامِهِ لَكَانَتْ لَهُ ذِمَّةُ الْإِسْلَامِ یعنی اگر بے نماز اسلام پر باقی رہتا تو ضرور اس کے لئے اسلامی ذمہ ہوتا۔ پس ذمۃ اللہ کی نفی اس کے اسلام کی نفی

کو مستلزم ہے۔

بارھویں حدیث۔ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَوْصَانِي أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا أَتْرُكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي سُنَنِهِ۔ ترجمہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ حدیث ہذا سے بھی معلوم ہوا کہ بے نماز مسلمان نہیں اور خدائے تعالیٰ اس سے بیزار و بری الذمہ ہے۔

تیرھویں حدیث۔ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ مُخْتَصَرٌ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اصل دین اسلام ہے اور ستون اس کا نماز ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ حدیث ہذا کے تحت میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کتاب مذکور کے صفحہ مذکور میں فرماتے ہیں وَوَجْهُ الْإِسْتِدْلَالِ بِهِ أَنَّهُ أَخْبَرَ أَنَّ الصَّلٰوةَ مِنَ الْإِسْلَامِ بِمَنْزِلَةِ الْعَمُوْدِ الَّذِيْ تَقُوْمُ عَلَيْهِ الْخَيْمَةُ فَكَمَا تَسْقُطُ الْخَيْمَةُ بِسُقُوْطِ عَمُوْدِهَا فَهٰكَذَا يَذْهَبُ الْإِسْلَامُ بِذَهَابِ الصَّلٰوةِ وَقَدِ احْتَجَّ أَحْمَدُ بِهٰذَا بِعَيْنِهِ یعنی حدیث ہذا سے وجہ استدلال یہ ہے کہ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ بیشک نماز کا تعلق اسلام کے ساتھ بمنزلہ اس ستون کے ہے جس پر خیمہ قائم ہوتا ہے پس جیسے اس ستون کے گر جانے سے خیمہ گر جاتا ہے ایسے ہی نماز کے چھوٹ جانے سے اسلام چلا جاتا ہے۔ امام احمدؒ بھی اس حدیث سے یہی دلیل پکڑی ہے۔

چودھویں حدیث۔ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَالسُّنَنِ وَالْمَسَانِيْدِ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ رَوَاهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ وَفِيْ بَعْضِ أَلْفَاظِهِ الْإِسْلَامُ خَمْسٌ فَذَكَرَهُ یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن اور مسانید میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ایک توحید و اتباع سنت دوسرے نماز پنجگانہ کا قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا۔ چوتھے حج خانہ کعبہ کا کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور اس میں یہ بھی لفظ ہے کہ اسلام انہی پانچ چیزوں کا نام ہے۔ نیز علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اپنے رسالہ زیادۃ الایمان باعمال الجنان کے صفحہ ۱۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز کا عمداً ترک کرنا کفر، تارک نماز دوزخی ہے۔ روزہ، زکوٰۃ، حج کا عمداً ترک کرنا باوجود قدرت و فرضیت کے کفر ہے۔ کفر کا انجام دوزخ ہے۔

نیز کتاب الصلوٰۃ کے صفحہ ۲۸۲ میں مرقوم ہے إِنَّمَا جُعِلَ هٰذِهِ الْأَرْكَانُ لِكَوْنِ الْإِسْلَامِ وَدَا خِلَةً فِي مُسَمَّى اسْمِهِ وَمَا كَانَ اسْمًا لِمَجْمُوْعِ أُمُوْرٍ إِذَا ذَهَبَ بَعْضُهَا

ذَهَبَ ذٰلِكَ الْمُسَمّٰى وَلَا سِيَّمَا إِذَا كَانَ مِنْ أَرْكَانِهِ لَا مِنْ أَجْزَائِهِ الَّتِيْ لَيْسَتْ يَزُوْلُ بِهٖ كَالْحَائِطِ لِلْبَيْتِ فَإِنَّهٗ إِذَا سَقَطَ سَقَطَ الْبَيْتُ بِخِلَافِ الْعُوْدِ وَالْخَشَبَةِ وَاللَّبِنَةِ وَنَحْوِهَا یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں ان ارکان خمسہ کو نفس اسلام قرار دیا ہے ۔ پس جب اس مجموعہ کا نام اسلام ہوا تو یقیناً اس کے بعض حصے کے چلے جانے سے کل اسلام جاتا رہے گا اور بعض کے فقدان سے کل کا فقدان لازم آئے گا یا یوں سمجھئے کہ مثلاً شیشے کی ایک بوتل ہے جتنا شیشہ اس میں لگا ہوا ہے اس سارے شیشے کا نام بوتل ہے مگر جس وقت اس کی جڑ اور پیندے میں صرف ایک سوراخ کر دیا جائے اور تھوڑا سا شیشہ توڑ دیا جائے تو وہ ساری بوتل بیکار ہے ۔ اسی طرح یہ پانچوں رکن اسلام کی جڑ ہیں اگر ان میں سے ایک رکن بھی ترک کر دیا جائے تو سارا اسلام بیکار ہے ۔ ہاں جن کے لئے صرف تین رکن جڑ قرار دیئے گئے ہیں ان کیلئے ان کی تین میں ایک کی نفی سے کل کی نفی لازم آئے گی اور ان کے لئے یہ حدیث دلیل ہے ۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرَى الْإِسْلَامِ وَقَوَاعِدُ الدِّيْنِ ثَلٰثَةٌ عَلَيْهِنَّ أُسِّسَ الْإِسْلَامُ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ فَمَنْ تَرَكَ مِنْهَا وَاحِدَةً فَهُوَ بِهَا كَافِرٌ حَلَالُ الدَّمِ أَوْ كَمَا قَالَ یعنی اسلام کا کڑا اور دین کی جڑ و غریار کے لئے تین چیزوں پر ہے ۔ ایک توحید و اتباع سنت دوم اقامت صلوٰۃ ۔ سوم صیام رمضان ۔ پس جو شخص ان میں سے ایک کا بھی چھوڑ دے وہ کافر و حلال الدم ہے

ابو محمد عبدالستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ محرم وصفر و ربیع الثانی وجمادی الاول [illegible]ھ

مطابق ماہ مارچ و اپریل وجون وجولائی ۱۹۳۰ء جلد ۱۸ نمبر ۱ و ۲ و ۴-۵

سوال (۲۳۱) : ترک صلوٰۃ کے متعلق جو کفر کا لفظ حدیث میں وارد ہے اس کا صحیح معنے کیا ہے ۔ بعض مولوی کہتے ہیں کہ کفر کے معنے اس نے کفر کیا ہے اور وہ کافر ہوگیا ایسا نہیں کیونکہ حدیث میں لفظ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ آیا ہے فَهُوَ كَافِرٌ نہیں آیا کیا یہ تاویل صحیح ہے ؟ سائل مولوی ثناء اللہ صاحب یمن سلطھی

جواب (۲۳۱) : تارک صلوٰۃ کے متعلق احادیث میں جو کفر کا اطلاق آیا ہے اسکا اصلی معنے وہی ہے جو صحابہ کرام و تابعین عظام و محدثین ذوی الافہام نے سمجھا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یعنی بے نماز ایسا پکا کافر ہے کہ جس کا حشر نشر فرعون ہامان شداد وغیرہ کفار کے ساتھ ہوگا ۔ جو ملا مولوی تاویلات رکیکہ و تحریفات فاسدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فَعَلَ فِعْلَ الْكُفْرِ وَغَيْرَهٗ ذٰلِكَ ان کی اس تاویل کی بناء پر احادیث صریحہ صحیحہ کا

انکار لازم آتا ہے ۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلوٰۃ میں اس مسئلہ کو خوب بسط کے ساتھ لکھا ہے ۔

جب حدیث مرفوع مندرجہ ذیل میں صراحتاً موجود ہے کہ بے نماز صریح کافر ہے تو پھر ملا مولویوں کی تاویلات باطلہ اور مزخرفات واہیہ کون سنے عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهٖ ہاں بعض علماء کا یہ کہنا کہ تارک الصلوٰۃ کے متعلق حدیث میں فَقَدْ كَفَرَ آیا ہے فَهُوَ كَافِرٌ نہیں آیا ان کے قلت علم وعدم تدبر پر مبنی ہے اور کتب حدیث پر کماحقہ عبور و واقفیت نہیں ۔ سنئے مسند ابو یعلیٰ میں باسناد حسن بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً موجود ہے مَنْ تَرَكَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ فَهُوَ بِهَا كَافِرٌ حَلَالُ الدَّمِ الْحَدِيْثَ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ مِنْهُنَّ وَاحِدَةً فَهُوَ بِاللّٰهِ كَافِرٌ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَّقَدْ حَلَّ دَمُهٗ وَمَالُهٗ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ارکان اسلام میں سے ایک رکن بھی چھوڑ دیا وہ کافر باللہ اور حلال الدم والمال ہے اس کا نفل اور فرض کچھ بھی قبول نہیں کذا فی الترغیب جس سے صاف عیاں ہے کہ بے نماز کا کفر نقیض ایمان ہے کیونکہ حدیث ہذا میں صرف فَهُوَ كَافِرٌ ہی نہیں بلکہ فَهُوَ بِاللّٰهِ كَافِرٌ فرمایا ہے فَانْظُرْ وَتَدَبَّرْ ۔

نیز محدثین کے استاد علامہ ابوبکر بن ابی شیبہ نے کتاب الایمان میں اور امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے با یں الفاظ روایت نقل کی ہے عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ فَهُوَ كَافِرٌ كَذَا فِي التَّرْغِيْبِ یعنی جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے ۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ و عبدالرحمن بن عوف اور معاذ بن جبل و ابوہریرہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ایک وقت کی نماز چھوڑ دینے والے کے حق میں فَهُوَ كَافِرٌ مُّرْتَدٌّ کے الفاظ موجود ہیں یعنی بے نماز کافر و مرتد ہے ۔ اور سنئے عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ فَهُوَ كَافِرٌ رَوَاهُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْقُوْفًا یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے نماز کافر ہے ۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَلَا دِيْنَ لَهٗ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ أَيْضًا مَوْقُوْفًا یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے نماز کا کوئی دین ہی نہیں ۔

صد حیف اُن علماء پر کہ جو ان نصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے بوجہ اپنی جہالت یا جماعت غرباء اہلحدیث کی ضد میں آکر اپنی نفسانیت و تاویلات باطلہ کو استعمال میں لاتے ہوئے تارک صوم و صلوٰۃ کو مسلمان کہنے پر ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگاتے ہیں اور اپنے غلط فتووں کے سامنے فتویٰ نبوی و فتویٰ صحابہ کو مسترد کر دیتے ہیں اور اپنے اقوال باطلہ و تاویلات رکیکہ پر

ذرا غور و فکر نہیں کرتے فَیَا اَسَفًا عَلٰی حَالِهِمْ لِمَ لَا یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ دُخُوْضِ مُحْجَتِهِمْ وَبُطْلَانِ قَوْلِهِمْ حَتّٰی لَا یَتَّوَلُّوْا مِثْلَ هٰذِهِ التَّاْوِیْلَاتِ الْبَاطِلَةِ الْفَاسِدَةِ الْمَمْنُوْعَةِ عَنِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔

الغرض صرف نماز ہی نہیں بلکہ کل ارکانِ اسلام آپس میں ایسے لازم ملزوم ہیں کہ ایک کے فقدان ونفی سے کل کی نفی لازم آتی ہے کَمَا قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ هُوَ سَلَّا عَنْ زِیَادِ بْنِ نُعَیْمِ الْحَضْرَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ فَرَضَهُنَّ اللّٰهُ فِی الْاِسْلَامِ فَمَنْ اَتٰی بِثَلَاثٍ لَمْ یُغْنِیْنَ عَنْهُ شَیْئًا حَتّٰی یَاْتِیَ بِهِنَّ جَمِیْعًا اَلصَّلٰوةُ وَالزَّکٰوةُ وَصِیَامُ رَمَضَانَ وَحَجُّ الْبَیْتِ (ترغیب) یعنی زیاد بن نعیم حضرمی سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام میں اللہ عزوجل نے (توحید کے بعد) چار چیزیں ایسی فرض کی ہیں کہ جس شخص نے ان میں سے تین کو ادا کیا اور ایک کو چھوڑ دیا تو وہ تین بھی اس کی بیکار ہیں اس کے کچھ بھی کام نہ آئیں گی جب تک کہ چاروں کو نہ ادا کرے وہ چاروں چیزیں یہ ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وَقَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدِهٖ قَالَ الْحَکَمُ بْنُ عُتَیْبَةَ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ تَرَکَ الزَّکٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ تَرَکَ الْحَجَّ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ وَمَنْ تَرَکَ صَوْمَ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ وَقَالَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ بِاللّٰهِ وَمَنْ تَرَکَ الزَّکٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ بِاللّٰهِ وَمَنْ تَرَکَ صَوْمَ رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ بِاللّٰهِ رَوَاهُنَّ اَسَدُ بْنُ مُوْسٰی یعنی مسند احمد بن حنبل میں موجود ہے کہ جس نے نماز نہ پڑھی وہ کافر ہے جس نے زکوٰۃ نہ دی وہ کافر ہے جس نے حج نہ کیا وہ کافر ہے جس نے رمضان کے روزے نہ رکھے وہ کافر ہے۔ اور کہا سعید بن جبیر نے جس شخص نے نماز نہ پڑھی وہ کافر باللہ ہے یعنی اس نے اللہ کا انکار کیا اور جس نے زکوٰۃ نہ دی اس نے اللہ کا انکار کیا اور جس نے رمضان کے روزے نہ رکھے اس نے اللہ کا انکار کیا۔

مقصد یہ کہ تارک عامد صوم و صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ کا کافر مرتد، خدا کا منکر ہے کیونکہ عند الشرع خدا کا ماننا خدا پر ایمان لانا یہی ہے کہ خدا کے احکام و فرائض کو مانے ادا کرے۔ جس نے احکام خداوندی و فرائض اسلامی کو نہ ادا کیا اس نے خدا ہی کو نہ مانا اور جس نے خدا کو نہ مانا وہ مسلمان کیسا۔

نیز رحمة المهداة الٰی من یرید زیادة العلم علٰی احادیث المشکوٰة کے صفحہ ۴ کتاب الایمان میں حدیث مندرجہ ذیل موجود ہے جو علماء مؤولین کی قطع اعناق کے لئے مع اپنے شواہد ومتابعات کے کافی وافی ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الدِّیْنُ خَمْسٌ لَا یُقْبَلُ مِنْهُنَّ شَیْءٌ دُوْنَ شَیْءٍ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْحَیٰوةِ بَعْدَ

الْمَوْتِ هٰذِهٖ وَاحِدَةٌ وَالصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ عَمُوْدُ الْاِسْلَامِ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ الْاِیْمَانَ اِلَّا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةُ طَهُوْرٌ مِّنَ الذُّنُوْبِ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالَی الْاِیْمَانَ وَالصَّلٰوةَ اِلَّا بِالزَّکٰوةِ مَنْ فَعَلَ هٰؤُلَاءِ ثُمَّ جَاءَ رَمَضَانُ فَتَرَکَ صِیَامَهٗ مُتَعَمِّدًا لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِیْمَانَ وَلَا الصَّلٰوةَ وَلَا الزَّکٰوةَ وَمَنْ فَعَلَ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَ وَتَیَسَّرَ لَهُ الْحَجُّ وَلَمْ یَحُجَّ وَلَمْ یُوْصِ بِحَجَّةٍ وَلَمْ یَحُجَّ عَنْهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِیْمَانَ وَلَا الصَّلٰوةَ وَلَا الزَّکٰوةَ وَلَا الصِّیَامَ (رواہ فی الحلیة) یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل دین پانچ چیزوں کا نام ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوئی تو باقی بھی مقبول نہیں۔ گواہی دینا اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے غلام اور اس کے سچے رسول ہیں۔ اور ایمان لانا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور رسولوں پر۔ جنت و دوزخ اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یہ سب مل کر ایک چیز ہوئی اور پانچوں نمازیں اسلام کا ستون ہیں بغیر نماز کے اللہ تعالیٰ کسی کا ایمان قبول نہیں کرتا (یعنی بے نماز بے ایمان ہے) اور زکوٰۃ کا ادا کرنا باعث کفارۂ ذنوب ہے۔ جو شخص (صاحب نصاب ہو کر) زکوٰۃ نہ دے تو عند اللہ اس کا ایمان و نماز بھی مقبول نہیں (اگرچہ وہ پنجوقتہ نماز کا پابند ہو مگر بوجہ ترک زکوٰۃ کے وہ بے نماز اور بے ایمان ہے) جس شخص نے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا نماز بھی پڑھی زکوٰۃ بھی دی پھر اس کی زندگی میں رمضان کا مہینہ آگیا پس اس نے قصداً روزے چھوڑ دیئے نہ رکھے تو عند اللہ اس کا کلمہ بھی قبول نہیں نماز و زکوٰۃ بھی قبول نہیں۔ اور جو شخص یہ چاروں کام کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ تو ادا کرتا رہا مگر باوجود استطاعت کے حج نہ کیا نہ حج کے جانے کی ہاں کی اور نہ اس کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے اس کے بعض ورثاء نے حج بدل کیا تو عند اللہ اس شخص کا نہ ایمان قبول ہے نہ نماز نہ زکوٰۃ نہ روزہ بلکہ یہ چاروں کام بھی برباد و بیکار ہیں۔ خدائے تعالیٰ ہر فرد بشر کو آخرت کے اس نقصان عظیم و خسران مبین سے بچائے اور محفوظ رکھے آمین۔ (مفتی) ابو محمد عبدالستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار (آمین)

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۸ء جلد ۸ نمبر ۲

عرش خداوندی کو کتنے فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے

سوال (۲۳۲) ایک حدیث ابوداؤد میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا عرش آٹھ فرشتوں کی پشت پر ہے اور ابن جریر ابوزید سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ یَحْمِلُهُ الْیَوْمَ اَرْبَعَةٌ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثَمَانِیَةٌ (حاشیہ تفسیر جامع البیان ص ۴۸۲)

حدیث نمبر ا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آٹھ فرشتوں نے عرش کو اٹھا رکھا ہے اور حدیث نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت چار نے اٹھا رکھا ہے اور قیامت کے روز آٹھ اٹھائیں گے۔ دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی کیا صورت ہے؟

(مولانا) ابو الصمصام عبدالرحمن (صاحب) جھنگوی

جواب (۲۳۲) حدیث نمبر ۱ مطلق ومجمل ہے جس میں موجودہ وقت اور قیامت کے دن کی تعیین وتقیید نہیں اور حدیث نمبر ۲ مقید ومفصل ہے جس میں تعیین وتفصیل موجود ہے کہ اس وقت حاملین عرش چار فرشتے ہیں اور قیامت کے دن آٹھ ہونگے۔ پس حدیث نمبر ۱ حدیث نمبر ۲ کے ماتحت لی جائے گی جسکا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن عرش کے اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہوں گے جس کی تشریح حدیث نمبر ۲ میں موجود ہے۔ محدثین امام بخاری وغیرہ رضی اللہ عنہم کا یہی اصول ہے کہ مفصل حکم مجمل پر قاضی ہوا کرتا ہے۔ نیز تعارض کے لئے اتحاد مکانی وزمانی شرط ہے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے فَلَا تَعَارُضَ بَيْنَهُمَا۔ علی ہذا القیاس تفسیر فتح البیان صفحہ ۱۶ جلد ۱۰ میں تحت آیہ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ الآية کے مرقوم ہے وَهُمُ الْيَوْمَ اَرْبَعَةٌ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اَيَّدَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِاَرْبَعَةٍ اُخَرَ كَمَا قَالَ تَعَالٰى وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ وَهُمْ اَشْرَافُ الْمَلٰئِكَةِ وَاَفْضَلُهُمْ لِقُرْبِهِمْ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ الخ یعنی آجکل حاملین عرش چار ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ رب العالمین ان چاروں کے ساتھ چار فرشتے اور ملا دے گا جیسا کہ فرمایا اللہ عزوجل نے کہ اٹھائیں گے تیرے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے۔ پس یہ ملائکہ ثمانیہ بوجہ قرب الٰہی کے تمام فرشتوں میں افضل واشرف ہیں۔ نیز تفسیر معالم التنزیل للبغوی وتفسیر خازن جلد ۷ صفحہ ۱۲۰ میں مسطور ہے وَجَاءَ فِى الْحَدِيْثِ اَنَّهُمُ الْيَوْمَ اَرْبَعَةٌ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اَيَّدَهُمُ اللّٰهُ بِاَرْبَعَةٍ اُخَرِيْنَ فَكَانُوْا ثَمٰنِيَةً عَلٰى صُوْرَةِ الْاَوْعَالِ بَيْنَ اَظْلَافِهِمْ اِلٰى رُكَبِهِمْ كَمَا بَيْنَ سَمَاءٍ اِلٰى سَمَاءٍ یعنی حملۂ عرش اس وقت چار فرشتے ہیں، قیامت کے دن آٹھ ہوجائیں گے۔ ان کی شکل وصورت ہرن یا پہاڑی بکری کی ہے اُن کے کھروں اور گھٹنوں کے مابین اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک۔

یہی مضمون تفسیر نیشا پوری جلد ۳ میں بھی ہے۔ نیز تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ صفحہ ۳۸ میں علامہ ابن اسحاق سے مروی ہے قَالَ بَلَغَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُمُ الْيَوْمَ اَرْبَعَةٌ يَعْنِىْ حَمَلَةَ الْعَرْشِ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اَيَّدَهُمُ اللّٰهُ بِاَرْبَعَةٍ اُخَرِيْنَ فَكَانُوْا ثَمٰنِيَةً وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ۔ یعنی فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ عرش کے اٹھانے والے آجکل چار فرشتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ عزوجل

لہ الوعل والوعل والوعل تیس الجبل لہ قرنان قویان منحنیان کشقین احد بین جمعہ اوعال ووعول ووعلۃ ۱۲ کذا فی المنجد۔ لہ یعنی مسافت ۵۰۰ برس کی کذا فی للعالم وفتح البیان ۱۲ منہ

ان کے ساتھ چار فرشتے اور ملا دے گا سب مل کر آٹھ ہوجائیں گے۔ یہی مقصد ہے فرمان الٰہی کا تیرے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھائیں گے:

مذکورہ بالا روایات سے یہ امر مشرح ومبین ہوگیا کہ حملۂ عرش کی تعیین وتعداد میں کچھ تباین وتخالف نہیں۔ جس روایت میں مجملاً آٹھ کا ذکر ہے اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور جہاں صرف چار کا ذکر ہے اس سے مراد قبل از قیامت ہے۔

یہ تو تھا سوال کا جواب۔ اب مندرجہ ذیل سطور میں حملۂ عرش کی جسمانی حالت اور انکے قد وقامت کا ذکر بھی غیر مناسب نہیں تاکہ قارئین کرام خداوند قدوس کے جلال وعظمت کا حال معلوم کرکے اس کی خشیت وہیبت کو دل میں کما حقہ جگہ دیں سنئے!

حاملین عرش کی جسمانی حالت | تفسیر فتح البیان جلد عاشر صفحہ ۱۶ ودر منثور جلد ۶ صفحہ ۲۶۱ میں ترجمان القرآن ابن عباسؓ وضحاکؒ سے مروی ہے کہ ثَمٰنِيَةُ اَمْلَاكٍ عَلٰى صُوْرَةِ الْاَوْعَالِ رُءُوْسُهُمْ عِنْدَ الْعَرْشِ فِى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ وَاَقْدَامُهُمْ فِى الْاَرْضِ السُّفْلٰى وَلَهُمْ قُرُوْنٌ كَقُرُوْنِ الْوَعْلَةِ مَا بَيْنَ اَصْلِ قَرْنِ اَحَدِهِمْ اِلٰى مُنْتَهَاهُ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ وَالْيَوْمَ تَحْمِلُهٗ اَرْبَعَةٌ۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ وَمَا بَيْنَ كُلِّ سَمَاءٍ وَاَرْضٍ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ وَفَضَاءُ كُلِّ سَمَاءٍ وَاَرْضٍ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ وَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ وَالْكُرْسِىِّ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ وَمَا بَيْنَ الْكُرْسِىِّ وَالْمَاءِ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ وَالْعَرْشُ عَلَى الْمَاءِ وَاللّٰهُ عَلَى الْعَرْشِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَىْءٌ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ اَخْرَجَهٗ اَبُوْ سَعِيْدِ الدَّارِمِىُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهُمَا مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَفِى الْبَابِ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ صَحِيْحَةٌ یعنی حاملین عرش (قیامت کے دن) ایسے آٹھ فرشتے ہونگے جن کے سر ساتویں آسمان پر عرش کے نزدیک ہیں اور قدم ان کے سب سے نیچے کی زمین پر ہیں۔ ان کے سینگ ایسے لمبے ہیں کہ ایک سینگ کی لمبان پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ اور آجکل حملۂ عرش چار ہیں۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آسمان وزمین کی درمیانی مسافت پانچ سو برس کی ہے۔ اسی طرح ہر آسمان اور ہر زمین کے درمیان پانچ سو سال کی دوری ہے اور ہر آسمان وزمین کی فضار اور ساتویں آسمان اور کرسی کی درمیانی مسافت اور کرسی اور دریا کا بُعد پانچ برس کا ہے اور خداوند تعالیٰ کا عرش دریا سے اوپر ہے اور خدائے عزوجل بذاتہ بنفسہ عرش معلّی پر مستوی ہے بنی آدم کے کل اعمال سے بخوبی واقف ہے اس پر کوئی شے مخفی نہیں۔ اس حدیث کو ابو سعید دارمی اور ابن خزیمہ وغیرہ محدثین نے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس مسئلہ میں بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

نیز تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ صفحہ ۳۸ میں تحت آیت وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ

لہ حدیث ہذا میں مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیر علماء کا رد ہے جنہوں نے مسئلہ ہذا اور دیگر مسائل شرعیہ میں معتزلہ وجہمیہ وغیرہ کی روش اختیار کی ہے خدا ئے تعالیٰ ہدایت لی الصواب ورجوع الی الحق کی توفیق دے آمین۔

تفسیر جامع البیان میں ابن زید سے مروی ہے قال ثمانیۃ املاک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحملہ الیوم اربعۃ ویوم القیامۃ ثمانیۃ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقدامہم لفی الارض السابعۃ وان مناکبہم لخارجۃ من السموات علیہا العرش قال ابن زید الاربعۃ قال بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لما خلقہم اللہ قال تدرون لم خلقتکم قالوا خلقتنا ربنا لما تشاء قال لہم تحملون عرشی ثم قال سلونی من القوۃ ما شئتم اجعلہا فیکم فقال واحد منہم قد کان عرش ربنا علی الماء فاجعل فی قوۃ الماء قال قد جعلت فیک قوۃ الماء وقال آخر اجعل فی قوۃ السموات قال قد جعلت فیک قوۃ السموات وقال آخر اجعل فی قوۃ الارض قال قد جعلت فیک قوۃ الارض والجبال وقال آخر اجعل فی قوۃ الریاح قال قد جعلت فیک قوۃ الریاح ثم قال احملوا فوضعوا العرش علی کواہلہم فلم یزولوا قال فجاء علم آخر وانما کان علمہم الذی سألوہ القوۃ فقال لہم قولوا لا حول ولا قوۃ الا باللہ فقالوا لا حول ولا قوۃ الا باللہ فجعل اللہ فیہم من الحول والقوۃ ما لم یبلغہ علمہم فحملوا یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اٹھانے والے عرش کے آجکل چار فرشتے ہیں اور قیامت کے دن آٹھ ہوں گے اور فرمایا کہ ان کے پیر ساتویں زمین میں ہیں اور ان کے کندھے ساتوں آسمان سے باہر نکلے ہوئے ہیں ان پر عرش ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تو فرمایا کہ تم جانتے ہو میں نے تم کو کیوں پیدا کیا ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ یارب جو خدمت تو ہم سے لینی چاہتا ہے اسی کے لئے پیدا کیا ہے فرمایا کہ میں نے اپنا عرش اٹھانے کے لئے تم کو بنایا ہے۔ اب جتنی چاہو مجھ سے طاقت مانگ لو میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ پس ان چاروں میں سے ایک نے تو کہا کہ ہمارے رب کا عرش قبل ازیں پانی پر تھا۔ پس یا اللہ مجھ کو پانی جتنی طاقت دیدے۔ فرمایا جا میں نے تجھ کو پانی کی طاقت دیدی۔ دوسرے نے کہا کہ یا اللہ مجھ کو آسمانوں جتنی قوت دیدے۔ فرمایا جا میں نے تجھ کو آسمانوں کی قوت عطا کی۔ تیسرے نے کہا یا اللہ مجھ کو زمین کی قوت عطا فرما۔ فرمایا میں نے تجھ کو زمین اور پہاڑوں جتنی طاقت دی۔ چوتھے نے کہا یا اللہ میرے اندر ہوا کی طاقت بھر دے۔ فرمایا میں نے تجھ کو ہوا کی طاقت دی۔ پھر فرمایا کہ اٹھاؤ۔ پس حکم ہوتے ہی انہوں نے عرش عظیم کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ یعنی جتنی طاقت کا انکو علم تھا

لہ ابن جریر میں بلفظ ابن زید ہے۔ یہ تفسیر جامع البیان ابن جریر کے حوالہ سے جو ابو زیدؒ لکھا ہے [illegible] کی غلطیاں معلوم ہوتی ہے ۱۲ منہ

ہر ایک نے اپنے اپنے مبلغ علم کے مطابق انتہا درجہ کی قوت کا سوال کیا اور اپنے اندر ہی کوئی کسر باقی نہ چھوڑی مگر اس علام الغیوب کے علم میں ایک اور طاقت کا وجود تھا جسکے پڑھنے سے خداوند تعالیٰ نے ان کے اندر اتنی طاقت پیدا کردی کہ جو ان کے علم سے باہر تھی۔ فرمایا پڑھو لا حول ولا قوۃ الا باللہ فقط

مفتی، ابو محمد عبدالستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار (آمین)

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شوال ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۳ء جلد ۲ نمبر ۱۰

سوال (۲۳۳) رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے اور بلا فاتحہ پڑھے کوئی نماز ہی نہیں ہوتی۔ کیا جواب ہے؟ (سائل مولانا خضر الدین صاحب ضلع رنگپور)

جواب (۲۳۳) مسئلہ علی الحتم تو یہی ہے بلا قرات فاتحہ نماز نہیں ہوتی مگر تعمیم کے بعد تخصیص بھی ہوا کرتی ہے لہذا رکوع کی رکعت بوجہ دیگر ادلہ شرعیہ واحادیث صحیحہ اس سے مخصص ہے چنانچہ عون المعبود شرح ابی داؤد وغیرہ میں اس کی مفصل وصحیح بحث موجود ہے نیز علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی [illegible] حسین کے ص ۱۴۶ پر رقم طراز ہیں۔ ویترتب علیہ ان من ادرک مع الامام رکعۃ قبل ان یقیم صلبہ فقد ادرکہا ان ہذا الذی ادخل مع الامام الذی لم یتمکن من قراءۃ الفاتحۃ فقد ادرک الرکعۃ بمجرد ادراکہ لہ راکعا فعلمت بہذا ان مثل ہذہ الحالۃ مخصصۃ من عموم ایجاب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ [illegible] المؤتم اذا وصل والامام راکع وکبر [illegible] قبل ان یقیم الامام صلبہ فقد [illegible] تلک الرکعۃ وان لم یقرأ حرفا من حروف الفاتحۃ یعنی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جو شخص امام کے سیدھے ہونے سے پہلے پہلے رکوع میں مل گیا اس کی رکعت ہو گئی۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوا کہ امام کے ساتھ رکوع میں داخل ہونے والا جس نے قرات فاتحہ [illegible] نہیں پائی رکوع میں مل گیا ہے اس کی رکعت ہو گئی اور یہ حالت قرات فاتحہ کی وجوب تعمیم سے مخصص ٹھہری۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہر بلکہ اس کا نص یہ ہے کہ مقتدی جب ایسی حالت میں ہے کہ امام رکوع میں ہو اس امام کے سیدھا ہونے سے پہلے اللہ اکبر کہکر رکوع میں جھک جائے تو یقینا اس کی رکعت ہو جائے گی اگرچہ اس نے سورہ فاتحہ کا ایک حرف بھی اس رکعت میں نہ پڑھا ہو انتہی۔ کیونکہ [illegible] حالت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان [illegible] ہے نہ کہ حالت رکوع میں۔ پس جو شخص حالت قیام میں آکر ملے اور سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز بموجب حدیث لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب وغیرہ احادیث صحیحہ کے نہ ہوگی۔ جو شخص رکوع میں آکر ملا تو اب یہ حالت بدل گئی اس حالت میں اس پر قرأت فاتحہ

واجب نہیں بلکہ حدیث اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ اور فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ کی رو سے رکوع میں جھکنا واجب ہے فَلَوْ تَوَقَّفَ الْمُؤْتَمُّ عَنِ الرُّکُوْعِ بَعْدَ رُکُوْعِ الْاِمَامِ وَاَخَذَ یَقْرَأُ فَاتِحَۃَ الْکِتٰبِ لَکَانَ مُخَالِفًا لِھٰذَا الْاَمْرِ ایسی حالت میں اگر مقتدی کھڑا رہا اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھر رکوع میں گیا تو اس نے حدیث مذکورہ بالا کی مخالفت کر کے ایک جرم کا ارتکاب کیا۔ پس یہ حکم کہ رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے اور بلا فاتحہ پڑھے کوئی نماز نہیں ہوتی دو حالتوں پر مبنی ہے یعنی جو شخص حالت قیام میں بلا بیشک اس کی نماز بلا فاتحہ ہرگز نہ ہوگی اور جو حالت رکوع میں ملے اس کی رکعت ہو جائے گی (کَمَا ھُوَ مُبَیَّنٌ فِیْ مَوْضِعِہٖ)

بعض لوگ حدیث فاتحہ اور حدیث رکعت رکوع میں بظاہر تعارض دیکھ کر ایک کا انکار یا دوسری ایک کا اقرار کرتے ہیں جو ہرگز درست نہیں بلکہ ہر دو احادیث اپنے اپنے محل پر قابل تعمیل و تسلیم ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ زید کہتا ہے ظہر عصر کی نماز بغیر چار رکعت پڑھے نہیں ہوتی اور پھر کہتا ہے کہ دو رکعت پڑھنے سے بھی ہو جاتی ہے تو زید کا یہ کہنا دو حالتوں اور دو شخصوں پر محمول و مبنی ہے یعنی مقیم کی نہیں ہوتی اور مسافر کی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بلا فاتحہ نماز نہیں ہوتی اور رکوع میں ملنے سے ہو جاتی ہے یعنی قیام میں ملنے والے کی نہیں ہوتی اور رکوع میں ملنے والے کی ہو جاتی ہے فَلَا تَعَارُضَ بَیْنَ الْاَدِلَّۃِ وَلَا تَنَاقُضَ فِیْھَا فَافْھَمْ وَتَدَبَّرْ۔ نیز علامہ شوکانی نے نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار جلد ۳ کے ص ۳۱ میں مدرک رکوع کا مدرک رکعت ہونا جمہور علماء سے ثابت کیا ہے حَیْثُ قَالَ الْمُرَادُ بِھَا ھٰھُنَا الرُّکُوْعُ وَکَذٰلِکَ قَوْلُہٗ فِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِّنَ الصَّلٰوۃِ فَیَکُوْنُ مُدْرِکُ الْاِمَامِ رَاکِعًا مُدْرِکًا لِتِلْکَ الرَّکْعَۃِ وَاِلٰی ذٰلِکَ ذَھَبَ الْجُمْھُوْرُ۔

نیز علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری فتح الباری کے پ ۲ ص ۲۵۶ میں باوجود مدعی فرضیت فاتحہ ہونے کے صاف الفاظ میں رقمطراز ہیں اِنَّ الْمَسْبُوْقَ یُدْرِکُ الرَّکْعَۃَ بِتَمَامِھَا بِاِدْرَاکِ الرُّکُوْعِ یعنی رکوع میں ملنے سے پوری رکعت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح علامہ امام نووی شارح صحیح مسلم بھی باوجود ادعاء فرضیت فاتحہ کے مدرک رکوع سے فرضیت فاتحہ کو ساقط بتاتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم مطبوعہ انصاری کے ص ۱۳۵ میں مرقوم ہے فَاِنَّھَا (اَیْ قِرَاءَۃُ الْفَاتِحَۃِ) تَسْقُطُ عَنِ الْمَسْبُوْقِ اِذَا اَدْرَکَ الْاِمَامَ رَاکِعًا

سوال (۲۳۴) کسی شخص کی ظہر یا مغرب کی نماز قضا ہو گئی اور ادا نماز عصر یا عشاء کی جماعت شروع ہو گئی۔ اب وہ شخص کیا کرے جماعت میں شامل ہو جائے یا اپنی فوتی نماز شروع کرے یا بیٹھا رہے (سائل مذکور)

جواب (۲۳۴) اس کو چاہئے کہ اپنی فوت شدہ نماز کے ارادہ سے جماعت میں شامل ہو جائے بعدہ وقتیہ نماز پڑھے کیونکہ عند الشرع امام و ماموم کی نیت کا اختلاف

مضر نہیں جیسا کہ حدیث معاذؓ سے ثابت ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری پ ۳)

سوال (۲۳۵) کسی شخص کی ایک یا دو یا تین وقت کی نمازیں فوت ہو گئیں۔ اب وہ ان نمازوں کو کس طرح ادا کرے آئندہ نماز کے ساتھ یا اپنے اپنے وقت کے ساتھ اور عصر و فجر اگر قضا ہو جائے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ (سائل فوق الذکر)

جواب (۲۳۵) جس شخص کی کئی نمازیں بوجہ عذر شرعی کے فوت ہو جائیں وہ ان کو بالترتیب ادا کرے چنانچہ جامع ترمذی و سنن نسائی میں بروایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ اِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ شَغَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَرْبَعِ صَلَوَاتٍ یَوْمَ الْخَنْدَقِ الْحَدِیْث۔ یعنی خندق والے دن مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نمازوں سے مشغول کر دیا تھا۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں قَالَ حُبِسْنَا یَوْمَ الْخَنْدَقِ عَنِ الصَّلٰوۃِ حَتّٰی کَانَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ بِھَوِیٍّ[1] مِّنَ اللَّیْلِ کُفِیْنَا وَذٰلِکَ قَوْلُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَاَقَامَ الظُّھْرَ فَصَلَّاھَا فَاَحْسَنَ صَلٰوتَھَا کَمَا کَانَ یُصَلِّیْھَا فِیْ وَقْتِھَا ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْعَصْرَ فَصَلَّاھَا فَاَحْسَنَ صَلٰوتَھَا کَمَا کَانَ یُصَلِّیْھَا فِیْ وَقْتِھَا ثُمَّ اَمَرَہٗ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ فَصَلَّاھَا کَذٰلِکَ الْحَدِیْث رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَاَخْرَجَ نَحْوَہٗ مَالِکٌ فِی الْمُوَطَّا یعنی خندق والے دن بوجہ مقابلہ کفار کے جاری کئی نمازیں رہ گئیں۔ مغرب کے بعد جب خاصی رات گذر گئی تو ہمیں اطمینان حاصل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا۔ انہوں نے ظہر کی نماز کی تکبیر کہی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باطمینان نماز ادا کی جس طرح ہمیشہ اس کو اس کے وقت پر پڑھا کرتے تھے۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم سے عصر کی تکبیر کہی۔ آپ نے عصر کی نماز بھی نہایت احسن طریق سے ادا کی۔ پھر آپ نے مغرب کی تکبیر کہلوائی اور اس کو بھی اسی طرح ادا کیا۔ تحت حدیث ہذا نیل الاوطار جلد اول ص ۳۳۰ میں رِجَالُ اِسْنَادِہٖ رِجَالُ الصَّحِیْحِ لکھنے کے بعد مرقوم ہے وَالْحَدِیْثُ اَیْضًا یَدُلُّ عَلَی التَّرْتِیْبِ بَیْنَ الْفَوَائِتِ الْمَقْضِیَّۃِ یعنی یہ حدیث دلیل ہے اس امر پر کہ فوت شدہ نمازوں کو ترتیب وار ادا کرنا چاہئے۔ نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں خندق والے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس شکایت لیکر آنا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے عصر کی نماز بعدہٗ مغرب کی نماز پڑھنا یعنی فوت شدہ نمازوں کو ترتیب وار ادا کرنا ثابت ہے۔ اسی حدیث پر امام شوکانی

[1] الھوی بفتح الہاء وکسر الواو وتشدید الیاء السقوط والمراد بعد دخول طائفۃ من اللیل ۱۲ نیل

لکھتے ہیں وَقَدِ اسْتُدِلَّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ عَلٰى وُجُوْبِ التَّرْتِيْبِ بَيْنَ الْفَوَائِتِ الْمَقْضِيَّةِ (نیل ج ۱ ص ۳۲۹) الغرض شخص مذکور کی جتنی نمازیں فوت ہو گئی ہیں ان میں سے پہلی نماز کو پہلے ادا کرے اور بعد کی نماز کو بعد میں پڑھے کذا فی نعت۔

ہاں جن لوگوں کی فوت شدہ نمازیں کچھ جہری اور کچھ سری ہوں جیسا کہ یوم خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کی تھیں اور وہ ان کو با جماعت ادا کرنا چاہیں تو جہری کو جہر سے اور سری کو آہستہ پڑھیں جیسا کہ حدیث مندرجہ بالا میں لفظ کَمَا كَانَ يُصَلِّيْهَا فِيْ وَقْتِهَا دال ہے۔ نیز مسند احمد وصحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فِيْ قِصَّةِ نَوْمِهِمْ عَنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ قَالَ ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى الْغَدَاةَ فَصَنَعَ كَمَا يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ۔ نیل الاوطار ص ۳۲۸ میں تحت حدیث ہذا مرقوم ہے فِيْهِ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ صِفَةَ قَضَاءِ الْفَائِتَةِ كَصِفَةِ أَدَائِهَا إِلٰى قَوْلِهِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ أَيْضًا أَنَّهُ يَجْهَرُ فِي الصُّبْحِ الْمَقْضِيَّةِ بَعْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلِهٰذَا قَالَ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَفِيْهِ ... عَلَى الْجَهْرِ فِيْ قَضَاءِ الْفَجْرِ نَهَارًا انتہی یعنی حدیث ہذا سے ثابت ہے کہ فوت شدہ نماز پڑھنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ ادا پڑھنے کا حکم ہے۔ فجر کی فوت شدہ نماز دن کو با جماعت پڑھنے کا اتفاق ہو تو اس میں جہر سے قرأت کرنے۔

سوال (۲۳۶) فرض نماز میں تکبیر کہنا واجب ہے یا سنت اور موذنوں کے لئے کیا حکم ہے ان کو تکبیر کہنی ضروری ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور الصدر)

جواب (۲۳۶) نماز کے لئے اذان واقامت یعنی تکبیر اشد مؤکد واجب ہے ان کی تاکید اکثر ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے إِلَّا مَا خَصَّ الشَّارِعُ مِنْ صَلٰوةِ الْعِيْدِ وَغَيْرِهَا۔ بغیر عذر شرعی کے اذان ترک کرنی چاہیے نہ تکبیر کیونکہ حدیث میں تارک اذان واقامت پر استحواذ شیطان کی وعید شدید ثابت ہے چنانچہ منتقی الاخبار مطبع فاروقی کے صفحہ ۱۳ میں ہے عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ لَا يُؤَذَّنُ وَلَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ إِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيْحُ الْإِسْنَادِ وَلٰكِنْ لَفْظُ أَبِيْ دَاوٗدَ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ إِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔ المحدیث یعنی ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کہیں تین آدمی بھی ہوں اور ان میں نماز کے لئے اذان اور تکبیر نہ کہی جاتی ہو تو غالب ہو جاتا ہے ان پر شیطان۔ یہ حدیث مسند احمد وابوداؤد ونسائی وابن حبان ومستدرک حاکم میں بسند صحیح موجود ہے اکثر علماء نے حدیث ہذا سے وجوب اذان واقامت پر استدلال کیا ہے چنانچہ نیل الاوطار چھاپہ مصری جلد اول کے

صفحہ ۲۲۲ میں تحت حدیث مندرجہ بالا مرقوم ہے اُسْتُدِلَّ بِهِ عَلٰى وُجُوْبِ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لِأَنَّ التَّرْكَ الَّذِيْ هُوَ نَوْعٌ مِنِ اسْتِحْوَاذِ الشَّيْطَانِ يَجِبُ تَجَنُّبُهُ وَإِلٰى ذٰلِكَ ذَهَبَ الْعِتْرَةُ وَعَطَاءٌ وَأَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَمَالِكٌ وَالْإِصْطَخْرِيُّ كَذَا فِي الْبَحْرِ وَمُجَاهِدٌ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَدَاوٗدُ كَذَا فِيْ شَرْحِ الْكِرْمَانِيِّ یعنی یہ حدیث دلیل ہے اس امر پر کہ نماز کے لئے اذان واقامت واجب ہے اور یہی مذہب ہے اکثر عترت اور عطاء اور امام احمد بن حنبل اور امام مالک اور اصطخری کا۔ اسی طرح لکھا ہے بحر میں اور کرمانی کی شرح میں ہے مجاہد اور امام اوزاعی اور داؤد کا بھی یہی مذہب تھا۔

اسی طرح بلوغ المبین جلد اول کے صفحہ ۱۶۰ میں مرقوم ہے نیز فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۳ صفحہ ۳۳ میں ہے قَالَ الْخَطَّابِيُّ فِيْهِ أَنَّ الْأَذَانَ شِعَارٌ لِّلْإِسْلَامِ لَا يَجُوْزُ تَرْكُهُ یعنی اذان اسلامی شعار ہے بلا عذر اس کا ترک جائز نہیں۔ عورتوں پر اذان اور تکبیر نہیں جیسا کہ سنن بیہقی میں بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بسند صحیح بایں الفاظ موجود ہے لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ وَلَا إِقَامَةٌ وَقَدْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ عَدِيٍّ عَنْ حَدِيْثِ أَسْمَاءَ مَرْفُوْعًا كَذَا فِي النَّيْلِ ج ۱ ص ۲۳۳ فقط

مفتی ابو محمد عبدالستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار آمین ورحم اللہ من قال آمین

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۵۶ھ مطابق مارچ ۱۹۳۷ء جلد نمبر ۹ نمبر ۱)

سوال (۲۳۷) ہندہ کی شادی قبل البلوغ ہوئی تھی۔ بعد البلوغ ہندہ اپنی شادی پر راضی نہیں اور زوج کے اصرار پر عیسائی ہو گئی بدیں وجہ حاکم وقت نے نکاح اسلامی فسخ کر دیا۔ کچھ ایام کے بعد ہندہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئی بعدہ اس کا زوج اپنے یہاں لانے اور بیوی بنانے کی کوشش میں ہے لیکن ہندہ اس پر راضی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ فی زمانہ جو حاکم فسخ نکاح کرتے ہیں وہ فسخ حقیقی ہے یا نہیں اور جو نکاح کہ قبل بلوغ اس کے ولی نے کیا تھا وہ نکاح بعد بلوغ ہندہ کی ناراضگی پر فسخ ہو گا یا نہیں؟

سائل مولانا شمس الدین احمد صاحب جھجھی پوری

جواب (۲۳۷) ہندہ کا مذہب اسلام کو ترک کر کے عیسائی ہو جانا بدترین جرم ہے اس سے اسلام یقیناً زوجہ اگر حاکم شرعی نکاح فسخ کر دے تو بھی ہو جاتا ہے اسلام ایک بڑا اچھا مذہب ہے جس میں تحفظ حقوق انسانی کے متعلق بڑے بڑے عمدہ قوانین موجود ہیں۔ ہندہ کو مسئلہ خیار بلوغ کی وجہ سے اپنا حالت نابالغی کا نکاح ناخواستہ فسخ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے جس پر حدیث مندرجہ ذیل دال ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَهْ یعنی عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک لڑکی نے حاضر ہو کر آنحضرت

دائر کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح کر دیا ہے اور میں اُس نکاح سے ناراض و ناخوش ہوں۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کو فسخ نکاح کا اختیار دیدیا۔ سبل السلام میں تحت حدیث ہذا مرقوم ہے کہ فَنِكَاحُهُ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتِ كَارِهَةً فَأَنْتِ بِالْخِيَارِ۔ نیز ایک اور واقعہ میں فَرَدَّ نِكَاحَ أَبِيهَا کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لڑکی کی درخواست پر باپ کا کیا ہوا نکاح رد کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ حاکم شرع کا کسی شرعی وجہ سے نکاح فسخ کر دینا حقیقی فسخ ہے وَالْبَسْطُ فِي الْمُطَوَّلَاتِ

سوال (۲۳۸) بچہ کے عقیقہ میں بھیڑ بکری ہی ذبح کرنی چاہیئے یا گائے بیل بھی جائز ہے جواب مدلل ہو اور دو بکروں کی جگہ ایک بکرا اور ایک بیل جائز ہے یا نہیں؟

سائل (مولانا) خضر الدین (صاحب) از کھولا ہاٹی رنگپور

جواب (۲۳۸) عقیقہ میں شرعاً بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے جائز و درست ہے۔ ہر شخص حسب توفیق و حسب حیثیت اس امر مسنون کو ادا کر سکتا ہے۔ دو بکروں کی بجائے ایک بکرا اور ایک گائے یا بیل کی ممانعت پر بھی کوئی دلیل نہیں بعض لوگوں کا بجز غنم کے دیگر حیوانات ماکول اللحم کو (صرف اسوجہ سے کہ اُن کے نزدیک بکری کے سوا کوئی دوسری چیز احادیث میں مذکور نہیں) ناکافی سمجھنا اور لَا يُجْزِئُ غَيْرُهَا کہہ دینا غلط ہے جیساکہ علامہ ابن المنذر و بوشنجی و بندنیجی وغیرہ بعض شوافع سے منقول ہے کیونکہ احادیث میں شاۃ اور غنم کا مذکور ہونا اجزائے غیر کے منافی نہیں چہ جائیکہ غیر شاۃ و غیر غنم بھی منصوص و مذکور ہو تو پھر لَا يُجْزِئُ غَيْرُهَا کہہ کر عدم اجزائے غیر کا دعویٰ کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے گو افضل وارجح بوجہ کثرت ذکر کے بھیڑ، بکری، دنبہ ہی ہے مگر گائے بیل وغیرہ کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ نیل الاوطار ص۳۷ جلد ۴ میں ہے وَأَمَّا الْأَفْضَلُ عِنْدَهُ فَالْكَبْشُ مِثْلُ الْأُضْحِيَةِ كَمَا تَقَدَّمَ وَالْجُمْهُورُ عَلَى إِجْزَاءِ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ مَا عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ وَأَبِي الشَّيْخِ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ مَرْفُوعًا بِلَفْظِ يُعَقُّ عَنْهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ یعنی جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ عقیقہ میں گائے، بکری، جائز ہے اور جمہور کا یہ مذہب بلا دلیل نہیں بلکہ طبرانی اور ابو الشیخ اصبہانی کی وہ روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے اس کی صریح دلیل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کی طرف سے عقیقہ کیا جائے۔ اونٹ سے اور گائے سے اور بکری سے کذا فی فتح الباری شرح صحیح بخاری پ۲۲ ص۳۸۔

نیز مولوی ابو القاسم محمد عبد الغنی اپنی کتاب تذکرۃ الحسنیٰ کے ص۱۸ میں تحریر کرتے ہیں کہ: عقیقہ میں گائے اور شتر بھی جائز ہے اور ساتواں حصہ گائے کا مثل ایک بکری کے ہے۔ اگر مثلاً تین بیٹے اور ایک بیٹی کا عقیقہ ساتھ کرنا چاہیں تو ایک شتر یا گائے کفایت کرتا ہے

کیونکہ تین بیٹے کے چھ جانور، اور بیٹی کا ایک تو اب سات ہوئے اور ایک شتر یا گائے حکم سات بکری کا رکھتا ہے انتہی۔

نیز مولوی محمود حسن صاحب حنفی دیوبندی کے شاگرد نے اپنے رسالہ "فتاویٰ محمدی" کے ص۵۰ میں لکھا ہے اگر ایک گائے میں چھ شخص قربانی کی نیت سے شریک ہوں اور ساتواں شخص اپنے بچہ کے عقیقہ کے لئے شریک ہو جائے تو جائز ہے۔

سوال (۲۳۹) عقیقہ میں ایک گائے یا بیل ایک ہی بچہ کی طرف سے ہو سکتی ہے یا زیادہ کی طرف سے بھی؟ سائل اللہ دیا صاحب دہلوی

جواب (۲۳۹) اس کا جواب مندرجہ بالا جواب میں ضمناً بیان ہو چکا ہے۔ نیل الاوطار ص۳۷ جلد ۴ میں مرقوم ہے وَذَكَرَ الرَّافِعِيُّ أَنَّهُ يَجُوزُ اشْتِرَاكُ سَبْعَةٍ فِي الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ كَمَا فِي الْأُضْحِيَةِ وَلَعَلَّ مَنْ جَوَّزَ اشْتِرَاكَ عَشَرَةٍ هُنَاكَ يُجَوِّزُ هُنَا یعنی سات اور دس حصوں کا اشتراک جیسا قربانی کے اونٹ اور گائے میں جائز ہے ایسا ہی عقیقہ میں جائز ہے نیز فتح الباری میں بایں الفاظ موجود ہے وَذَكَرَ الرَّافِعِيُّ بَحْثًا أَنَّهَا تَتَأَدَّى بِالسُّبُعِ كَمَا فِي الْأُضْحِيَةِ فقط (مفتی) ابو محمد عبد الستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار آمین ثم آمین۔

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق اپریل ۱۹۳۹ء جلد ۱۹ نمبر ۲)

سوال (۲۴۰) عقیقہ کی قربانی کے شرائط مثل شرائط اضحیہ کے ہیں یا نہیں؟

سائل مولانا خضر الدین صاحب رنگپوری

جواب (۲۴۰) عقیقہ کے جانور کے لئے وہ شرائط جو قربانی کے جانور کیلئے احادیث میں معین و مذکور ہیں میری نظر سے کسی حدیث میں نہیں گذرے۔ صرف مؤطا امام مالک کے ص۱۸۶ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا عندیہ درج ہے جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اچھی بات ہے۔ عقیقہ کا جانور بھی مثل جانور قربانی کے ہو وہ بھی بطور افضلیت کے نہ بطور شرط کے کیونکہ اگر عقیقہ و اضحیہ میں من کل الوجوہ مساوات شرط ہوتی تو ضرور احادیث میں مذکور ہوتی یا محدثین اپنی تبویب میں صراحۃً یا اشارۃً بیان کرتے۔ بالفرض اگر عقیقہ کو مشروط بشرائط اضحیہ بجانب خود قرار دیا بھی جائے تو آیت شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ کے مستحق ہونے کے علاوہ الدِّينُ يُسْرٌ اور مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ وغیرہ ادلہ شرعیہ و قوانین نبویہ کا خلاف لازم آتا ہے۔ گو بعض احناف نے لکھا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں سب شرطیں وہی ہیں جو قربانی کے جانور میں ہیں (ملاحظہ ہو فتاوی محمدی مع شرح دیوبندی مطبوعہ فضل المطابع دہلی) مگر یہ لکھنا بلا دلیل و بلا سند ہے اور اظہر من الشمس ہے کہ ہر دعویٰ بلا دلیل معطل دیکار ہوا کرتا ہے۔ احادیث میں جس قدر تتبع کیا گیا ہے شاۃ اور

ے حدیث کی رو سے شتر یعنی اونٹ دس بکری کا حکم رکھتا ہے دیکھیں مشکوٰۃ علی قاری الخ سو السنہ ۱۲ منہ

شاتین یا کبش اور کبشین ہی کا لفظ آتا ہے۔ اسی واسطے نیل الاوطار جلد ۴ میں مرقوم ہے وَقَدِ اسْتُدِلَّ بِاِطْلَاقِ الشَّاتَيْنِ عَلٰى عَدَمِ الْاِشْتِرَاطِ وَهُوَ الْحَقُّ لٰكِنْ لَا لِهٰذَا الْاِطْلَاقِ بَلْ لِعَدَمِ وُرُوْدِ مَا يَدُلُّ هٰهُنَا عَلٰى تِلْكَ الشُّرُوْطِ وَالْعُيُوْبِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْاُضْحِيَّةِ وَهِيَ اَحْكَامٌ شَرْعِيَّةٌ لَا تَثْبُتُ بِدُوْنِ دَلِيْلٍ وَقَالَ الْمَهْدِيُّ فِي الْبَحْرِ مَسْئَلَةٌ اَلْاِمَامُ يَحْيٰى وَيُجْزِئُ عَنْهَا مَا يُجْزِئُ عَنْ اُضْحِيَّةٍ بَدَنَةٍ اَوْ بَقَرَةٍ اَوْ شَاةٍ یعنی عقیقہ کیلئے احادیث میں اطلاق شاۃ کا عدم اشتراط پر دال ہے اور یہی بات حق ہے کیونکہ شرائط اور عیوب قربانی کو عقیقہ کے لئے لازم کرنے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی اور احکام شرعیہ بلا دلیل محض رائے قیاس سے ثابت نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح فتح الباری شرح صحیح بخاری پ ۲۲ میں مسطور ہے حَيْثُ قَالَ۔ وَاسْتُدِلَّ بِاِطْلَاقِ الشَّاةِ وَالشَّاتَيْنِ عَلٰى اَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ فِي الْعَقِيْقَةِ مَا يُشْتَرَطُ فِي الْاُضْحِيَّةِ وَفِيْهِ وَجْهَانِ لِلشَّافِعِيَّةِ وَاَصَحُّهُمَا يُشْتَرَطُ وَهُوَ بِالْقِيَاسِ لَا بِالْخَبَرِ یعنی عقیقہ کے جانور کے لئے وہ شرط نہیں ہے جو قربانی کے جانور کے لئے ہے کہ کان کٹا یا سینگ ٹوٹا وغیرہ نہ ہو۔ شافعی مذہب والے اپنے قیاس سے شرط لگاتے ہیں۔ کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ نیز سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد ثانی میں مرقوم ہے وَفِيْ اِطْلَاقِ لَفْظِ الشَّاةِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ فِيْهَا مَا يُشْتَرَطُ فِي الْاُضْحِيَّةِ وَمَنِ اشْتَرَطَهَا فَبِالْقِيَاسِ یعنی عقیقہ کے لئے وہ شرطیں نہیں ہیں جو قربانی کیلئے ہیں اور شرط لگانے والے کے پاس قیاس ہے قیاس سے کوئی شرعی دلیل نہیں۔ علاوہ ازیں فتاویٰ نذیریہ جلد ثانی کے صفحہ ۱۲۳ میں مسطور ہے جن جن عیوب سے جانور قربانی کا محفوظ یعنی پاک ہونا ضروری ہے جس کی تفصیل گذر چکی انہی سے جانور عقیقہ کا بھی پاک ہونا ضروری نہیں کیونکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ بعدہ وہی نیل الاوطار والی روایت استدلالاً پیش کی ہے جس پر مولانا محمد یٰسین صاحب رحیم آبادی۔ مولانا حمید اللہ صاحب میرٹھی مولانا محمد طاہر صاحب سلہٹی۔ مولانا محمد عبید اللہ صاحب مصنف تحفۃ الہند۔ مولانا حفیظ اللہ صاحب و مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری و والدی ماجدی مرشدی الی اللہ التواب مولانا ابو محمد عبدالوہاب غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَلَهُ الْاَجْرُ وَالثَّوَابُ فِيْ يَوْمِ الْحِسَابِ۔ محی السنۃ قامع الشرک والبدعۃ حضرت العلامہ مولانا نذیر حسین اَغْمَدَهُ اللّٰهُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ وغیرہ جید علماء کی مواہیر و دستخط ثبت ہیں۔

سوال (۲۴۱) محرم عورتیں یعنی ماں بہن دادی نانی، ساس وغیرہ سے سلام مصافحہ وغیرہ جائز ہے یا نہیں۔ (سائل موصوف)

جواب (۲۴۱) سلام کلام ممتنع نہیں مصافحہ و معانقہ کہیں صراحۃً ثابت نہیں مَنِ ادَّعٰى خِلَافَهٗ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ بِالْبُرْهَانِ۔

سوال (۲۴۲) چند مسبوقین متفرق جگہ میں متفرق حالت یعنی کسی کو ایک رکعت پڑھنی ہے اور کسی کو دو رکعت۔ اُن مسبوقین میں سے ایک شخص یا دو شخص خود ساختہ امام ایک ہی ساتھ تکبیر بلند کیا۔ باقی مسبوقین میں سے کسی نے کسی کی اقتدا کی اور کسی نے کسی کی اقتدا کی اور امام کو دو رکعت پڑھنی ہیں اور مقتدی کو ایک رکعت اس طرح متفرق جگہیں قسم بقسم کی تبدیل و تغیر کے ساتھ نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مولانا مذکور)

جواب (۲۴۲) نفس مسئلہ یعنی مسبوق کی امامت کتب حدیث میں ثابت و موجود ہے مگر ہیئت کذائیہ ثابت نہیں۔ امام ایک ہونا چاہئے اور جس شخص کی ایک رکعت باقی ہو اسکو دو رکعت والے کی اقتدا جائز نہیں کیونکہ ایسے شخص کی اقتدا کرنے والے کی نماز میں اختلاف لازم آئے گا یعنی بجائے دو کے تین اور تین کی چار اور چار کی پانچ رکعتیں ہو جائیں گی جو ہرگز درست نہیں۔

سوال (۲۴۳) صدقہ فطر دھان یا چاول سے دینا جائز درست ہے یا نہیں؟ (سائل فوق الذکر)

جواب (۲۴۳) فضیلت تو اسی میں ہے کہ اشیاء معینہ فی الحدیث سے دے ورنہ جیسے اشیاء مذکورہ فی الحدیث کی قیمت دے سکتا ہے ایسے ہی اگر کسی نے اس کے موازی کوئی غلہ مثل دھان چاول وغیرہ سے بنا بریں حدیث صَاعًا مِنْ طَعَامٍ اَوْ اَدِيْنُهُ اپنی سہولت اور آسانی کے لئے دیدیا تو کچھ شریعت نے منع بھی نہیں کیا۔

سوال (۲۴۴) اب یہ رواج ہو چلا ہے کہ ماہ ربیع الاول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں محفلیں ترتیب دیجاتی ہیں اور شیرینی وغیرہ اہل محفل کو تقسیم کیجاتی ہے اور اس کا نام عید میلاد النبی قرار دیا گیا ہے۔ شرعاً یہ فعل کیسا ہے؟ (سائل محمد عبدالکریم محمدی کند دکوری مدرس مدرسہ محمدیہ صوبہ مدراس)

جواب (۲۴۴) ربیع الاول وغیرہ میں محفل میلاد مروجہ کا انعقاد بعض وجوہات کی بنا پر صریح بدعت اور قیام تعظیمی وغیرہ کی وجہ سے شرک ہے۔ عید میلاد النبی کے جلسے کرنا، یوم النبی وغیرہ کے نام سے ایام ولادت کی تعظیم و تکریم کرنا ان میں خلاف شرع اقوال کا بجالانا احداث فی الدین ہے علاوہ غیر قوموں ——— کے ساتھ مشابہت کرنا ہے۔ حدیث میں ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً موجود ہے مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ یعنی دین میں نئے کام نکالنے والا مردود ہے بایں وجہ عید میلاد النبی وغیرہ کا وجود از منہ خیر القرون میں عمل میں نہیں آیا باوجودیکہ اصحاب قرون ثلاثہ غایت درجہ کے محب رسول و عاشق نبی و طالب خیر تھے۔ قَالَ ابْنُ الْحَاجِّ فِي الْمَدْخَلِ وَمِنْ جُمْلَةِ مَا اَحْدَثُوْهُ مِنَ الْبِدَعِ مَعَ اعْتِقَادِهِمْ اَنَّ ذٰلِكَ مِنْ اَكْبَرِ الْعِبَادَاتِ

وَاِظْہَارِ الشَّعَائِرِ مَا یَفْعَلُوْنَہٗ فِیْ شَہْرِ الرَّبِیْعِ الْاَوَّلِ مِنَ الْمَوْلِدِ وَقَدِ احْتَوٰی ذٰلِکَ عَلٰی بِدَعٍ وَمُحَرَّمَاتٍ اِنْتَہٰی یعنی علامہ ابن حاج اپنی کتاب مدخل میں رقمطراز ہیں کہ ان بدعتیوں نے بہت سی باتیں دین میں بغرض عبادت وشعار اسلام بجانب خود ایجاد کی ہوئی ہیں منجملہ انکے ربیع الاول کے مہینے میں محفل میلاد کا انعقاد بھی ہے جو بہت سی بدعتوں اور محرمات کو شامل ہے وَقَالَ تَاجُ الدِّیْنِ الْفَاکِہَانِیْ فِیْ رِسَالَتِہٖ لَا اَعْلَمُ لِہٰذَا الْمَوْلِدِ اَصْلًا فِیْ کِتَابٍ وَّ سُنَّۃٍ وَلَا یُنْقَلُ عَمَلُہٗ عَنْ اَحَدٍ مِّنْ عُلَمَآءِ الْاُمَّۃِ الَّذِیْنَ ہُمُ الْقُدْوَۃُ فِی الدِّیْنِ الْمُتَمَسِّکُوْنَ بِاٰثَارِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ بَلْ ہُوَ بِدْعَۃٌ اَحْدَثَہَا الْبَطَّالُوْنَ وَشَہْوَۃُ نَفْسٍ اعْتَنٰی بِہَا الْاَکَّالُوْنَ اِنْتَہٰی یعنی علامہ تاج الدین فاکہانی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں اس مولود مروجہ کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ امت کے علماء متدینین متقدمین سے اس کا عمل منقول ہوا ہے بلکہ یہ تو بدعت ہے جھوٹوں اور خواہشات نفسانی کے مقلدین نے صرف اپنے کھانے پینے کے لئے اسے نکالا ہے اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

(مفتی) ابو محمد کفیٰ دالصمد

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق مئی ۱۹۳۹ء جلد ۱۹ نمبر ۲)

سوال (۲۴۵) ایسے اجتماع میں جن میں کسی قسم کا مذہبی تعلق نہ ہو جیسے پہلوانوں کے دنگل کرکٹ میچ فٹ بال کے مقابلے، فوجوں کی قواعد اور نمائش جس میں کہ مختلف اقسام کی اشیاء جمع کرکے بتلائی جاتی ہیں مسلمانوں کو دیکھنے جائز ہیں یا نہیں۔

سائل مولوی عبدالکریم صاحب صوبہ مدراس

جواب (۲۴۵) عموماً ایسے اجتماع لہو ولعب، کھیل کود، تماشوں کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں جن میں ڈھول ڈھکے باجے گاجے وغیرہ بھی ضرور ہوتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں لہٰذا ان میں شرکت کرنا ٹھیک نہیں۔ ہاں بعض مقامات میں جو ممنوعات شرعیہ سے مبرا ہوں کسی دینی یا تجارتی غرض سے اس وقت جاسکتا ہے جب کہ اسکا جانا نماز روزے وغیرہ امور دینیہ میں غفلت کا باعث نہ ہو اور وہاں جا کر کسی گناہ کا مرتکب نہ ہونا پڑے واللہ اعلم۔

سوال (۲۴۶) سرمایہ نقد ہوتے ہوئے اور بغیر شادی میں رسومات مثلاً رتجگا، ڈومنی کو گانا یا ناچنے والی عورت کو اجرت دیکر ناچ گانا وغیرہ کرانا کہاں تک صحیح ہے۔ دیگر ایسی صورت کے ہوتے ہوئے اہلحدیث کو دعوت کھانا اور کسی رسوم میں شامل ہونا کیسا ہے اور کس طرح شریک ہو بذریعہ صحیفہ اہلحدیث ارشاد فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

(سائل حبیب اللہ جالندھری راجہ کوٹھی)

جواب (۲۴۶) سرمایہ نقد ہو یا نہ ہو جملہ رسومات عندالشرع سخت معیوب وممنوع ہیں

اور کہیں تک بھی صحیح نہیں۔ انہیں کی وجہ سے آج مسلمان تباہ اور برباد ہو رہے ہیں۔ شادی غمی کی رسومات قبیحہ وافعال شنیعہ میں اپنا سینکڑوں روپیہ برباد کرکے جہنم خریدتے ہیں العیاذ باللہ۔ خلاف شرع رسومات میں شریک ہونا بھی ممنوع ہے۔ اگر تبلیغ وغیرہ کی نیت سے جائے تو اور بات ہے۔

سوال (۲۴۷) لوگوں میں مشہور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وجود باوجود کے ساتھ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اگر روضہ کے قریب کوئی التجا یا درود پڑھا جائے تو حضور بنفس نفیس سنتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہے؟　　(سائل مذکور)

جواب (۲۴۷) اہل قبور سے عام اس کے کہ انبیاء ہوں یا اولیاء، بغرض جلب منفعت یا دفع مضرت التجا یا فریاد کا کرنا قطعاً حرام اور شرک ہے۔ ہر ایک کی فریاد اور التجا کا سننے والا وہی اکیلا وحدہ لاشریک لہ ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ایسی ہی ہے جیسی کہ حدیث میں آئی ہے چنانچہ ابن ماجہ میں ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ یہ معنی ہیں زندگی کے کہ انبیاء علیہم السلام کا جسم اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے ان کو مٹی نہیں کھاتی اور روح ہر ایک کی زندہ ہے فرق اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی روح اور جسم دونوں صحیح سالم رہتے ہیں اور اوروں کی صرف روح اور بموجب حدیث رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ انبیاء علیہم السلام کے جسم میں روح آتی جاتی ہے اور جس طرح کی زندگی اور حیات النبی مولودیے اور بدعتی لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں اور ہماری کل مرادیں پوری کرتے ہیں اور مجلس مولود میں آپ تشریف لاتے ہیں چنانچہ اسی خیال باطل کے مطابق وہ قیام تعظیمی بجالاتے ہیں جو قطعاً حرام اور شرک ہے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صریح بہتان اور جہنم میں جانے کا سامان ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے ہرگز ایسا ثابت نہیں ہاں صرف اتنا کہنا کہ اگر آپ کی قبر پر جاکر درود وسلام پڑھا جائے تو آپ سنتے ہیں بیشک ٹھیک ہے۔

سوال (۲۴۸) احناف میں سے بعض اہل علم میت کے چالیسویں پر قرآن شریف بہ نیت ایصال ثواب پڑھتے ہیں۔ کیا یہ کتاب وسنت اور تعامل صحابہ سے ثابت ہے؟　　(سائل فوق الذکر)

جواب (۲۴۸) کتاب وسنت وتعامل صحابہ سے یہ فعل بہیئت کذائیہ بالکل ثابت نہیں تیجہ، دسواں، چالیسواں کرنا کرانا بدعت ہے۔ حدیث شریف میں ہے اِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَّکُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَّکُلَّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ یعنی دین میں نئے کاموں سے بچو۔ پس تحقیق ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے

اور ہر گمراہی جہنم رسید کرنے والی ہے

سوال (۲۴۹) اگر کوئی مولوی خطبہ جمعہ یا کسی جلسے میں خلاف حدیث یا قرآن مسئلہ بیان کرے تو کیا سامعین میں سے کوئی اس وقت مقرر کو روک سکتا ہے یا اکیلے کو کہے۔

سائل ماسٹر محمد شریف صاحب کپور تھلوی

جواب (۲۴۹) بغرض اصلاح اسی وقت کہہ سکتا ہے شرعاً کوئی حرج نہیں۔

سوال (۲۵۰) لوگ جو قرآن تلاوت کرتے وقت قرآن مجید کو بوسہ دیتے ہیں درست ہے یا نہیں۔ نیز جلسوں میں جب قرآن پاک پڑھا جاتا ہے تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ درست ہے یا نہیں۔

(سائل مذکور)

جواب (۲۵۰) ہر دو فعل ثابت نہیں خلاف سنت و تعامل صحابہ ہیں۔

سوال (۲۵۱) تپ دق کی بیماری میں ڈاکٹر مریض کو شراب بطور دوا تھوڑی سی پلاتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں جب کہ شراب سے صحت کا یقین ہو استعمال کرنا جائز ہے۔

سائل فوق الصدر

جواب (۲۵۱) شراب دوا نہیں بلکہ در دو بیماری ہے اس کا قلیل و کثیر استعمال دونوں حرام ہیں۔ حدیث میں ہے مَا أَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ یعنی جس چیز کے زیادہ استعمال کرنے سے نشہ آوے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔ شراب کو بطور دوا کے استعمال کرنا غلط اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت ہے۔ حدیث مرفوع میں موجود ہے إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ أُمَّتِيْ فِيْمَا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں شفاء نہیں رکھی لہٰذا ایسی اشیاء کو قصداً بطور دوا کے استعمال کرنا اور ان میں صحت کا یقین رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

(مفتی ابو محمد کفاہ الصمد)

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الثانی ۵۸ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۹ء جلد ۱۹ جلد ۴

سوال (۲۵۲) آج کل عورتوں میں عام رواج ہو رہا ہے کہ اپنے سر کے بالوں میں لمبے ریشم کے کلاوے (پچھلے) گوندھتی ہیں کیا یہ جائز ہے

(ماسٹر محمد شریف صاحب کپورتھلوی)

جواب (۲۵۲) عورتوں کو بال منتشر و پراگندہ ہونے کے خوف سے چوٹی میں کوئی معمولی دھجی یعنی موباف باندھنا تو جائز ہے مگر یہ لمبے لمبے کلاوے یا چٹے باندھنا جائز نہیں (ابو داؤد)

مفتی ابو محمد کفاہ الصمد

سوال (۲۵۳) آج کل مشین کمپنیاں سلائی کی مشین یکصد پچیس ۱۲۵ روپے نقد لے کر فروخت کر رہی ہیں۔ ایک شخص وہی مشین ان سے ادھار طلب کرتا ہے اس کو وہ کمپنی یکصد اسّی روپے سے فروخت کرتی ہے کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ نیز ایک

شخص کو ہم ایک چیز نقد دام لیکر ایک روپے میں فروخت کرتے ہیں اور دوسرے شخص کو وہی چیز روپے والی اسی وقت بطور ادھار ڈیڑھ روپے میں بتلا کر فروخت کرتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے کوئی واقعہ صراحۃً ایسا ہونا چاہئے جس سے جواز یا غیر جواز ثابت ہو۔

سائل حکیم مولوی ابو الصمصام صاحب جھنگوی

جواب (۲۵۳) اگر بائع نقد کی صورت یا ادھار کی صورت کو متعین کر کے فروخت کرے تو یہ بیع شرعاً جائز و درست ہے یعنی بائع بیچنے کے وقت مشتری (خریدار) سے کہے کہ میں تیرے ہاتھ اس چیز کو نقد ایک روپے کی فروخت کرتا ہوں یا یوں کہے کہ اس چیز کو ادھار ڈیڑھ روپے یا دو روپے کی بیچتا ہوں اور مشتری دونوں صورتوں میں سے صورت اول یا ثانی کو منظور کرلے اور اسی پر بائع و مشتری کے مابین بات طے ہو جائے تو جائز و درست ہے بِعُمُوْمِ الْأَدِلَّةِ الْقَاضِيَةِ بِجَوَازِهٖ وَلِوُرُوْدِ النَّصِّ فِيْهِ مِنَ السَّلَفِ اور اگر نقد کی یا ادھار کی صورت بائع و مشتری کے درمیان خاص و متعین نہ ہو بلکہ مجمل و مبہم رہے تو اس طرح کی بیع ناجائز و ممنوع ہے چنانچہ جامع ترمذی ہے عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ أَنْ يَّقُوْلَ أَبِيْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ وَبِنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ وَلَا يُفَارِقُهٗ عَلٰى أَحَدِ الْبَيْعَيْنِ فَإِذَا فَارَقَهٗ عَلٰى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمَا وَعَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَفْقَتَيْنِ فِيْ صَفْقَةٍ قَالَ سِمَاكٌ هُوَ الرَّجُلُ يَبِيْعُ الْبَيْعَ فَيَقُوْلُ هُوَ بِنَسَاءٍ بِكَذَا وَهُوَ بِنَقْدٍ بِكَذَا وَكَذَا یعنی نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع کیا ہے۔ بعض اہل علم نے اس کی تفسیر ان الفاظ کی ہے کہ (مثلاً) بائع کہے کہ میں تجھ کو یہ کپڑا دس درہم میں نقد دیتا ہوں اور ادھار بیس درہم کا بیچتا ہوں اور خریدار نے دونوں صورتوں میں سے ایک صورت اختیار نہیں کی پس جب ایک صورت متعین ہو جائے اور اسی پر بائع و مشتری کے مابین مفارقت واقع ہو تو جائز و درست ہے۔

نیز يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ الآیۃ بھی بعمومہا اس کے جواز پر دال ہے۔ نیز حدیث ابو ہریرہ مذکورہ بالا کے متعلق علامہ امام شوکانی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار جلد ۵ ص۱۵۲ میں رقمطراز ہیں فَأَخْرَجَهٗ أَيْضًا الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ فِيْ بَلَاغَاتِهٖ وَحَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَوْرَدَهُ الْحَافِظُ فِي التَّلْخِيْصِ وَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ فِيْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ رِجَالُ أَحْمَدَ ثِقَاتٌ وَأَخْرَجَهٗ أَيْضًا الْبَزَّارُ وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ

ل أَخْرَجَهٗ أَيْضًا أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ كَذَا فِي النَّيْلِ ص۱۵۲ ج ۵ - ۱۲ منہ

وَالْاَوْسَطِ وَفِی الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عِنْدَ الدَّارِقُطْنِیِّ وَابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ۔ قَوْلُهٗ مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِیْ بَيْعَةٍ رَوَاهُ الْمُصَنِّفُ عَنْ اَحْمَدَ عَنْهُ وَقَدْ وَافَقَهٗ عَلٰی مِثْلِ ذٰلِكَ الشَّافِعِیُّ فَقَالَ بِاَنْ يَّقُوْلَ بِعْتُكَ بِاَلْفٍ نَقْدًا اَوْ اَلْفَيْنِ اِلٰی سَنَةٍ فَخُذْ اَيُّهُمَا شِئْتَ اَنْتَ وَشِئْتُ اَنَا وَنَقَلَ ابْنُ الرِّفْعَةِ عَنِ الْقَاضِیْ اَنَّ الْمَسْئَلَةَ مَفْرُوْضَةٌ عَلٰی اَنَّهٗ قَبِلَ عَلَی الْاِبْهَامِ اَمَّا لَوْ قَالَ قَبِلْتُ بِاَلْفٍ نَقْدًا اَوْ بِاَلْفَيْنِ بِالنَّسِيْئَةِ صَحَّ خلاصہ عبارت ہذا کا یہی ہے کہ بائع یعنی بیچنے والا یہ کہے کہ میں یہ چیز ایک ہزار کی نقد دیتا ہوں اور ایک سال کے ادھار پر دو ہزار کی دیتا ہوں اور مشتری یہ کہے کہ میں نے یہ چیز ایک ہزار کی نقد لی یا ادھار دو ہزار کی لے لی۔ الغرض دونوں صورتوں اور دونوں قیمتوں میں سے ایک صورت اور ایک قیمت متعین ہوگئی تو یہ بیع صحیح و جائز ہے۔ نیل جلد ۵ صـــ میں مرقوم ہے کہ شوافع و احناف اور زید بن علی اور مؤید باللہ اور جمہور علماء جواز کے قائل ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں وَالْعِلَّةُ فِیْ تَحْرِيْمِ بَيْعَتَيْنِ فِیْ بَيْعَةٍ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ فِیْ صُوْرَةِ بَيْعِ الشَّیْءِ الْوَاحِدِ بِثَمَنَيْنِ یعنی ایک چیز کو دو بھاؤ کے ساتھ فروخت کرنا اسی وقت حرام و ممنوع ہے جب کہ اس میں استقرار ثمن مفقود ہوا اور شئے واحد کی دو قیمتیں بتا کر اسکو مبہم چھوڑ دیا جائے جس سے بائع و مشتری کے مابین منازعت و مناقشت پیدا ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر استقرار ثمن کا فقدان نہیں بلکہ وجدان ہو یعنی کسی شے کی دو قیمتوں (نقد و اُدھار) میں سے ایک قیمت بائع و مشتری کے مابین متعین ہو جائے تو جائز ہے وَلَا حَرَجَ فِيْهِ۔ نیز تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی جلد ۲ صـ۲۳۶ میں مرقوم ہے بِاَنْ قَالَ الْبَائِعُ اَبِيْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ وَبِنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ فَقَالَ الْمُشْتَرِیْ اشْتَرَيْتُهٗ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ ثُمَّ نَقَدَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَقَدْ صَحَّ هٰذَا الْبَيْعُ وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ الْمُشْتَرِیْ اشْتَرَيْتُهٗ بِنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ وَفَارَقَ الْبَائِعَ عَلٰی هٰذَا صَحَّ الْبَيْعُ لِاَنَّهٗ لَمْ يُفَارِقْهُ عَلٰی اِبْهَامٍ وَعَدَمِ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ بَلْ فَارَقَهٗ عَلٰی وَاحِدٍ مُعَيَّنٍ مِّنْهُمَا وَهٰذَا التَّفْسِيْرُ قَدْ رَوَاهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ فِیْ رِوَايَتِهٖ عَنْ سِمَاكٍ الخ۔ مقصد عبارت ہذا کا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ثانی میں بھی مسئلہ ہذا کی توضیح کی گئی ہے۔ اگر مزید بحث مطلوب و منظور ہو تو علامہ امام شوکانی کا رسالہ شفاء الغلل فی حکم زیادۃ الثمن لمجرد الاجل ملاحظہ ہو۔ رسالہ ہذا کے متعلق علامہ موصوف کا خود اپنا قول ہے کہ وَقَدْ جَمَعْنَا رِسَالَةً فِیْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ وَحَقَّقْنَاهَا تَحْقِيْقًا لَمْ نُسْبَقْ اِلَيْهِ نیز سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد ثانی کے صـ میں مرقوم ہے کہ وَعِلَّةُ النَّهْیِ عَلَی الْاَوَّلِ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ یعنی بیع ہذا میں ممانعت کی وجہ قیمت کا طے نہ ہونا ہے۔ اسی طرح مسک الختام شرح بلوغ المرام جلد دوم کے صفحہ ، میں مسطور ہے کہ ایں بیع فاسد است زیرا کہ دروی ابہام و تعلیق است یعنی ایک بیع میں دو بھاؤ کرنا اس وقت ممنوع و فاسد ہے جب کہ اس میں ابہام و تعلیق ہو اور بائع و مشتری کے مابین ایک بھاؤ ایک قیمت مقرر نہ ہو۔ علت فساد وہی عدم استقرار

ثمن ہے۔ ہاں اگر دونوں قیمتوں میں سے ایک قیمت اُدھار یا نقد کی طے ہو جائے تو بیشک یہ بیع جائز و صحیح ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ و مذہب شافعیہ و حنفیہ و زید بن علی و جمہور جواز بیع بالکثرہ از نرخ آں روز است بنا بر ادلہ قاضیہ بجواز در سبل گفتہ و ہو الظاہر نیز شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب مسوّیٰ شرح مؤطا صـ۳۴۳ میں بایں الفاظ رقمطراز ہیں قُلْتُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ فَسَّرُوْا الْبَيْعَتَيْنِ فِیْ بَيْعَةٍ عَلٰی وَجْهَيْنِ اَحَدُهُمَا اَنْ يَّقُوْلَ بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِعَشَرَةٍ نَقْدًا اَوْ بِعِشْرِيْنَ نَسِيْئَةً اِلٰی سَنَةٍ فَهُوَ فَاسِدٌ عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ فَاِذَا بَاتَّهٗ عَلٰی اَحَدِ الْاَمْرَيْنِ فِی الْمَجْلِسِ فَهُوَ صَحِيْحٌ لَا خِلَافَ فِيْهِ خلاصہ مطلب عبارت ہذا کا یہ ہے کہ بائع و مشتری کے مابین مجلس بیع میں ایک بات طے ہو جانے سے بیع صحیح ہو جاتی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(مفتی) ابو محمد کفاہ الصمد (صحیفہ المحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ مطابق اپریل ۱۹۴۰ء)

سوال (۲۵۴) کیا شرعاً یہ نام درست ہیں نعمت علی، رحمت علی، برکت علی، امانت علی طفیل محمد، خورشید احمد، فرید بخش، میراں بخش، پیر بخش، عبد النبی، غلام رسول، جالندھر کی طرف مولوی غلام رسول بڑے بھاری عالم و ولی گذرے ہیں بمطابق خیال مردمان علاقہ۔

ماسٹر محمد شریف صاحب کپور تھلوی

جواب (۲۵۴) اسمائے مذکورہ شرعاً نادرست ہیں بعض میں تزکیہ نفس اور بعض میں شرک کی تلطیخ و تلویث ہے بعض صریح شرک ہیں اور بعض مشابہ شرک۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ یعنی تزکیہ نفوس سے بچو۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے بعض صحابہ کے نام محض تزکیہ نفس اور بعض کے شرک فی التسمیہ کی وجہ سے تبدیل کرا دیئے تھے كَمَا لَا يَخْفٰی عَلٰی مَاهِرِ الْكُتُبِ وَالسُّنَّةِ لَا سِيَّمَا عَلَی الَّذِيْنَ يُطَالِعُوْنَ كُتُبَ التَّوْحِيْدِ وَيُدَرِّسُوْنَهَا چنانچہ کتاب دین الخالص ج ۱ صـ۳۲۱ میں موجود ہے فَمَنْ سَمّٰی وَلَدَهٗ بِاسْمٍ فِيْهِ تَزْكِيَةُ النَّفْسِ اَوِ الْاِضَافَةُ اِلٰی غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَقَدْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ وَاَبْعَدَ عَنْ مَنَازِلِ التَّوْحِيْدِ وَقَدْ غَيَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْمَاءَ جَمَاعَةٍ مِّنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فِیْ اَقَلَّ وَاَدْوَنَ مِنْ هٰذَا كَمَا فِیْ حَدِيْثِ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَتْ سُمِّيْتُ بَرَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰی كَرَاهَةِ التَّسْمِيَةِ بِمِثْلِ مُحْيِی الدِّيْنِ وَقُطْبِ الدِّيْنِ وَفَخْرِ الدِّيْنِ وَعَظِيْمِ الدِّيْنِ وَنَحْوِهَا لِوُجُوْدِ التَّزْكِيَةِ فِیْ ذٰلِكَ یعنی جس کسی نے اپنی اولاد کا ایسا نام رکھا جس میں تزکیہ و تقدیس نفس ہو یا غیر اللہ کی طرف مضاف ہو جیسا کہ اسماء مذکورہ فی السوال حضرت علی کی طرف مضاف و منسوب ہیں یا جیسے لطف علی، کرم علی، فیض علی، فیض محمد، ظل عباس، غلام احمد، فیض احمد وغیرہ اسماء

اسموں کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

میں نفقیہ ہیں پس یقیناً اُس نے گناہ کیا اور توحید کی منزلوں سے دور جا پڑا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اس سے بھی معمولی وجوہات کی بنا پر صحابہ کی ایک جماعت مرد عورتوں کے نام تبدیل کرا دیئے تھے چنانچہ حدیث صحیح مسلم میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی دختر زینب رضی سے موجود ہے کہ میرا نام برہ تھا یعنی نیک بخت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے نفسوں کو پاک کہہ کر اپنے منہ سے میاں مٹھو مت بنو۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے نیک بخت کون ہے اس کا نام زینب رکھو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فخر الدین قطب الدین محی الدین عظیم الدین، شمس الدین، قمر الدین، نجم الدین، غیاث الدین، اللہ دین وغیرہ نام رکھنے بوجہ تزکیہ نفس کے مکروہ ہیں۔ نیز کتاب مذکورہ کے صفحہ ۳۲۲ میں بعد ذکر الاحادیث الکثیرہ مرقوم ہے وَفِي الْبَابِ اَحَادِيْثُ دَالَّةٌ عَلٰى اَنَّهُ يَنْبَغِيْ لِلْمُسْلِمِ اَنْ يُّسَمِّيَ اَوْلَادَهٗ بِالْاَسْمَاءِ الَّتِيْ هِيَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَرْشَدَ اِلَيْهَا رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَلَا يُسَمِّيْهِمْ بِمَا فِيْهِ التَّزْكِيَةُ اَوِ الْقَبَاحَةُ اَوِ الْاِشْكَالُ وَمَا فِيْهِ رَائِحَةُ الشِّرْكِ وَقَدْ غَلَا النَّاسُ فِي الْاَسَامِيْ اِلٰى اَنْ جَعَلُوْهَا شِرْكًا خَالِصًا فَسَمَّوُا الْاَوْلَادَ بِعَبْدِ الْحُسَيْنِ وَبِغُلَامِ فُلَانٍ وَمَعْنَى الْغُلَامِ فِيْ عُرْفِهِمُ الْعَبْدُ فَصَارُوْا بِذٰلِكَ مُشْرِكِيْنَ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ یعنی اکثر احادیث اس امر پر دال ہیں کہ مسلمان کو تو یہی لائق ہے اپنی اولاد کے نام ایسے رکھے جو اللہ عزوجل کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہوں (جیسے عبداللہ و عبدالرحمٰن) اور جن کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہدایت کی ہو اور ایسے نام قطعاً نہ رکھے جن میں نفس کی پاکی اور بڑائی یا کوئی قباحت و اشکال شرعی یا شرکیہ بو پائی جاتی ہو۔ بیشک عوام الناس نے ناموں کے رکھنے میں بہت کچھ غلو انتہا کیا ہوا ہے حتیٰ کہ خالص شرکیہ نام رکھنے لگے مثلاً عبدالحسین اور غلام فلاں اور غلام کے معنے ان کے عرف میں عبد کے ہیں۔ پس ایسے نام رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ مشرک ہو گئے اور خداوند تعالیٰ کی کچھ قدر نہ جانی۔

پس عبارت مذکورہ بالا سے صاف عیاں ہے کہ اسماء مذکورہ بالا فی السوال ماضیاً مثلاً عبدالرسول و عبدالنبی و غلام محمد غلام نبی، غلام محی الدین، غلام جیلانی یا لڑکیوں کے نام امۃ الرسول، امۃ الحبیب، غلام فاطمہ، کنیز فاطمہ وغیرہ رکھنے کھانے شرعاً جائز و نادرست ہیں اور کسی مولوی عالم صوفی وغیرہ کا ایسا نام رکھنا کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ نیز مولانا اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ اپنی کتاب نورعرفان "تقویۃ الایمان" میں شرک کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں کو اور اماموں کو اور شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی منتیں مانتے ہیں اور حاجت برآئی کے لئے انکی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے کے لئے اپنے بیٹوں کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنبی رکھتا ہے کوئی علی بخش کوئی حسین بخش کوئی

پیر بخش کوئی مدار بخش کوئی سالار بخش کوئی غلام محی الدین کوئی غلام معین الدین اور کوئی ان کے جینے کے لئے کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے کوئی کسی کے نام کی بدھی پہناتا ہے۔ کوئی کسی کے نام کے کپڑے پہناتا ہے (جیسے کہ ماہ محرم میں اکثر لوگ بچوں کو سبز رنگ کے کپڑے پہناتے ہیں) کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے۔ کوئی کسی کے نام کے جانور کرتا ہے۔ کوئی مشکل کے وقت کسی کی دہائی دیتا ہے۔ کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے غرض کہ جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اولیاء اور انبیاء سے اور اماموں اور شہیدوں سے اور فرشتوں اور پریوں سے کر گذرتے ہیں اور دعویٰ مسلمانی کا کئے جاتے ہیں سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعویٰ۔ سچ فرمایا اللہ صاحب نے سورہ یوسف میں وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ٥ انتہیٰ بلفظہ۔

شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اس قسم کے الفاظ سے مجتنب رہنے کی سخت تاکید کی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهٖ مَوْلَايَ فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ كذا فی المشکوٰۃ فی باب الاسامی یعنی کوئی شخص اپنے زرخرید غلام اور لونڈی کو بھی عَبْدِيْ اور اَمَتِيْ نہ کہے۔ تم سب اللہ ہی کے غلام ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ ہی کی لونڈیاں ہیں۔

تحت حدیث ہذا تقویۃ الایمان میں مرقوم ہے کہ "عبدالنبی اور بندہ علی اور بندہ حضور اور پرستار خاص اور امرد پرست اور اشتہا پرست اور پیر پرست اپنے تئیں کہلوانا اور کسی کو خداوند خدایگاں داتا کہہ بیٹھنا تو محض بیجا ہے اور نہایت بے ادبی اور ذرا سی بات میں کہنا کہ تم ہماری جان و مال کے مالک ہو۔ ہم تمہارے بس میں ہیں جو چاہو کرو محض جھوٹ ہے اور شرک کی بات۔" نیز کتاب التوحید الذی ہو حق اللہ علی العبید کے صفحہ ۲۹ مطبع فاروقی میں مرقوم ہے قَالَ ابْنُ حَزْمٍ اِتَّفَقُوْا عَلٰى تَحْرِيْمِ كُلِّ اسْمٍ مُعَبَّدٍ لِغَيْرِ اللّٰهِ كَعَبْدِ عُمَرَ وَعَبْدِ الْكَعْبَةِ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ یعنی علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں نے اتفاق کیا ہے ہر اس نام کے حرام ہونے پر جس میں عبدیت غیر اللہ کی پائی جاتی ہو جیسے عبد عمر اور عبدالکعبہ اور جو نام بھی مثل اس کے ہو۔

اسی اشراک فی التسمیہ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد باری ہے فَلَمَّا اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا کو چنگا بھلا بچہ دیا تو انہوں نے اس کا نام شرکیہ رکھ کر شرک فی التسمیہ کا ارتکاب کر لیا۔ فتح البیان ج ۳ صفحہ میں تحت آیت ہذا مرقوم ہے قَالَ كَثِيْرٌ مِّنَ الْمُفَسِّرِيْنَ اِنَّهٗ جَاءَ اِبْلِيْسُ اِلٰى حَوَّاءَ وَقَالَ لَهَا اِنْ وَلَدْتِ وَلَدًا فَسَمِّيْهِ بِاسْمِيْ فَقَالَتْ وَمَا اسْمُكَ قَالَ

الحارث ولو سمو لها نفسه لعرفته فسمته عبد الحارث فكان هذا شركا في التسمية ولم يكونوا شركا في العبادة ولكن قصدت بتسمية الولد بعبد الحارث ان الحارث سبب لنجاة الولد فسماه بها على ذلك من حيث انها نظرت الى السبب دون المسبب وقد روي هذا الطرق والفاظ عن جماعة من الصحابة ومن بعدهم ويدل له حديث سمرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لما ولدت حواء طاف بها ابليس وكان لا يعيش لها ولد فقال سميه عبد الحارث فانه يعيش فسمته عبد الحارث فعاش فكان ذلك من وحي الشيطن وامره اخرجه احمد والترمذي وحسنه وابو يعلى وابن جرير وابن ابي حاتم والروياني والطبراني وابو الشيخ والحاكم وصححه وابن مردويه یعنی بہت سے مفسرین سے منقول ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر اب کی دفعہ تیرا بچہ پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام کے ساتھ رکھیو۔ اماں حوا نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ جواب دیا کہ میرا نام حارث ہے۔ اگر اپنا نام ابلیس بتا دیتا تو پہچان جاتیں۔ پس حوا علیہا السلام نے دھوکہ میں آکر بوجہ محبت پسری کے اس خوف سے کہ کہیں بچہ نہ مر جائے اسکا نام عبدالحارث رکھ دیا اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے ڈانٹا کہ صرف سبب کی طرف نظر ڈالی اور مسبب کو نہ دیکھا جس سے شرک فی العبادت تو نہیں مگر شرک فی التسمیہ تو ضرور لازم آگیا۔ یہ الفاظ بطرق متعددہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے منقول و مروی ہیں اور حدیث مرفوع بھی بروایت سمرہؓ اس پر دال ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ حوا علیہا السلام کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے پیدا ہونے کے بعد مر جاتے تھے ایک دن شیطان نے آکر بہکایا کہ اب کے بچہ پیدا ہو تو اسکا نام عبدالحارث رکھ دینا تو وہ زندہ رہے گا۔ روایت کیا اس حدیث کو احمد اور ترمذی نے اور تحسین کی ہے اس کی امام ترمذی نے اور ابو یعلیٰ، ابن جریر، ابن ابی حاتم، رویانی، طبرانی اور ابو الشیخ وحاکم نے بھی روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے ابن مردویہ نے۔

پس قرآن مجید سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جس نام میں غیر اللہ کی طرف عبدیت وغلامیت کی اضافت ہو وہ نام بوجہ شرکیہ ہونے کے ممنوع ونامشروع ہے ایسے ناموں کو فوراً بدل دینا چاہیے جیسا کہ حدیث میں الفاظ موجود ہیں عن عائشة قالت ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يغير الاسم القبيح رواه الترمذي یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف شرع ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ نیز تفسیر فتح البیان جلد مذکور کے صـ۲۲۱ میں مرقوم ہے کہ وكان هذا شركا في التسمية یعنی حوا علیہا السلام کا اپنے بچہ کا نام عبدالحارث رکھنا اور غیر اللہ کی طرف مضاف ومنسوب کرنا شرک فی التسمیہ ہے۔

غور طلب امر یہاں یہ ہے کہ جب حوا علیہا السلام کا یہ نام رکھنا شرک ہوا تو ہم تم اپنی اولاد

کے ایسے نام رکھ کر کب شرک سے بچ سکتے ہیں۔ یاد رکھو شرک فی التسمیہ ہو یا شرک فی العبادت شرک فی العادت ہو یا شرک فی العلم شریعت کے نزدیک سب قسمیں شرک کی اقبح القبائح اور کلیۃً قابل احتراز واجتناب ہیں اعاذنا الله واخلانا من كل اقسام الشرك اصغرها واكبرها آمين يا اله العالمين ○

علامہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ تحت آیت مذکورہ اپنے ترجمہ فارسی میں رقمطراز ہیں "مترجم گوید ایں تصویرات حال آدمی را کہ نزدیک نقل حمل نیت اخلاص درست کند وچوں فرزند بوجود آید آنرا فراموش سازد ودر تسمیہ اشراک کند منطبق بر حال حوا چنانکہ در حدیث صحیح آمدہ کہ حوا حاملہ شد شیطان بدلش وسواس انداخت وچوں فرزند متولد شد نام او عبدالحارث مقرر کرد۔ الی قولہ وازیں جا دانستہ شد کہ شرک در تسمیہ نوعیست از شرک چنانکہ اہل زمان ما غلام فلاں وعبد فلاں نام می نہند" یعنی یہ انسان کی حالت ہے کہ جب اس کے ہاں بچہ ہونے کی امید ہوتی ہے اور حمل بوجھل ہوتا ہے تو انسان نہایت خلوص نیت کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پھر جب بفضل ایزدی بچہ صحیح سلامت پیدا ہو جاتا ہے تو انسان خلوص وغیرہ سب بھول جاتا ہے اور اپنی اولاد کا شرکیہ نام رکھ کر شرک فی التسمیہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے یہی حال حوا علیہا السلام کا ہوا چنانچہ صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ جب حوا علیہا السلام حاملہ ہوئیں تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسے ڈالے کہ جب بچہ ہو تو اسکا نام عبدالحارث رکھنے سے وہ زندہ رہے گا ورنہ مر جائے گا (حارث شیطان کا نام ہے۔ عبدالحارث کا معنی ہوا شیطان کا غلام) حوا علیہا السلام نے بچہ کی محبت میں آکر اس کے جینے کی امید پر یہی نام رکھ دیا اسپر اللہ تعالیٰ نے ڈانٹا اور ایسے ناموں کو شرک قرار دیا جن کی اضافت ونسبت غیر اللہ کی طرف ہو) اس واقعہ سے صراحۃً معلوم ہوا کہ شرک فی التسمیہ بھی اقسام شرک میں سے ایک شرک ہے چنانچہ ہمارے زمانہ والے بھی اپنے بچوں کے نام غلام فلاں اور عبد فلاں (مثلاً غلام رسول غلام محمد یا عبدالرسول وعبدالنبی) رکھتے ہیں۔

نیز شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بیٹے شاہ عبدالقادر صاحب اپنی تفسیر موضح القرآن پ ۹ سورۂ اعراف میں بصفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶ آیت فلما تغشاها حملت حملا خفيفا فمرت به فلما اثقلت دعوا الله ربهما لئن اتيتنا صالحا لنكونن من الشكرين ○ فلما اتهما صالحا جعلا له شركاء فيما اتهما فتعالى الله عما يشركون ○ کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں۔ پس جس وقت کو ڈھانکا اور خلوت کی آدم نے حوا سے۔ حمل پکڑا حوا نے حمل ہلکا یعنی نطفہ رحم میں آیا۔ پس آمد ورفت کرتی تھی حوا ساتھ حمل کے۔ پس جب وقت بھاری ہوئی حوا کہ لڑکا پیٹ کا بڑا ہوا۔ دعا مانگی دونوں نے پروردگار اپنے سے کہ البتہ اگر دے گا تو ہم کو بیٹا درست پیدائش ہماری صورت کا۔ البتہ ہو دیں گے ہم شکر کرنے والوں سے۔ پس جب وقت دیا اللہ

آدم اور حوا کو بیٹا درست بدن مقرر کیا دونوں نے واسطے اللہ کے شریکوں کو بیچ اس چیز کے کہ دی اُن دونوں کو کہ نام اس کا عبدالحارث رکھا۔ پس بلند اور پاک ہے اللہ جس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا شرک ہے۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو ہر قسم کے شرک سے پناہ دے۔ آمین۔

نیز علامہ شیخ محمد بن عبدالوہاب اعظم اللہ لہ الاجر والثواب اپنی تالیف کتاب التوحید میں بایں الفاظ باب منعقد کرکے کہ بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا الْاٰيَة حدیث مندرجہ ذیل آیت ہذا کی تفسیر میں لائے ہیں عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْاٰيَةِ قَالَ لَمَّا تَغَشَّاهَا اٰدَمُ حَمَلَتْ فَاَتَاهُمَا اِبْلِيْسُ فَقَالَ اِنِّيْ صَاحِبُكُمَا الَّذِيْ اَخْرَجْتُكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ لَتُطِيْعُنَّنِيْ اَوْ لَاَجْعَلَنَّ لَهٗ قَرْنَيْ اَيِّلٍ فَيَخْرُجُ مِنْ بَطْنِكِ فَيَشُقُّهٗ وَلَاَفْعَلَنَّ وَلَاَفْعَلَنَّ يُخَوِّفُهُمَا سَمِّيَاهُ عَبْدَ الْحَارِثِ فَاَبَيَا اَنْ يُّطِيْعَاهُ فَخَرَجَ مَيِّتًا ثُمَّ حَمَلَتْ فَاَتَاهُمَا فَذَكَرَ لَهُمَا فَاَدْرَكَهُمَا حُبُّ الْوَلَدِ فَسَمَّيَاهُ عَبْدَ الْحَارِثِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ وَلَهٗ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ شُرَكَآءَ فِيْ طَاعَتِهٖ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ عِبَادَتِهٖ وَلَهٗ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ فِيْ قَوْلِهٖ لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا قَالَ اَشْفَقَا اَنْ لَّا يَكُوْنَ اِنْسَانًا وَذَكَرَ مَعْنَاهُ عَنِ الْحَسَنِ وَسَعِيْدٍ وَغَيْرِهِمَا یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیت مذکورہ کی تفسیر یوں مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے حوا سے مقاربت کی اور وہ حاملہ ہوگئیں تو شیطان ان کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں تم دونوں کا وہ ساتھی ہوں جس نے تم کو جنت سے نکلوایا۔ یا تو تم میری بات مان لو ورنہ میں اس لڑکے کے جو تمہارے پیٹ میں ہے بارہ سنگھے کے ایسے دو سینگ پیدا کردوں گا کہ وہ نکلے گا اور تمہارا پیٹ پھاڑ ڈالے گا اور میں ایسا ضرور کروں گا اور ضرور کروں گا۔ اُن کو ڈرا ڈرا کر کہتا تھا کہ اس کا نام عبدالحارث رکھنا پس دونوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کردیا تو وہ لڑکا پیٹ سے مرا ہوا پیدا ہوا۔ اس کے بعد پھر وہ حاملہ ہوئیں اور وہ آکر پھر ویسا ہی کہنے لگا۔ انہوں نے اس کی بات ماننے سے پھر انکار کردیا تو دوبارہ پھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ پھر وہ جب تیسری بار حاملہ ہوئیں تو پھر شیطان نے آکر اسی طرح کہنا شروع کیا کہ اس کا نام عبدالحارث رکھو گے زندہ رہے گا ورنہ نہیں۔ پس دونوں نے لڑکے کی محبت کی وجہ سے ہاں کرلی اور اسکا نام عبدالحارث (یعنی شیطان کا بندہ) رکھدیا اسپر اللہ تعالیٰ نے ڈانٹا اور فرمایا دیکھو میری دی ہوئی چیز میں میری مخلوق کو میرا شریک ٹھہرایا۔ یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے اور اسی میں صحیح سند کے ساتھ قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خدا کی اطاعت میں شریک کیا عبادت میں نہیں (جیسا کہ آیت فَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ○ سے شرک فی الطاعت ثابت ہے) اور بسند صحیح

اسی کتاب میں خداوند تعالیٰ کے قول لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا کی تفسیر مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ دونوں ڈر گئے کہ کہیں یہ بچہ غیر انسان نہ ہو۔ اور یہی مطلب بیان کیا ہے حسن اور سعید وغیرہ نے۔

کتاب التوحید میں بعد ایراد حدیث ہذا مرقوم ہے فِيْهِ مَسَائِلُ الْاُوْلٰى تَحْرِيْمُ كُلِّ اسْمٍ مُعَبَّدٍ لِغَيْرِ اللّٰهِ الثَّانِيَةُ تَفْسِيْرُ الْاٰيَةِ یعنی حدیث ہذا سے کئی مسائل ثابت ہوئے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ نام جس میں غیر اللہ کی عبدیت پائی جاتی ہو حرام ہے۔ دوسرا آیت کی تفسیر وتشریح — نیز صحیح مسلم میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ قومہ میں بعد رکوع کے جو دعا پڑھنی مرفوعاً ثابت ہے اس کے جملہ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ یعنی ہم سب تیرے ہی لونڈی غلام ہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ عبدیت وغلامیت کی نسبت اُسی اکیلے وحدہ لاشریک لہ کی طرف ہونی چاہیے نہ غیر کی طرف چنانچہ والدی ماجدی شیخی وسیدی محی السنہ قامع الشرک والبدعہ حضرت العلامہ مولانا ابومحمد عبدالوہاب صاحب تاب اللہ علیہ التواب وتغمدہ اللہ برحمتہ وجلببہ بجلباب رضوانہ وبوأہ وسط جنانہ بعظیم اجرہ والثواب فی الیوم الحساب نے اپنی کتاب مستطاب مسمیٰ بہ "ہدایۃ النجد" معروف بہ نماز بامعنی میں تحت ترجمہ دعا مذکور کے اپنی قلم حقیقت رقم سے تحریر وتسطیر فرمایا ہے کہ اس دعا سے معلوم ہوا کہ لونڈی غلام کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف چاہیے جیسے عبداللہ غلام اللہ امۃ اللہ، نہ اور کسی کی طرف جیسے عبدالنبی، غلام جیلانی، امۃ الحبیب کیونکہ یہ شرک ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی تحت آیہ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ عبد فلاں وغلام فلاں کو شرک لکھا ہے انتہٰی بلفظہ

نیز تفسیر احسن التفاسیر مصنفہ علامۂ زمن مولانا احمد حسنؒ کی دوسری منزل پارہ ۹ ص ۳۲۵ میں تحت آیت هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا الْاٰيَة کے مرقوم ہے۔ ان آیتوں میں اللہ پاک نے کفار مکہ کو خطاب کرکے فرمایا ہے کہ اللہ نے تم لوگوں کو ایک جان آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ اس ذکر سے اصل میں اللہ پاک اپنی نعمتوں اور احسانوں کو جتلاتا ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کئے اور بندے اس کی شکرگزاری سے عاجز ہیں۔ فرمایا کہ آدم کو پیدا کرکے پھر ان کی پسلی سے انکی بیوی حوا کو پیدا کیا تاکہ آدم علیہ السلام اور حوا دونوں میں انسیت ہو کیونکہ آدمی کا آدمی کے ساتھ جی لگتا ہے۔ پھر اس میں بھی یہ بہت بڑی حکمت تھی کہ مرد کے واسطے عورت کو پیدا کیا کہ اس کی نسل کا قائم رکھنا منظور تھا اور جو انسیت مرد کو عورت کے ساتھ ہوتی ہے وہ ایک مرد کو مرد کے ساتھ ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یہاں تک تو جنت کا حال تھا۔ پھر جب جنت سے آدم اور حوا روئے زمین پر اتار دیئے گئے تو فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام حوا کے ساتھ ہمبستر ہوئے

تو حوا کو حمل رہ گیا اور جب تک حمل کا ابتدائی زمانہ رہا کوئی تکلیف حوا کو نہیں ہوئی نہ چلنے پھرنے میں نہ کھانے پینے میں نہ کام کاج میں۔ ہر ایک کام حسب ضرورت آسانی سے کر لیا کرتی تھیں مگر جوں جوں حمل کا زمانہ زیادہ ہوتا گیا اور حوا کو بوجھ معلوم ہوتا گیا تو ان دونوں نے یہ بات سمجھ لی کہ پیٹ میں نطفہ قائم ہو گیا ہے اور ایک روز ہماری جنس سے بچہ پیدا ہونے والا ہے اسی واسطے دعائیں کرنے لگے کہ یا اللہ اگر تو صالح لڑکا ہمیں دیگا تو ہم بہت شکر گذار ہونگے صالح کے معنی میں بعض مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ بیٹا مراد ہے۔ خدا سے انہوں نے دعا کی تھی کہ بیٹا دینا بیٹی نہیں۔ اور اکثر مفسروں نے معنے لئے ہیں کہ ہماری ہی جنس سے آدمی پیدا کرنا، کوئی جانور یا اور کوئی شے نہ ہو اور جو بچہ ہو وہ صحیح سالم۔ آنکھ، ناک، ہاتھ، پیر، کان سب اعضا اس کے درست ہوں۔ لنگڑا، ٹنڈا، بہرہ، کانا نہ ہو۔ غرض کہ جب اللہ پاک نے ان کی مرضی کے موافق صالح اولاد عنایت کی تو انہوں نے اس بچہ کے نام کے رکھنے میں شرک کی باتیں کیں کہ جب بچہ پیدا نہیں ہوا تھا تو ابلیس نے حوا کے پاس آکر کہا تھا کہ اگر بچہ پیدا ہو تو اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔ حوا نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ ابلیس نے اپنا اصلی اور مشہور نام نہ بتایا کہ پہچان جائیں گے اور اپنا دوسرا نام حارث بتلایا اور کہا کہ اس بچہ کا نام عبد الحارث رکھنا۔ انہوں نے بچہ پیدا ہونے پر یہی نام رکھا۔ اکثر مفسروں نے جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیْمَآ اٰتٰىہُمَا کی تفسیر یہی کی ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ ترمذی، امام احمد، ابی حاتم، طبرانی وغیرہ محدثین نے اس موقع پر سمرہ کی حدیث بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حوا علیہا السلام کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا۔ اس مرتبہ جو حمل رہا تو ابلیس نے آکر کہا کہ اگر اس بچہ کا نام عبد الحارث رکھو گی تو زندہ رہے گا۔

آیت ہذا میں کفار مکہ کی بھی تردید ہے جو اپنے بچوں کے نام خدا کے نام کے سوا اوروں کے نام پر رکھا کرتے تھے جیسے عبد الشمس اور عبد العزی وغیرہ۔ تو یہ نام رکھنا بھی شرک میں داخل ہے۔ شرک کچھ عبادت ہی میں منحصر نہیں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ پاک ان چیزوں سے بالکل علیحدہ ہے جن کو تم اس کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہو۔ سمرہ بن جندب کی حدیث جو اوپر گذری اس کی سند میں ایک راوی عمر بن ابراہیم مصری ہے جسکو بعض علماء نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن معین نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے اسی واسطے حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے چالیس برس حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکر پھر اپنے اس اقرار پر جو قائم نہ رہے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ حضرت آدم کا اقرار پر قائم نہ رہنا اس بات کا ایک نمونہ تھا کہ ان کی اولاد میں بھی یہ بات پائی جاویگی۔ اس حدیث سے ان مفسروں کے

قول کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عبادت میں تو نہیں مگر نام کے رکھنے میں یہ نام کے رکھنے کا شرک شیطان کے بہکانے سے حوا علیہا السلام سے ظہور میں آیا تاکہ بنی آدم میں جو شرک پھیلنے والا ہے اس کا نمونہ حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم ہو جائے انتہی قولہ صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبد اللہ اور عبد الرحمٰن یہ نام اللہ کو بہت پسند ہیں۔ صحیح مسلم اور ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی کا نام عاصیہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو بدل کر اس لڑکی کا نام جمیلہ رکھا۔ ان حدیثوں کو ان آیتوں کی تفسیر میں بڑا دخل ہے کیونکہ آیتوں اور حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب قرار پاتا ہے کہ جن ناموں میں اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا اقرار نکلے وہ نام اللہ کو بہت پسند ہیں اور جس طرح عبد الحارث (عبد النبی، غلام محمد، غلام نبی) جیسے ناموں سے پرہیز کرنا لازم ہے اسی طرح عاصیہ جیسے ناموں کا حال ہے کیونکہ عاصیہ کے معنی گنہگار کے ہیں اور گنہگار کا لفظ شریعت میں ایک مذمت کا لفظ ہے۔ جن ناموں میں دین کی بڑائی اور فوقیت پائی جائے جیسے کسی لڑکی کا نام نیک رکھنا یا جن ناموں میں دنیا کی بڑی فوقیت پائی جائے مثلاً جیسے کسی کا لقب شہنشاہ ٹھیرانا اس طرح کے ناموں کی بھی ممانعت ہے چنانچہ بخاری و مسلم اور ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایتیں ہیں ان میں اس طرح کے ناموں کی ممانعت کا ذکر ہے (انتہی ما فی احسن التفاسیر ملخصاً۔

(مفتی، ابو محمد عبد الستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار (آمین)

(صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ شعبان رمضان ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ مطابق اکتوبر نومبر ۱۹۳۹ء وجنوری ۱۹۴۰ء جلد ۱۹ نمبر ۸ و ۹ و ۱۲)

تمباکو کی کاشت اور تجارت جائز ہے یا نہیں

سوال (۲۵۵) تمباکو، سگریٹ کی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ نیز تمباکو کی کاشت کے متعلق کیا ہے؟
سائل حکیم مولوی ابو الصمصام صاحب جھنگوی

جواب (۲۵۵) اگر یہ چیزیں مسکر و کمنشی و مضر ہیں تو انکی بیع و کاشت قطعاً حرام و ناجائز ہے اگر منشی نہیں تو بھی کراہت سے تو خالی نہیں مسلمانوں کو ایسی اشیاء سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

سوال (۲۵۶) آج کل ٹھیکیدار زمین ٹھیکہ پر لیتے ہیں جو کہ فی مربعہ سال کے لئے دو صد یا چار صد روپے مقرر کئے جاتے ہیں۔ نیز معاملہ سرکاری اس کے علاوہ ادا کرتے ہیں ایسی صورت میں جو پیداوار گندم یا کپاس وغیرہ ہوتی ہے اس میں عشر کی کیا صورت ہے۔ آیا رقوم ٹھیکہ و معاملہ پہلے وضع کرنے جاویں بعدہ عشر نکالا جاوے یا پہلے عشر نکالا جاوے؟
(سائل مذکور)

جواب (۲۵۶) تنصیصات کتاب وسنت اور قاعدہ اَلنُّصُوْصُ تُحْمَلُ عَلٰى ظَوَاهِرِهَا سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عشر پہلے نکالا جائے بعدہ تمام خرچ اخراجات پورے کئے جائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ یعنی جیسے دیگر اموال نقدی روپے پیسے وغیرہ کی زکوٰۃ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ ایک سال گزر جانے پر فرض ہو جاتی ہے۔ اثناء سال میں جو خرچ ہو گیا کھا پی لیا اس میں کچھ نہیں اختتام سال پر جو موجود ہو اس کی زکوٰۃ دی جائے۔ ایسا زمین کا حساب نہیں بلکہ زمین کی پیداوار پر کھیت کٹتے ہی فی الفور زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے چنانچہ حکم ہے "اور دو تم حق اس کا دن کاٹنے اس کے" نیز دوسرے مقام پر ارشاد عالی ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ یعنی اے ایمان والو! خرچ کرو پاکیزہ اس چیز سے کہ کمایا تم نے اور اس چیز سے کہ نکالا ہم نے واسطے تمہارے زمین سے۔

وجہ استدلال آیت ہذا سے یہ ہے کہ زمین سے جتنا غلہ پیدا ہوا ہے سب ما اخرجنا کے اندر داخل ہے۔ جس شخص نے غلہ اٹھا لیا اور اس میں سے نصف یا ثلث یا اور کچھ کم و بیش خرچ کرنے کے بعد عشر نکالا تو اس نے آیت ہذا کے خلاف کیا۔ تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن جلد ۳ ص ۳۵۶ میں تحت آیت ہذا مرقوم ہے وَقَالَ عَلِيٌّ يَعْنِيْ مِنَ الْحَبِّ وَالثَّمَرِ وَشَيْءٍ عَلَيْهِ زَكٰوةٌ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مِّنَ الثِّمَارِ وَظَاهِرُ الْاٰيَةِ يَدُلُّ عَلٰى وُجُوْبِ الزَّكٰوةِ فِيْ كُلِّ مَا خَرَجَ مِنَ الْاَرْضِ یعنی زمین سے جتنی چیزیں پیدا ہوں حبوب ثمار سب پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ ما اخرجنا کے عموم میں داخل ہیں۔ ہاں جن اشیاء مثلاً ہمن (بھُس)، بقول، خضراوات، فواکہات، کھیرے، لکڑی، ساگ پات وغیرہ کو شریعت نے مخصوص و مستثنیٰ کر دیا ہے وہ آیت ہذا کے عموم سے خارج ہیں۔ ان کی جنس پر زکوٰۃ نہیں قیمت پر ہے۔ بعض لوگوں نے آیت ہذا سے نفلی صدقہ مراد لیا ہے لیکن ایک جماعت سلف سے صدقہ مفروضہ منقول ہے وَقَدْ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِّنَ السَّلَفِ اِلٰى اَنَّ الْاٰيَةَ فِي الصَّدَقَةِ الْمَفْرُوْضَةِ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ مفروضہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِي الزَّكٰوةِ الْمَفْرُوْضَةِ (فتح البیان ص ۲۵۶) نیز موطا امام مالک مطبوعہ مجتبائی کے ص ۱۱۱ میں مسطور ہے قَالَ مَالِكٌ وَالْحُبُوْبُ الَّتِيْ فِيْهَا الزَّكٰوةُ الْحِنْطَةُ[1] وَالشَّعِيْرُ[2] وَالسُّلْتُ[3]

[1] قولہ الحنطۃ بالقمح ۱۲ منہ۔ [2] بفتح الشین وتکسر ۱۲ (زرقانی) [3] والسلت بالضم ضرب من الشعیر لیس لہ قشر ویکون فی الغور والحجاز ذکرہ الجوہری ۱۲ محلی وقال ابن فارس ضرب منہ رقیق القشر صغار الحب وقال الازہری حب بین الحنطۃ والشعیر ولا قشر لہ کقشر الشعیر فہو کالحنطۃ فی ملاستہ وکالشعیر فی طبعہ وبرودتہ ۱۲ زرقانی شرح موطا جلد ثانی ص ۱۶۹

وَالذُّرَةُ[1] وَالدُّخْنُ[2] وَالْاُرْزُ[3] وَالْعَدَسُ[4] وَالْجُلْبَانُ[5] وَاللُّوْبِيَا[6] وَالْجُلْجُلَانُ[7] وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ مِنَ الْحُبُوْبِ الَّتِيْ تَصِيْرُ طَعَامًا فَالزَّكٰوةُ تُؤْخَذُ مِنْهَا بَعْدَ اَنْ تُحْصَدَ وَتَصِيْرَ حَبًّا قَالَ وَالنَّاسُ مُصَدَّقُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ وَيُقْبَلُ مِنْهُمْ فِيْ ذٰلِكَ مَا دَفَعُوْا قَالَ يَحْيٰى وَسُئِلَ مَالِكٌ مَتٰى يُخْرَجُ مِنَ الزَّيْتُوْنِ الْعُشْرُ اَقَبْلَ النَّفَقَةِ اَمْ بَعْدَهَا فَقَالَ لَا يُنْظَرُ اِلَى النَّفَقَةِ وَلٰكِنْ يُسْئَلُ عَنْهُ اَهْلُهٗ كَمَا يُسْئَلُ اَهْلُ الطَّعَامِ عَنِ الطَّعَامِ الخ یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام دار الہجرت فرماتے ہیں جن غلہ جات میں زکوٰۃ و عشر فرض ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں گیہوں، جو، پیغمبری جو (جو برہنہ) جوار، ارزن یعنی چینا و کنگنی، برنج یعنی چاول، مسور، ماش، نوبیہ، تل اور مانند ان کے باجرہ، مونگ، ارہر، چنا، مٹر وغیرہ جن پر طعام کا اطلاق آسکتا ہو ان سب کی زکوٰۃ بعد کاٹنے، گاہنے صاف کرنے اٹھانے کے لی جائے گی اور اس بارے میں زمیندار کا اعتبار کیا جائیگا جتنا وزن غلہ کا وہ اپنی دیانت و امانت و آخرت کو مد نظر رکھ کر بتائیں اسی وزن کے حساب سے مصدق، عامل، تحصیلدار کو چاہیے کہ زکوٰۃ لے۔ بیجا کرید و بحث نہ کرے یحییٰ فرماتے ہیں کہ امام مالک رح سے دریافت کیا گیا کہ زیتون (وغیرہ) کی زکوٰۃ خرچ اخراجات (معاملہ وغیرہ) ادا کرنے سے پہلے نکالی جائے یا بعد۔ پس جواباً فرمایا کہ نہ نظر کیجائے طرف نفقہ کے لیکن دریافت کیا جائے اس کے اہل سے جیسا کہ دریافت کیا جاتا ہے اہل طعام سے اور تصدیق کئے جائیں وہ یعنی جتنی پیداوار وہ اپنی ایمانداری سے بتائیں اسکی زکوٰۃ لے لی جائے۔

نیز امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب موطا شرح مسوی کے ص ۲۱۳ میں بایں الفاظ باب منعقد فرمایا ہے بَابُ تُؤْخَذُ الزَّكٰوةُ مِنَ الزَّرْعِ وَالنَّخِيْلِ عِنْدَ الْحَصَادِ الخ قَالَ مَالِكٌ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ اِنَّ ذٰلِكَ الزَّكٰوةُ یعنی آیت ہذا

[1] بذال معجمہ حب معروف ۱۲۔ [2] بمہملہ فعجمہ حب معروف واحدۃ دخنۃ ۱۲ [3] بوزن قفل وفی لغۃ بضم الراء للاتباع واخری بضم المہملۃ والراء وشد الزاء والرابعۃ فتح الہمزۃ مع التشدید والخامسۃ رز بلا ہمزۃ کذا قفل ۱۲ [4] بفتحتین ۱۲ [5] بالضم نوعے از حبوب چوں ماش ویقال لہ الخلر ۱۲ صراح۔ وفی القاموس الجلبان ویخفف وفیہ ایضا الخلر کسکر نبات او الفول او الماش۔ وفی الزرقانی بضم الجیم واسکان اللام وحکی فتحہا مشددۃ حب من القطانی ۱۲۔ [6] نبات معروف مذکر یمد ویقصر ۱۲۔ [7] کشنیز و یقال حب السمسم فی قشرہ ۱۲ صراح۔ وفی القاموس الجلجلان بالضم الکزبرۃ وحب السمسم۔ وفی شرح الموطا للزرقانی الجلجلان بجیمین مضمومتین بعد کل جیم لام السمسم فی قشرہ قبل ان یحصد۔ قال الباجی فذکر عشرۃ وزاد فی المختصر ابن عبد الحکم الترمس والفول والحمص والبسیلۃ وذکرہ جماعۃ من اصحابہ العاس وذلک داخل فی قولہ وما اشبہ ذلک من الحبوب ۱۲ منہ

میں حق سے مراد زکوٰۃ ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب مصفی شرح فارسی موطا میں تحت اب مندرجہ بالا رقمطراز ہیں مترجم گوید رضی اللہ عنہ وارضاہ واجب می شود ادار زکوٰۃ نزدیک حصاد یعنی درودن وجائز می شود ادار زکوٰۃ نزدیک بدوِ صلاح واشتداد حب زیرا کہ خرص دریں صورت مشروع شدہ است وبخرص بر ذمہ مالک مقرر می شود یعنی کھیتیوں کی کٹائی اٹھائی کے وقت زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے اسی واسطے پھلوں کی پختگی وظہور صلاحیت کے وقت ان کا اندازہ کرنا بغرض وصولی زکوٰۃ مشروع وجائز ہے اور اسی انداز کے مطابق مالک کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے مقصد یہ کہ اگر رقوم معاملہ وخرچہ وغیرہ کی ادائیگی کے بعد زکوٰۃ لینے کا حکم ہوتا تو شریعت ان چیزوں کے بعد خرص یعنی اندازہ کرنے کا حکم دیتی۔ واذلیس فلیس

ہاں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اتنی رعایت ثابت ہے کہ جو زمین چاہی نہری ہو یعنی اس کا آبیانا ادا کرنا پڑتا ہو۔ اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے اور جو زمین بارانی ہو یعنی اس پر پانی وغیرہ کا خرچ نہیں آتا اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے بنا بریں حدیث لہٰذا اگر کہا جائے تو غالبًا بعید از صواب نہ ہوگا کہ جس زمین کا معاملہ سرکاری بھرنا پڑتا ہو اس میں سے بوجہ کثرت نفقہ کے نصف عشر دیدیا جائے اگرچہ وہ بارانی ہی ہو کیونکہ زمین چاہی میں خرچ ہی کی وجہ سے نصف عشر مقرر کیا گیا ہے

سوال (۲۵۷) عَنْ عَمَّارٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ طُوْلَ صَلٰوۃِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِہٖ مَئِنَّۃٌ مِّنْ فِقْهِہٖ فَاَطِیْلُوا الصَّلٰوۃَ وَاَقْصِرُوا الْخُطْبَۃَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ واقعی خطبہ نماز سے چھوٹا ہونا چاہیے اگر خطبہ چھوٹا ہوگا تو وَیُذَکِّرُ النَّاسَ پر کیسے عمل ہوسکے گا۔ ہاں خالی عربی خطبہ بیان کرنے سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے ورنہ نہیں

(سائل مذکور الصدر)

جواب (۲۵۷) شرعًا خطبہ سامعین کی مادری زبان میں ہی ہونا چاہیے حدیث وَیُذَکِّرُ النَّاسَ کا یہی مقصد ومنشا ہے۔ حدیث مندرجہ فی السوال کا یہ مقصد نہیں کہ خطبہ جمعہ صلوٰۃ جمعہ قصیر ہو یا صلوٰۃ جمعہ خطبۂ جمعہ سے طویل ہو۔ یہ مقصد لینا خود تعامل نبوی وتعامل صحابہ کے خلاف ہے۔ اس سوال کا جواب مکمل مگر مختصر "صحیفہ اہلحدیث" بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ جلد ۳ نمبر ۴ میں شائع ہوچکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

سوال (۲۵۸) اذان عثمانی اب بھی دے سکتے ہیں یا نہیں۔ اذان عثمانی در مسجد کو بدعت کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

(سائل فوق الذکر)

جواب (۲۵۸) اذان عثمانی اپنی علت وہیئت کے ساتھ اب بھی درست ہے اور مسجد کے اندر خطیب کی آمد کے قبل اذان کہلوانا اذان عثمانی نہیں بلکہ اذان مروانی و

بدعی ہے۔ اگر مسئلہ ہذا کی مفصل ومدلل بحث دیکھنی منظور ہو تو دفتر صحیفہ اہلحدیث سے رسالہ اقامۃ الحجۃ علی ان النداء الثالث یوم الجمعۃ فی المسجد بدعۃ منگوا کر ملاحظہ کریں فقط

(مفتی) ابو محمد عبدالستار غفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ آمین)

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ مطابق اپریل ۱۹۴۰ء جلد ۲۰ نمبر ۳

سوال (۲۵۹) زید کی نرینہ اولاد بالکل نہیں سب لڑکیاں ہیں۔ زید نے عمرو کے لڑکے سے کہا کہ تم میرے ہاں رہ کر گذران کرو۔ میں تمہیں گھر داماد رکھ لوں گا اور اپنی بڑی لڑکی ہندہ سے نکاح کردوں گا۔ اس شرط پر عمرو کا لڑکا بکر راضی ہوکر زید کے ہاں کھاتا رہا چند ماہ کے بعد شادی کا بندوبست کرکے مجلس نکاح مسجد میں منعقد کی۔ جماعت کے لوگ حاضر ہوئے۔ شادی کی مجلس میں لوگوں کا جو لین دین کا دستور تھا وہ زید سے طلب کیا گیا۔ زید نے دینے سے انکار کردیا تب لوگوں نے جواب دیا کہ تم داماد کی کمائی کھاتے ہو اور دستوری روپیہ نہیں دے سکتے۔ اتنے میں سب لوگ چلے گئے۔ باقی مسجد کا امام اور دوسرے گاؤں کے ایک مولوی صاحب اور جماعت کے چودہ پندرہ آدمی اور دولہا کی طرف سے دس بارہ آدمی تھے ان کے سامنے نکاح پڑھا گیا۔ اس وقت ہندہ کی عمر نو دس سال کی تھی۔ شادی کے بعد بکر زید کے گھر میں تین سال رہا۔ بعدہ زید اور بکر کے مابین تنازع ہوگیا اور زید نے سخت غصہ ہوکر اپنے داماد بکر کو گھر سے نکالدیا اور یہ اعلان کردیا کہ میری لڑکی سے اس کا نکاح نہیں ہوا بالکل انکار کردیا۔ اب چند روز کے بعد زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا جبرًا دوسری جگہ نکاح کردیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح ثانی شریعت محمدیہ کی رو سے درست ہوا ہے یا نہیں؟

(سائل ابو البرکات مولوی مفیض الدین صاحب رنگپوری)

جواب (۲۵۹) عند الشرع نکاح اول صحیح اور نکاح ثانی باطل ہے۔ ہاں اگر ہندہ اپنے باپ کے کئے ہوئے نکاح سے ناراض تھی تو بعد بلوغ اسے فسخ نکاح کا حق حاصل تھا امیر قوم کے پاس درخواست کرکے بذریعہ فسخ یا خلع نکاح سے علیحدہ ہوکر نکاح ثانی کرسکتی تھی واذ لیس فلیس۔

سوال (۲۶۰) عشرۂ اولی ذی الحج میں بالوں میں کنگھی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل مولوی ابو الصمصام صاحب جھنگوی

جواب (۲۶۰) عشرۂ ذی الحج میں کنگھی وغسل وغیرہ کی ممانعت کسی حدیث میں میری نگاہ سے نہیں گذری۔ حدیث میں اتنا ہی آتا ہے کہ جب عشرۂ ذی الحجہ داخل ہو اور جس شخص کا ارادہ قربانی کا ہو تو فَلَا یَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَّلَا یَقْلِمَنَّ ظُفْرًا وہ بال نہ لے نہ ناخن ترشے یعنی

حجامت وغیرہ نہ کرائے۔ اگر بال منتشر و پراگندہ ہوں تو کنگھی وغیرہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں قصداً بال نہ توڑے نہ کٹوائے نہ منڈھوائے۔ شرح صحیح مسلم میں تحت حدیث ہذا امام نووی رقمطراز ہیں وَالْمُرَادُ بِالنَّهْيِ عَنْ اَخْذِ الظُّفْرِ بِقَلْمٍ اَوْ كَسْرٍ اَوْ غَيْرِهٖ وَالْمَنْعُ مِنْ اِزَالَةِ الشَّعْرِ بِحَلْقٍ اَوْ تَقْصِيْرٍ اَوْ نَتْفٍ اَوْ اِحْرَاقٍ اَوْ اَخْذِهٖ بِنُوْرَةٍ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ وَسَوَاءٌ شَعْرُ الْاِبِطِ وَالشَّارِبِ وَالْعَانَةِ وَالرَّاْسِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ شُعُوْرِ بَدَنِهٖ یعنی ممانعت سے مراد ناخن کا کترنا یا توڑنا اور بالوں کا منڈوانا یا کتروانا یا اکھیڑنا یا جلانا یا بال صفا صابن وغیرہ استعمال کرکے صفائی کرنا ہے اور یہ ممانعت بغل کے بالوں اور مونچھوں اور زیر ناف کے بالوں اور سر وغیرہ سب کو شامل ہے۔ مزید تصحیح عشرۂ ذی الحجہ میں امور مذکورہ کا خیال رکھے بذریعہ صورتہائے مسطورہ ازالہ شعر وظفر نہ کرے۔ معلوم ہوا کہ اگر غسل کرنے میں یا ترجیل راس وتسریح لحیہ میں بذریعہ کنگھی وغیرہ بلاقصد کوئی بال ٹوٹ جاوے تو کوئی مضائقہ نہیں یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ یسّروا ولا تعسّروا۔ لَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا شَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ اَلدِّيْنُ يُسْرٌ وغیرہ آیات واحادیث بعمومہا اسپر دال ہیں۔ نیز مولانا حمید اللہ صاحب سراوے والوں نے بھی اپنی کتاب خطبات التوحید کے صـ۱۲۰ میں حدیث مندرجہ بالا کا یہی ترجمہ کیا ہے کہ "وہ شخص دسویں تاریخ تک اپنے بال اور جلد کو حجامت وغیرہ کی غرض سے نہ چھیڑے اور ایک روایت میں صریح لفظ آئے ہیں کہ ایک بھی بال نہ کٹائے اور ایک ناخن بھی نہ ترشوائے" خط کشیدہ عبارت سے صاف عیاں ہے کہ بغرض ترجیل بالوں کو چھیڑنا ممنوع نہیں۔

سوال (۲۶۱) ایک شخص نے کسی سے ایک من گیہوں بونے کے لئے لی اس شرط پر کہ بعد پیدا ہونے کے سوا من دیدوں گا گویا چھ مہینے کے بعد تو کیا اس صورت کو سودی کہینگے اور کن کن صورتوں پر سود عائد ہوگا۔

(سائل حکیم حافظ اعجاز الدین صاحب مالک اعجازی دواخانہ یونانی ضلع میرٹھ)

جواب (۲۶۱) صورت مسئولہ بیاجی وسودی ہے جو ممنوع وحرام ہے۔ حدیث ابو سعید خدری میں مرفوعاً موجود ہے اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَاءٌ (رواہ مسلم) یعنی سونا بدلے سونے کے اور چاندی بدلے چاندی کے اور گیہوں بدلے گیہوں کے اور جو بدلے جو کے اور کھجور بدلے کھجور کے اور نمک بدلے نمک کے مانند ساتھ مانند کے ہاتھ بہ ہاتھ بیچنا درست ہے۔ پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا اس نے معاملہ بیاج کا کیا لینے والا اور دینے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں پس معلوم ہوا کہ ایک من گندم کے بدلے سوا من یا کچھ کم من لینا عین ربا ہے جس سے اجتناب کلی ہر مسلم (کو لازم ہے)

کیا ایک من گیہوں کے بدلے سوا من لینا سود ہے

شخص پر فرض ہے:-

سوال (۲۶۲) جناب نے بیان فرمایا ہے ماہ ربیع الاول ۵۹ھ کے رسالہ میں صـ۱۵ سوال ۵۴۹ کے جواب میں کہ کھیتی کی زکوٰۃ کھیت کٹتے ہی دیجائے بخلاف روپے کی زکوٰۃ کے کہ اس میں سال گزرنے پر دیجاتی ہے۔ کیا جو مالک نصاب نہیں جیسا کہ روپے کی زکوٰۃ سال گزرنے پر دیجائے گی تو مقروض کے پاس تو سال گزرنے تک روپیہ رہنے کا ہی نہیں اور کھیتی کی کھیت کٹتے ہی دی جائے گی تو کیا مقروض شخص کو بھی کھیتی کی زکوٰۃ دینی ہوگی اور کوئی شخص زمیندار جو چار آنہ فی بیگہ سال اور غیر زمیندار ۱؎ و ۲؎ و ۳؎ و ۴؎ اور اس سے بھی زائد لگان (خراج) ادا کرتے ہیں کیا سب کو دسواں حصہ زکوٰۃ دینی ہوگی۔

(سائل مذکور)

جواب (۲۶۲) جو شخص صاحب نصاب نہیں اسپر زکوٰۃ بھی نہیں۔ جس مقروض کے پاس سال گزرنے تک روپیہ نہیں رہا بلکہ اس نے قبل از اختتام سال دائن کو سب روپیہ ادا کر دیا اسی طرح تمام غلہ قرض خواہ کو دیدیا اور اس کے ملک میں زکوٰۃ کے قابل نہیں بچا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ نہیں۔ ہاں جو مدیون دائن کو روپیہ وغیرہ ابھی نہ دے اپنے پاس رکھے اور زکوٰۃ کا وقت آجائے تو برابر اس کی زکوٰۃ دینی ہوگی جیسے لوگوں کا قرض واجب الادا ہے اس سے کئی درجہ زیادہ زکوٰۃ اللہ کا قرض ہے فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ نیز ہر زمین کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر (جیسی صورت ہو) لازم و فرض ہے بشرطیکہ مالک پیداوار مسلمان ہو اور پیداوار نصاب کو پہنچ جائے خواہ زمین خراجی ہو یا عشری اور خواہ زمین مالک پیداوار کی مملوک ہو یا نہ ہو یعنی مالک پیداوار زمیندار ہو یا غیر زمیندار بہر صورت عشر یا نصف عشر لازم ہے کیونکہ ادلہ وجوب عشر و نصف عشر عام ہیں کما قال تعالیٰ اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَفِيْمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (متفق علیہ)

الغرض زمین کا خراج، لگان، معاملہ، محصول، آبیانہ ادا کرنا پڑتا ہو یا نہ پڑتا ہو ہر حالت میں زکوٰۃ واجب ہے صرف فرق اتنا ہے کہ جس زمین پر آبیانہ وغیرہ کا خرچ کافی پڑتا ہے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے اور جس پر خرچ وغیرہ نہیں آتا اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے۔ جو لوگ زمین کے لگان خراج وغیرہ کی وجہ سے وجوب زکوٰۃ کے قائل نہیں ان کا قول غلط و باطل ہے لانہ قد صح عن عمر بن عبد العزیز انہ قال لمن قال انما علیّ الخراج الخراج علی الارض والعشر علی الحب اخرجہ البیہقی من طریق یحییٰ بن آدم فی الخراج لہ وفیہا عن الزہری لم یزل المسلمون علی عہد رسول اللہ

کیا مقروض کو کھیتی کی زکوٰۃ دینی ہوگی اور کیا ... لگان دینے والوں کو سب کو ہی دسواں حصہ زکوٰۃ دینی ہوگی۔

صلی اللہ علیہ وسلم وبعدہ یُقَاسِمُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ وَیَسْتَکْرُوْنَهَا وَیُؤَدُّوْنَ الزَّکٰوۃَ عَمَّا یَخْرُجُ مِنْهَا وَفِی الْبَابِ حَدِیْثُ ابْنِ عُمَرَ فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ عُشْرٌ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَ یُشَدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا انتہیٰ یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم چونکہ زمین کا خراج، لگان وغیرہ ادا کرتے ہیں لہٰذا ہم پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ان کو امیر المومنین عمر ثانی عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ دنداں شکن جواب دیکر ساکت کر دیا کہ خراج زمین پر ہے اور زکوٰۃ (عشر) دانوں یعنی زمین کی پیداوار پر ہے۔ امام بیہقی نے اس کو بطریق یحییٰ بن آدم روایت کیا ہے۔ نیز امام بیہقی کی کتاب الخراج میں امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ عہد نبوی سے برابر یہ دستور چلا آیا ہے مسلمان زمین کی کاشت کرتے زمینیں بٹائی وغیرہ پر دیتے لیتے تھے اور اس کی کل پیداوار کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ حدیث ابن عمرؓ سے بھی یہی امر مستفاد ہوتا ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے عشر یا نصف عشر ہے، لگان و معاملہ وغیرہ مسلمانوں پر شاہی ایجاد ہے شرعی حکم نہیں۔ اگر لگان زمین کا جو خلاف شرع ہو خواہ وہ ۴ روپے بیگہ ہو یا ۸ یا اس سے زائد زمیندار پر ہو یا غیر زمیندار پر ادا نہ کیا جائے تو شرعاً کوئی حرج نہیں۔ اور زمیندار ہو یا غیر زمیندار اگر زکوٰۃ (عشر) نہ ادا کرے تو شرعاً سخت مجرم یعنی کافر ہے۔ حدیث میں ہے مَنْ لَمْ یُزَکِّهٖ فَهُوَ لَیْسَ بِمُسْلِمٍ جو زکوٰۃ نہ دے وہ مسلمان نہیں۔

مسئلہ ہذا کے متعلق ائمہ اربعہ کا مذہب

علماء کے مابین یہ مسئلہ معارکۃ عظیم سے ہے امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا یہ مذہب ہے کہ خراج و عشر دونوں لازم ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں سوائے خراج کے اور کچھ لازم نہیں چنانچہ ہدایہ میں ہے وَلَا عُشْرَ فِی الْخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الْخَرَاجِ اھ فتح القدیر میں ہے وَقَالَ الشَّافِعِیُّ وَمَالِکٌ وَاَحْمَدُ یَجْمَعُ بَیْنَهُمَا لِاَنَّهُمَا حَقَّانِ ذَاتًا وَمَحَلًّا وَسَبَبًا وَمَصْرَفًا۔ گو صاحب ہدایہ نے اپنے مدعا کے اثبات میں تین ادلہ قائم کئے ہیں مگر حنفی مذہب کے بڑے ٹھیکیدار امام ابن ہمام مصنف فتح القدیر نے تینوں کو مخدوش و منظور فیہ قرار دیا ہے۔ نیز علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حنفی نے اپنی کتاب تفسیر مظہری میں صاف لکھ دیا ہے وَ لَمْ یَثْبُتْ مَنْعُ الْجَمْعِ بَیْنَ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ بِدَلِیْلٍ شَرْعِیٍّ یعنی عشر اور خراج میں تفریق کرنا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں (کہ وہ دلیل خراجی زمین سے عشر کو مانع ہو) بعض حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی امام جائر یا عادل سے خراجی زمین کا عشر لینا صراحۃً ثابت و مذکور نہیں نہ خلفاء اربعہ سے نہ دیگر کسی صحابی وغیرہ سے۔ پس ثابت ہوا کہ اس پر تمام صحابہ کا اجماع تھا لیکن علامہ حجر عسقلانی نے اس دعویٰ اجماع کو بالکل توڑ دیا ہے۔ فرماتے لَا اِجْمَاعَ مَعَ خِلَافِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ

لہ جیسے صاحب ہدایہ وغیرہ ۱۲ منہ لہ کسی شے کا عدم ذکر اس کے عدم وجود کو مستلزم نہیں ہوتا فافہم ۱۲ منہ

وَالزُّهْرِیِّ بَلْ لَمْ یَثْبُتْ عَنْ غَیْرِهِمَا التَّصْرِیْحُ بِخِلَافِهِمَا انتہیٰ یعنی جب عمر بن عبدالعزیزؒ و امام زہری جیسے حضرات سے اس کے خلاف منقول ہے تو پھر اجماع کہاں رہا۔ بلکہ ان دونوں کے سوائے کسی سے بھی اس کے خلاف تصریح ثابت نہیں۔ بس مسئلہ ہذا میں جو کچھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم کا بھی مسلک ہے لِاَنَّهٗ کَانَ مُتَّبِعًا لَهٗ مُقْتَفِیًا لِاٰثَارِهٖ۔ رہا صاحب ہدایہ کا حدیث لَا یَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِیْ اَرْضِ مُسْلِمٍ سے استدلال کرنا، سو اول تو حنفیہ کے امام ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ وَهُوَ حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ۔ دوم علامہ حافظ ابن حجرؒ نے درایہ ص۲۶۸ میں لکھا ہے کہ حدیث لَا یَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِیْ اَرْضِ مُسْلِمٍ اِلٰی قَوْلِهٖ وَفِیْهِ یَحْیَی بْنُ عَنْبَسَةَ وَهُوَ وَاهٍ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِیُّ هُوَ کَذَّابٌ یعنی یہ حدیث ضعیف ہے اس میں یحییٰ بن عنبسہ راوی واہی اور کذاب ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ صاحب ہدایہ کا اس سے استدلال پکڑنا بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث میں لفظ "مسلم" کا صاف بتا رہا ہے کہ مسلمان پر یہ دونوں چیزیں نہیں یعنی امام وقت و بادشاہ وقت کو چاہئے کہ ایک مسلم شخص پر زکوٰۃ کے ہمراہ خراج لگان وغیرہ نہ لگائے اگر کوئی بادشاہ اس مسلمان پر جو صاحب نصاب ہے اور پورے طور پر موافق شرع زکوٰۃ ادا کرتا ہے خراج و لگان وغیرہ لگا دے اور جبراً اس سے وصول کرے تو یہ اس کا اپنا جور و استبداد ہے شرعی حکم نہیں۔ ہاں شرعاً اس مسلمان کو بھی ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ حکام وقت کا مقرر کردہ خراج تو ادا کر دے مگر اس احکم الحاکمین کا مقرر کردہ عشر ہضم کر جائے اور ادا نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو یوم الحساب میں اس ذی الجبروت والملکوت کو کیا جواب دیگا بجز تحسر، افسوس، ندامت، خجالت، حسرت کے کچھ بن نہ پڑے گا اور عذاب الٰہی میں مرکوس و منکوس ہو جائے گا فقط

(مفتی) ابو محمد عبدالستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار (آمین)

صحیفہ اہلحدیث دہلی بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق مئی ۱۹۴۰ء جلد ۳ نمبر ۸

تمت

ضروری اطلاع اس فتاوے کے اکثر عاشقین سنت منتظر تھے بحمد اللہ یہ چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔ یہ جلد اول ہے، دوسری جلد بھی الحمد للہ چھپ چکی ہے وہ بھی ضرور منگا کر مطالعہ میں رکھئے اور اپنے حلقۂ احباب میں اس کی اشاعت کیجئے آپ اجر دارین کے مستحق ہوں گے انشاء اللہ۔ ان فتاووں کے دو چار خریدار اور بھی پیدا کیجئے فقط والسلام

عبدالغفار سلفی عفی لہٗ
۲۹/۳

فہرست مضامین فتاویٰ ستاریہ جلد اول

تمت